بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خلاصۃ التفاسیر

قرآنِ مُبین مترجم

۲۵ (25)

مختلف مکاتبِ فکر قدیم و جدید اہم تفاسیر کا خلاصہ
اور آسان اُردو ترجمہ

از ڈاکٹر محمد حسن رضوی

ناشر: پاک محرم ایجوکیشن ٹرسٹ
(۲۷۹ - بریٹو روڈ - کراچی - فون: ۷۲۲۳۵۴۰)

www.drhasanrizvi.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خلاصۃ التفاسیر

قرآنِ مبین مترجم

پارہ

۲۵

مختلف مکاتبِ فکر، قدیم و جدید، اہم تفاسیر کا خلاصہ
اور آسان اردو ترجمہ

از ڈاکٹر محمد حسن رضوی

ناشر: پاک محرم ایجوکیشن ٹرسٹ (رجسٹرڈ)
(۲۷۹- بریٹو روڈ- کراچی- فون، ۷۲۳۳۳۵۴)

www.drhasanrizvi.com

سید محمد عظمت علی نوری
ریسرچ و رجسٹریشن آفیسر
(محکمہ اوقاف سندھ) کراچی

تصدیق نامہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم"

میں نے "پاک محرم ایجوکیشن، نمائش" کا شائع کردہ "پچیسواں پارہ "الیہ یرد" مع ترجمہ تفسیر" کو بغور پڑھا ہے، اور میں تصدیق کرتا ہوں کہ اب الحمدللہ! ترمیم واصلاح کے مراحل سے گزر کر تمام غلطیوں سے مبرا ہو گیا ہے۔

دوران طباعت اگر زبر، زیر، پیش، جزم، تشدید یا نقطہ وغیرہ چھپائی میں خراب ہو جائے تو اس کا متن کتابت کی صحت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

علی عمران صدیقی
مدرس دارالعلوم نعیمیہ، کراچی
خطیب جامع مسجد بن النجود

فہرستِ عناوین پارہ ۲۵

شمار	عناوین	صفحہ
۱	خدا کی نشانیاں	۴۵۸۶
۲	انسان کے اندر کی نشانیاں	۴۵۸۷
۳	سورۃ الشوریٰ کے فضائل اور خصوصیات	۴۵۹۰
۴	سورۃ الشوریٰ	۴۵۹۱
۵	ولی کے معنی	۴۵۹۷
۶	آیت ۸ کا مقصد	۴۶۰۲
۷	ولی اور نصیر کے درمیان فرق ہے	۴۶۰۳
۸	لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ	۴۶۰۹
۹	خدا رازق ہے	۴۶۱۲
۱۰	روزی تلاش کرنا ضروری ہے	"
۱۱	رزق صرف دنیوی نعمتوں کا نام نہیں ہے	۴۶۱۳
۱۲	روزی بڑھانے کا روحانی طریقہ قرآن سے	"
۱۳	روزی میں تنگی کیوں ہو جاتی ہے	۴۶۱۴
۱۴	روزی کا دینا صرف خدا کے ہاتھ میں ہے	۴۶۱۵
۱۵	خدا کا فرمانا "شرع لکم"	۴۶۱۷
۱۶	قرآن کی رُو سے دین	۴۶۱۷
۱۷	تاویل یعنی اوّلین معنی و مطلب	۴۶۱۹
۱۸	آیت ۱۳ کا پیغام	۴۶۲۲
۱۹	بُرے اعمال کا انجام	۴۶۳۶
۲۰	قُربیٰ کے معنی اور تفاسیر	۴۶۴۲
۲۱	وہابی علماء اور خاصکر مولنٰا مودودی صاحب کا اس تفسیر اہلِ بیت پر اعتراض	۴۶۴۴
۲۲	انسان کے سب سے بڑے ۲ مسائل	۴۶۴۵
۲۳	محبت کا ثبوت اور اوّلین تقاضا	۴۶۴۶
۲۴	اکابر اہلِ سنّت نے بھی قربیٰ سے مراد اہلِ بیتؑ رسولؐ لیا ہے۔	"
۲۵	ایک اور اعتراض	"
۲۶	امام شافعی نے فرمایا	۴۶۴۷
۲۷	آیت کو آلِ محمدؐ سے ہٹانے کے لیے	"
۲۸	سنّی کتب سے احادیثِ رسولؐ سنّی ذریعے	۴۶۴۸

www.drhasanrizvi.com

ب

شمار	عناوین	صفحہ
۲۹	آلِ محمدؐ کی محبت پر ۱۹ احادیث اور دشمنی پر ۳ احادیث	۴۶۴۹
۳۰	شاعرانہ استدلال کا جائزہ	۴۶۵۲
۳۱	اقترافِ حسنہ نیکی کمانا سے مراد	۴۶۵۳
۳۲	اصل نیکی کیا ہے ؟	״
۳۳	ایک آخری اعتراض	۴۶۵۵
۳۴	آیت ۲۴ کا پیغام	۴۶۵۶
۳۵	آیت ۲۷ شانِ نزول	۴۶۶۰
۳۶	ضروری نوٹ	۴۶۶۲
۳۷	یہاں انسانی مصائب کی وجہ نہیں بتائی جارہی ہے	۴۶۶۷
۳۸	نتیجہ اور تعلیمات آیت ۳۰	۴۶۶۹
۳۹	نعمتوں کے واپس ملنے اور بلاؤں کو ٹالنے کا طریقہ	״
۴۰	صبّارٍ شکورٍ کا مطلب	۴۶۷۲
۴۱	توکّل کے معنی	۴۶۷۵
۴۲	دنیا کی حقیقت	۴۶۷۶
۴۳	گناہانِ کبیرہ کی فہرست	۴۶۷۷
۴۴	مشورہ کرنے کی اہمیت	۴۶۸۱

شمار	عناوین	صفحہ
۴۵	ینتصرون کا لفظ انتصار سے ہے	۴۶۸۲
۴۶	ظالم نے ظلم کو سیئۃ فرمایا	۴۶۸۴
۴۷	ظلم اور بغاوت میں فرق	۴۶۸۶
۴۸	طرفِ خفی (نیم باز آنکھوں سے دیکھنا)	۴۶۹۰
۴۹	اعتراض و انکار کرنے کے تین معنی	۴۶۹۴
۵۰	آیت ۴۹ کا پیغام	۴۶۹۷
۵۱	״ کے نتائج و تعلیمات	۴۶۹۸
۵۲	'عقیم' کے لفظ کی وضاحت	۴۶۹۹
۵۳	وحی کی حقیقت	۴۷۰۰
۵۴	جدید فلاسفہ کی اصل غلطی	۴۷۰۱
۵۵	اصل حقیقت	״
۵۶	دلیلِ عقلی	״
۵۷	شانِ نزول آیت ۵۱	۴۷۰۲
۵۸	آیت کا خلاصہ	״
۵۹	وحی کے معنی	۴۷۰۴
۶۰	حضرت علیؑ نے وحی کی سات قسمیں بتائیں	״
۶۱	وحی کی حقیقت	۴۷۰۶
۶۲	روح کیا ہے آیت ۵۲	۴۷۰۹

ج

شمار	عناوین	صفحہ
۶۳	نبوّت سے پہلے رسولؐ کس دین پر تھے	۴۷۱۰
۶۴	پھر خدا نے یہ کیوں فرمایا ؟	۴۷۱۱
۶۵	سورۃ الزخرف کے فضائل اور خصوصیات	۴۷۱۴
۶۶	سورۃ الزخرف	۴۷۱۵
۶۷	اُمّ الکتاب کے معنی	۴۷۲۰
۶۸	مخلوقات جوڑے جوڑے پیدا ہوئی	۴۷۳۰
۶۹	نعمتوں کے موقع پر خدا کی یاد	۴۷۳۲
۷۰	آیت ۱۸ کا حاصل اور نتیجہ	۴۷۳۹
۷۱	مراجعِ عظام کی تقلید کا سوال	۴۷۴۵
۷۲	اہلسنّت کے اکابرین نے فرمایا	۴۷۵۰
۷۳	اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ (الانعام ۱۲۴)	۴۷۵۵
۷۴	ایک اور اعتراض	۴۷۵۷
۷۵	آیت ۳۵ کے نتائج و تعلیمات	۴۷۶۳
۷۶	آیت ۳۸ " " "	۴۷۶۷
۷۷	خاص بات یہ ہے	۴۷۶۹
۷۸	ذکر سے مراد	۴۷۷۱
۷۹	آیت ۴۳ تا ۴۴ کا حاصلِ کلام	۴۷۷۲
۸۰	ضروری نوٹ	۴۷۷۵
۸۱	فرعون اور اس کے سرداروں کی بد معاشیاں	۴۷۸۱
۸۲	امام مہدیؑ سے جنّت کے بارے میں پوچھا گیا۔ تو فرمایا	۴۸۰۱
۸۳	آنحضرتؐ سے اعرابی نے پوچھا: جنّت میں اونٹ ہوں گے؟ تو فرمایا	۴۸۰۳
۸۴	خدا کی معرفت	۴۸۰۹
۸۵	آیت ۸۴ کا حاصلِ مقصد	۴۸۱۱
۸۶	زندیق کا غلط استدلال	"
۸۷	آیت ۸۵ کا حاصل	۴۸۱۳
۸۸	شانِ نزول آیت ۸۶ اور نتیجہ	۴۸۱۴
۸۹	آیت ۸۶ کے دو مفہوم	۴۸۱۵
۹۰	نتائج و تعلیمات	۴۸۱۶
۹۱	سورۃ دخان کے فضائل اور خصوصیات	۴۸۲۰
۹۲	سورۃ دُخان	۴۸۲۱
۹۳	لیلۃٍ مبارکۃٍ مبارک سے مراد	۴۸۲۱
۹۴	مبارک کے معنی	۴۸۲۳
۹۵	رسولؐ اور قرآن اُتارنے کا مقصد	۴۸۲۳
۹۶	بیت المعمور کیا ہے ؟	۴۸۲۶
۹۷	سوال یہ ہے کہ پھر ۲۷ رجب کو کیا ہوا	"
۹۸	دُخان پر بحث	۴۸۳۱

شمار	عناوین	صفحہ
۹۹	بطشۃ الکبریٰ کے معنی	۴۸۳۲
۱۰۰	آیت ۱۶ کی دو تفسیریں	۴۸۳۷
۱۰۱	رسول کریم کے لفظ کا مطلب	۴۸۳۹
۱۰۲	برائی کی انتہاء	۴۸۴۲
۱۰۳	امام حسینؑ کی مصیبت پر آسمان و زمین بھی روئے	۴۸۴۸
۱۰۴	آیت ۳۶ کی شانِ نزول	۴۸۵۱
۱۰۵	جوابِ سوال	۴۸۵۳
۱۰۶	مولیٰ کے لفظ کے لغت میں ۲۷ معنی	۴۸۵۹
۱۰۷	سُندس ۔ استبرق کے معنی	۴۸۶۵
۱۰۸	مقامِ امین کے معنی	۴۸۶۶
۱۰۹	اطمینان سے طلب کرنے کا مطلب	۴۸۶۷
۱۱۰	اھم بات ۔ سوال	۴۸۶۸
۱۱۱	جنّت خدا کا فضل و کرم ہے	۴۸۷۰
۱۱۲	مولوی کا فلسفہ	۴۸۷۲
۱۱۳	ضروری نوٹ	۴۸۷۳
۱۱۴	سورۃ جاثیہ کے فضائل اور خصوصیات	۴۸۷۵
۱۱۵	سورۃ الجاثیۃ	۴۸۷۶
۱۱۶	قرآن کی عظمت	۴۸۷۷
۱۱۷	حاصلِ بیان	۴۸۷۷
۱۱۸	خدا کی قدرت و حکمت کے کارنامے	۴۸۸۳
۱۱۹	اصل میں دو قسم کے لوگ ہیں	۴۸۹۱
۱۲۰	عربی میں وراء کا لفظ ...	۴۸۹۲
۱۲۱	غور و فکر کی دعوت	۴۸۹۹
۱۲۲	آیت ۱۳ کے نتائج	۴۹۰۰
۱۲۳	اَیّامَ اللّٰہِ سے مراد	۴۹۰۱
۱۲۴	آیت ۱۶ میں حُکم سے مراد ۲ چیزیں	۴۹۰۴
۱۲۵	بنی اسرائیل کو کیا کیا نعمتیں دی گئیں	۴۹۰۵
۱۲۶	آیت ۱۸ کا پیغام	۴۹۰۷
۱۲۷	״ کی شانِ نزول	۴۹۰۸
۱۲۸	توحید کے بعد آخرت کا ثبوت	۴۹۱۳
۱۲۹	آیت ۲۱ کے نتائج و تعلیمات	۴۹۱۴
۱۳۰	اَضَلَّہُ اللّٰہُ عَلٰی عِلْمٍ کے معنی	۴۹۲۲
۱۳۱	سب سے زیادہ خطرناک چیز	״
۱۳۲	جاثیہ کے معنی	۴۹۳۱
۱۳۳	خاص باتیں	۴۹۳۶
۱۳۴	خدا کی آیات کون ہیں	۴۹۴۲
۱۳۵	خدا و ندِ عالم کائنات پر پوری طرح غالب ہے	۴۹۴۴
۱۳۶	عرفاء نے لکھا کہ :	۴۹۴۵

www.drhasanrizvi.com

اِلَیۡہِ یُرَدُّ پارہ ۲۵

بقیہ : سورہ حٰم السجدہ

اِلَیۡہِ یُرَدُّ عِلۡمُ السَّاعَۃِ ؕ (۴۷) قیامت (کے آنے) کے وقت کا علم

وَمَا تَخۡرُجُ مِنۡ ثَمَرٰتٍ ہر پھر کر خدا ہی کی طرف لوٹتا

مِّنۡ اَکۡمَامِہَا وَمَا ہے (یعنی اللہ کے سوا کوئی نہیں

تَحۡمِلُ مِنۡ اُنۡثٰی جانتا کہ قیامت کب آئے گی

وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلۡمِہٖ ؕ یہاں تک کہ) کوئی پھل اپنے

وَیَوۡمَ یُنَادِیۡہِمۡ اَیۡنَ غلافوں یا شگوفوں سے نہیں نکلتا

شُرَکَآءِیۡ ۙ قَالُوۡۤا اٰذَنّٰکَ ۙ اور نہ کسی ماں کے پیٹ میں کوئی

مَا مِنَّا مِنۡ شَہِیۡدٍ ﴿ۚ۴۷﴾ بچہ موجود ہے، اور نہ وہ اُس

کے ہاں پیدا ہوتا ہے، مگر یہ کہ اللہ اس کو جانتا ہے۔ پھر جس دن وہ

ان لوگوں کو پکارے گا کہ (بتاؤ) کہاں ہیں وہ میرے شریک؟"

www.drhasanrizvi.com

تو وہ کہیں گے کہ: "ہم تو آپ کو (پہلے ہی) بتا چکے ہیں کہ اب ہم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جو اُن (کے خدا ہونے) کی گواہی دے"

لہ "اس ساعت یا وقت" سے مراد قیامت کا وقت یعنی وہ وقت جب برائی کرنے والوں کو برائی کا اور نیک لوگوں کو نیکی کا بدلہ دیا جائے گا۔ مظلوموں کی دادرسی کی جائے گی اور ظالموں کو ان کے کرتوت کی سزا دی جائے گی۔

از مکافاتِ عمل غافل مشو

گندم از گندم بروید جو ز جو

اور خدا کا یہ فرمانا کہ "اس وقت کا علم اللہ ہی کی طرف لوٹتا ہے" یعنی اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ وہ فیصلہ کا وقت کب آئے گا؟ یہ جواب کفّار کے اس چیلنج کا دیا جا رہا ہے کہ وہ کہتے تھے یہ جو بار بار کہا جا رہا ہے کہ برائی کا انجام بُرا ہوگا، تو آخر وہ کب ہوگا؟

پھر خداوندِ عالم کا یہ فرمانا "وہی خدا جانتا ہے کہ کون سے پھل پھول شگوفے نکلیں گے اور کون سی مادہ حاملہ ہوگی اور کس نے بچہ جننا ہے" گویا خدا یہ بتلا رہا ہے کہ صرف قیامت کے دن ہی کی بات نہیں، بلکہ تمام غیبی باتوں کا علم صرف اور صرف اللہ ہی کو ہے۔ کوئی دوسرا عالم الغیب نہیں ہے۔ (یہ اور بات ہے کہ خدا خود کسی کو غیب کا کچھ علم عطا فرما دے)

www.drhasanrizvi.com

دوسرے یہ کہ ہر بات کے تمام جزیات کا تفصیلی علم خدا ہی کو حاصل ہے کہ کون کیا کر رہا ہے؟ اور کون سی غلطی کر رہا ہے؟ اس لیے کسی کو خدا کی خدائی میں من مانی نہیں کرنی چاہیے اور کسی کو خدا سے بے خوف ہونا چاہیے۔

آخری مطلب یوں ہے کہ اے احمقو! تم قیامت کے آنے کی تاریخ معلوم کرنے کے چکر میں کیوں پڑے ہوئے ہو، اگر فکر کرنی ہے تو اس بات کی فکر کرو کہ جب وہ وقت آئے گا تو تمھیں تمھاری تمام بدمعاشیوں کی بڑی سخت سزا بھگتنی پڑے گی۔ (تفسیر کبیر۔ مجمع البیان)

ایک دفعہ جناب رسولؐ خدا سفر پر جا رہے تھے۔ راستے میں ایک شخص نے آپ کو روک کر پوچھا کہ: "قیامت کب آئے گی؟" آپؐ نے فرمایا: "خدا کے بندے قیامت تو بہرحال آنی ہی آنی ہے۔ تو یہ بتا کہ تو نے اس کے لیے کیا تیاری کی ہے؟" (صحاح ستہ، سنن اور مسانید میں حد تواتر کے ساتھ)

آخر میں خداوند عالم کا یہ فرمانا کہ جب خدا قیامت کے دن مشرکوں سے پوچھے گا کہ بتاؤ میرے وہ شریک کہاں ہیں؟ تو مشرک کہیں گے: "آج ہم میں سے کوئی اس کی گواہی دینے والا نہیں ہے۔" یعنی مشرک یہ کہیں گے کہ اب ہم پر یہ حقیقت پوری پوری طرح کھل چکی ہے کہ ہم جنھیں خدا کا شریک سمجھ بیٹھے تھے وہ سراسر غلط تھا۔ اب ہمارے درمیان کوئی ایک شخص بھی اس بات کا قائل نہیں ہے

www.drhasanrizvi.com

کہ تیری خدائی میں تیرا کوئی شریک ہو سکتا ہے۔

مشرکوں کا یہ کہنا کہ "ہم عرض کر چکے ہیں" بتا رہے ہیں کہ مشرک قیامت کے دن بار بار مختلف مراحل میں خدا کی وحدانیت کا اقرار کریں گے، شرک کی نفی کا اعتراف کریں گے۔ بار بار اعتراف کریں گے کہ واقعاً حق وہی تھا جو انبیائے کرامؑ لائے تھے۔ ہماری غلطی تھی کہ ہم اپنی جہالتوں پر اڑے رہے تھے۔

مگر وہاں ان کا یہ اعتراف و اقرار انھیں کوئی فائدہ نہ پہنچا سکے گا۔ اس لیے کہ عقل کا امتحان ختم ہو چکا ہو گا۔ ہر غیب ظاہر ہو چکا ہو گا۔ اس لیے اگلی آیت میں فرمایا: "اس وقت ان کے وہ سارے جھوٹے خدا ان کے پاس سے غائب ہو جائیں گے جنھیں یہ اس سے پہلے پکارتے تھے۔ تب وہ سمجھ لیں گے کہ اب ان کے لیے پناہ لینے (یعنی عذاب خدا سے بچنے) کی کوئی جگہ نہیں ہے۔" پھر وہ اپنے گناہ اور شرک کے اقرار کے بعد جہنّم واصل کر دیے جائیں گے۔ خس کم جہاں پاک۔

(...... تفسیر کبیر۔ تفہیم)

غرض اس آیت میں خدا کی صفتِ علم کو بیان کیا گیا ہے۔ خدا کا علم کامل اور ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔ اس بات کا علم بھی صرف خدا ہی کو ہے کہ قیامت کب آئے گی؟

(تفسیر ماجدی)

www.drhasanrizvi.com

اور خدا کا فرمانا کہ "بتاؤ میرے شریک کہاں ہیں؟" تو میرے شریک سے مراد وہ ہیں جن کی لوگ خدا کو چھوڑ کر عبادت کیا کرتے تھے۔

(تفسیر صافی۔ تفسیر قمی)

مشرکوں کا یہ کہنا کہ: "اب ہم میں سے کوئی نہیں ہے جو ان کے خدا ہونے کی گواہی دے۔" اس کا مطلب یہ ہے کہ اب ہم میں سے کوئی بھی ان کو تیرا شریک ماننے کو تیار نہیں ہے۔

(مدارک)

کیونکہ اب قیامت کے دن ہم پر تمام حقیقت کھل چکی ہے اور شرک کرنے کے بدترین نتائج ہم نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لیے ہیں اس لیے ہم نے اب ان جھوٹے خداؤں سے علیحدگی اختیار کر لی ہے۔ اور اب وہ جھوٹے خدا ہمیں کہیں دکھائی بھی تو نہیں دے رہے ہیں۔ وہ تو گدھے کے سینگوں کی طرح ہمارے پاس سے رفوچکر ہو چکے ہیں۔

(تفسیر صافی)

وَضَلَّ عَنۡهُمۡ مَّا كَانُوۡا يَدۡعُوۡنَ مِنۡ قَبۡلُ وَظَنُّوۡا مَا لَهُمۡ (۴۸) اس وقت وہ سارے (جھوٹے خدا) اُن سے غائب ہو جائیں گے جنھیں وہ پُکارا کرتے تھے۔

www.drhasanrizvi.com

مِّنۡ مَّحِيۡصٍ ﴿۴۸﴾ تب وہ لوگ سمجھ لیں گے کہ اب اُن کے لیے بھاگنے یا پناہ لینے کی کوئی جگہ نہیں ہے۔

یعنی مایوسی کے عالم میں مشرک قیامت کے دن ہر طرف نظریں دوڑائیں گے کہ جن کی عمر بھر سیوا کرتے رہے شاید ان میں سے کوئی مدد کے لیے آجائے اور ہمیں خدا کے عذاب سے چھڑالے ۔۔۔ یا ۔۔۔ کم سے کم ہماری کچھ سزا ہی کم کرا دے۔ مگر انھیں کسی طرف سے کوئی مدد نہیں ملے گی۔ یہ ان کی انتہائی بے چارگی کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ (تفسیر کبیر۔ مجمع البیان۔ تفہیم)

ع "اس طرح تو ہوتا ہے اس طرح کے کاموں میں"۔

آخر میں مشرکوں کے لیے خداوند عالم کا یہ فرمانا کہ: "تب وہ لوگ سمجھ لیں گے" یہاں " ظن " کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ یہاں ظن کے معنی اندازے کے نہیں ہیں بلکہ پوری طرح سمجھ لینے اور یقین کر لینے کے ہیں۔ قرآن میں اور کئی مقامات پر بھی ظن کے معنی یقین کرنے کے آئے ہیں۔

(قرطبی۔ روح۔ ابن کثیر۔ تفسیر کبیر)

امام راغب نے لکھا کہ "ظن" اس عقیدے اور نظریے کو کہتے ہیں جو دلیل

www.drhasanrizvi.com

اور قرینے سے حاصل ہو۔ یہ عقیدہ کبھی یقین بن جاتا ہے اور کبھی صرف کمزور گمان بن کے رہ جاتا ہے۔ (مفرداتِ امام راغب)

لَا یَسۡـَٔمُ الۡاِنۡسَانُ مِنۡ دُعَآءِ الۡخَیۡرِ ۫ وَ اِنۡ مَّسَّہُ الشَّرُّ فَیَـُٔوۡسٌ قَنُوۡطٌ ﴿۴۹﴾

(۴۹) آدمی کبھی اپنی بھلائی اور فائدے کے لیے دُعا کرنے سے نہیں تھکتا۔ اور جب کوئی مصیبت یا بُرائی پہنچ جاتی ہے تو وہ ایک دم سے مایوس ہو کر نا اُمید ہو جاتا ہے۔

یہاں انسان سے مراد غیر تربیت یافتہ ناشکرا انسان ہے، جس کا دل ایمان کے نُور سے منوّر نہ ہوا ہو۔ ایسے لوگ زندگی بھر مال، دولت، اقتدار، جنسی خواہشات ہی کے چکروں میں پھرتے رہ جاتے ہیں۔ ان کے پاس وہ پاک رُوح یا عقل نہیں ہوتی جو مادّیات کے آگے کچھ دیکھ سکے۔ ایسے لوگوں کے پاس جب دنیا کی نعمتیں آتی ہیں تو وہ خوش و خرم مسرور بلکہ مغرور ہو جاتے ہیں۔ مگر جب دُنیا کی نعمتیں اُن سے مُنہ موڑ لیتی ہیں پھر اُن کے پاس کوئی چراغ نہیں ہوتا جو ان کے اندھیروں کو روشن کر سکے اور اُمید کی کوئی کرن پیدا کر سکے۔ پھر یہ لوگ انتہائی نا اُمید

www.drhasanrizvi.com

Frustrated ہوجاتے ہیں اور اکثر خودکشی تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔

(تفسیر نمونہ)

"یئوس" یاس کے معنی میں ہے اور قنوط کے معنی ناامیدی جس کا چہرے کے رنگ سے اظہار ہوتا ہے۔ (تفسیر المیزان ۔ تفسیر کبیر ۔ روح المعانی)

علامہ طبرسی نے لکھا کہ یاس اچھائی سے ناامید ہونے کو کہتے ہیں اور قنوط رحمت سے ناامید ہونے کو کہتے ہیں۔ (مجمع البیان)

مغروروں کے لیے قرآن نے بتایا کہ:

خوشی کے عالم میں وہ کہتا ہے" میں ہرگز نہیں سمجھتا کہ قیامت برپا ہوگی (اور اگر برپا کی بھی گئی) تو میں اپنے مالک کی طرف جاؤں گا اور اس سے بہتر اور اعلیٰ مقام پاؤں گا۔"

(سورہ کہف ۱۸، ۳۵، ۳۶ ۔ پ ۱۵)

عام چھچھورا انسان ہمیشہ اپنی بھلائی، خوش حالی، ترقی، روزی کی وسعت، تندرستی، بال بچوں کی خیریت اور فائدوں کی دعا کرتا ہی چلا جاتا ہے اور کبھی تھکتا نہیں۔ مگر جیسے ہی کوئی آفت آجاتی ہے یا نقصان ہوجاتا ہے تو خدا کی رحمت سے بالکل مایوس ہوکر لوگوں کے سامنے خدا کے لیے اُلٹی سیدھی باتیں بنانے لگتا ہے۔ یا لوگوں کی خوشامدیں کرنے لگتا ہے۔ پھر دنیا کا عیش اور کامیابیوں کے پاتے ہی آپے سے باہر ہوجاتا ہے۔ کیونکہ انسانوں کی بہت بڑی اکثریت اسی قسم کے طرزِ عمل کا شکار ہے۔ اس لیے اس کو

www.drhasanrizvi.com

مطلق انسان کی صفت قرار دیا گیا ہے۔ لیکن دراصل یہ ایک چھچھورے، کم ظرف، کم عقل، کمزور دین ایمان والے انسان کا بیان ہے کہ اگر زندگی میں کامیابیاں ملنے لگیں تو ع: "زندگی زندہ دلی کا نام ہے۔" اور اگر کچھ ناکامیاں ہوگئیں تو ع: زندگی نام ہے مر مر کے جیے جانے کا۔" اللہ میاں پر پھبتیاں کسی جانے لگیں۔

ایسے ہی کم ظرف، چھچھورے آدمی کی اگلی آیت میں صفت یہی بیان کی گئی ہے کہ جب اسے خدا کی نعمتیں ملتی ہیں تو کہتا ہے کہ مجھے میری اہلیت اور قابلیت کی بنا پر ملا ہے۔ یہ سب کچھ میرا حق ہے۔ اللہ کے سامنے اکڑ جاتا ہے۔ مگر جب مصیبتوں میں گرفتار ہوتا ہے تو لمبی لمبی دعائیں مانگنے لگتا ہے۔

(تفسیر کبیر۔ تفہیم۔ مجمع البیان۔ انوار النجف)۔

اصل بات یہ ہے کہ مومن کو اپنی ہر غیر اختیاری اور تکوینی مصیبت کے برداشت کرنے پر خدا سے اجر ملنے کا یقین ہوتا ہے اور اس کا تمام تر بھروسہ بھی خدا پر ہی ہوتا ہے اس لیے وہ مصائب کا مقابلہ سکون و وقار کے ساتھ کرتا ہے۔ لیکن جو شخص خدا پر ایمان ہی نہیں رکھتا وہ اس دولتِ سکون سے محروم رہتا ہے۔ زخم کھاتا ہے مگر اس کے زخم پر ایمان کا مرہم نہیں لگتا۔ اس لیے وہ حسرت و یاس میں تڑپتا ہی رہتا ہے

(تفسیر ماجدی)

مگر یاد رہے کہ یہاں انسان سے مراد ناشکرا ـــ کافر ـــ حریص ـــ

www.drhasanrizvi.com

انسان ہے۔ (قرطبی - معالم بقول سدی)

اور یہاں خیر یعنی بھلائی سے مراد۔ دولت، عزت، صحت اور حکومت ہے۔

(قرطبی - ابن کثیر)

حضرت علیؑ نے دعا فرمائی ہے کہ:

" ہمارا خدا سے یہی سوال ہے کہ وہ ہیں اور تمھیں ایسے لوگوں میں سے قرار دے کہ جنھیں نعمتیں مست اور مغرور نہیں بنا دیتیں اور کوئی کامیابی انھیں خداوند عالم کی اطاعت سے نہیں روکتی۔ اسی لیے موت آنے پر انھیں کسی قسم کی کوئی شرمندگی نہیں ہوتی۔"

(نہج البلاغہ۔ خطبہ ۶۴)

وَلَئِنۡ اَذَقۡنٰهُ رَحۡمَةً (۵۰)	اگر ہم اُسے سختی کا وقت گزر
مِّنَّا مِنۡۢ بَعۡدِ ضَرَّآءَ	جانے کے بعد، اپنی رحمت کا مزہ
مَسَّتۡهُ لَيَقُوۡلَنَّ هٰذَا	چکھاتے ہیں، تو وہ کہتا ہے کہ:
لِىۡ ۙ وَمَاۤ اَظُنُّ السَّاعَةَ	"یہ تو میرا حق ہے (یا) میں تو
قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنۡ رُّجِعۡتُ	اسی کا مستحق ہوں۔ اور میں نہیں
اِلٰى رَبِّىۡۤ اِنَّ لِىۡ عِنۡدَهٗ	سمجھتا کہ قیامت کبھی آئے گی۔

www.drhasanrizvi.com

لَلۡحُسۡنٰی ۚ فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بِمَا عَمِلُوۡا ۫ وَ لَنُذِیۡقَنَّہُمۡ مِّنۡ عَذَابٍ غَلِیۡظٍ ﴿۵۰﴾

اور اگر کبھی واقعاً میں اپنے پالنے والے مالک کی طرف لوٹایا بھی گیا تو وہاں بھی میرے لیے بھلائی ہی بھلائی ہوگی۔

(یا) وہاں بھی میں مزے ہی اُڑاؤں گا۔" حالانکہ ہم حق کا انکار کرنے والے کافروں کو ضرور یہ بتا کر رہیں گے کہ اُنھوں نے کیا کچھ کیا تھا، اور پھر ہم اُنھیں بڑی ہی گندی اور سخت سزا کا مزہ بھی ضرور چکھائیں گے۔

ناشکرے کافر کا یہ کہنا کہ "اگر میں آخرت کی طرف لوٹایا گیا تو وہاں بھی میرے لیے بھلائی ہی بھلائی ہوگی۔ میں وہاں بھی مزے ہی اُڑاؤں گا۔" مطلب یہ کہ اوّل تو قیامت کے قائم ہونے کا کوئی سوال ہی نہیں ہے۔ لیکن بفرضِ محال اگر قیامت قائم ہو گئی تو میں اتنی بڑی توپ ہوں کہ خدا کو میری عزّت کرنی ہی پڑے گی۔ کیوں کہ میں ہوں ہی بہت قابل، لائق فائق، عقلمند، اعلیٰ قسم کا انسان۔ اس کا

www.drhasanrizvi.com

ثبوت یہ ہے کہ مجھے دنیا میں دولت، عزت، قوت، حکومت سب کچھ ملا ہے۔ یہ سب مجھے دنیا میں اسی لیے تو ملا ہے کہ میں ان سب کا مستحق ہوں۔ تو پھر یہی حق مجھے آخرت میں بھی حاصل ہوگا ــــــ! (تفسیر صافی)

مگر اس احمق کو یہ معلوم ہی نہیں کہ دنیا دارالامتحان ہے۔ یہاں جو کچھ ملتا ہے۔ امتحاناً ملتا ہے۔ اتفاقاً نہیں ملتا۔ استحقاقاً نہیں ملتا۔ یہ مال اولاد سب امتحان کے پرچے ہیں جو ہر کس و ناکس کو دیے جاتے ہیں۔ ان امتحانی پرچوں کا دیا جانا کسی کی کامیابی کی دلیل نہیں ہوا کرتا۔ کامیاب وہ ہوتا ہے جو امتحانی پرچوں کو ٹھیک ٹھیک حل کرتا ہے اس کے بعد اس کو کامیابی کی ڈگری (سند) دی جاتی ہے۔ اس لیے دنیا میں کسی کو مال اولاد، عزت و اقتدار کا مل جانا، اس بات کی ہرگز ہرگز دلیل نہیں ہوا کرتا کہ وہ خدا کا پسندیدہ ہے، خدا کا چہیتا ہے یا بڑا طرم خان ہے کہ بس اب آخرت میں بھی خدا اسے ہر وہ چیز دے گا جو دنیا میں دی ہے۔ ایسا کوئی رنگ نہیں ہے۔ یہ فکر قطعاً غلط اور بے سر و پا ہے۔

ع "ایں خیال است و محال است و جنوں"

(مؤلف)

وَاِذَآ اَنۡعَمۡنَا عَلَی (۵۱) اور جب ہم انسان کو نعمت

الۡاِنۡسَانِ اَعۡرَضَ دیتے ہیں تو وہ ہم سے اپنا

وَنَا بِجَانِبِہٖ ۚ وَاِذَا مَسَّہُ الشَّرُّ فَذُوۡ دُعَآءٍ عَرِیۡضٍ ﴿۵۱﴾

مُنہ پھیر لیتا ہے، اور اکڑ جاتا ہے۔ اور جب اسے کوئی مُصیبت چھُو جاتی ہے تو خوب لمبی چورٹی دعائیں مانگنے لگتا ہے۔

یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایک طرف تو خدا یہ فرما رہا ہے کہ وہ چھوٹا قسم کا آدمی نعمتیں چھن جانے پر بالکل مایوس ہو جاتا ہے۔ اور یہاں یہ فرما رہا ہے کہ وہ لمبی لمبی دعائیں کرنے لگتا ہے۔ بظاہر یہ تضاد معلوم ہوتا ہے۔ اس کا جواب اس طرح دیا گیا کہ :

جواب ۱ : ـــــــــــ کچھ لوگ تو مشکلات میں بالکل مایوس ہو کر بیٹھ جاتے ہیں اور کچھ لمبی لمبی دعائیں مانگنے لگتے ہیں (تفسیر روح البیان۔ جلد ۸)

جواب ۲ : ـــــــــــ کچھ مفسرین نے لکھا ہے کہ مایوسی سے مراد تمام ذرائع سے ناامید اور مایوس ہو جانا۔ مگر خدا سے مایوس نہیں ہوتے اس لیے لمبی لمبی دعائیں کرتے ہیں (تفسیر المیزان)

مگر یہ تفسیر مناسب نہیں ہے۔ کیونکہ ظاہری اسباب سے مایوس ہو کر خدا سے دعائیں کرنا قابل مذمت نہیں بلکہ قابل تعریف عمل ہے۔ (تفسیر نمونہ)

www.drhasanrizvi.com

جواب ۳: ــــــــــ لمبی لمبی دعاؤں سے مراد خدا سے دعائیں کرنا نہیں بلکہ چیخ پکار مچانا اور لوگوں کی خوشامدیں کرنا ہو سکتا ہے۔ (تفسیر نمونہ)

قُلۡ اَرَءَیۡتُمۡ اِنۡ کَانَ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰہِ ثُمَّ کَفَرۡتُمۡ بِہٖ مَنۡ اَضَلُّ مِمَّنۡ ہُوَ فِیۡ شِقَاقٍۭ بَعِیۡدٍ ﴿۵۲﴾

(۵۲) آپ اُن سے کہیں کہ: "کیا تم نے اس بات پر غور کیا کہ اگر یہ قرآن واقعاً خدا ہی کی طرف سے ہوا، اور تم اس کا انکار پر انکار ہی کرتے رہے تو پھر اُس شخص سے زیادہ بھٹکا ہوا گمراہ آدمی اور کون ہوگا جو اس کی شدید مخالفت میں بہت دُور تک نکل گیا ہو؟

خداوند عالم دشمنانِ حق کو سمجھا رہا ہے کہ اے نبیؐ آپ اُن سے کہیں جس طرح بے سوچے سمجھے تم خدا کی باتوں کا انکار پر انکار کیے چلے جا رہے ہو اور اہم ترین باتوں کو سننے سمجھنے کے بجائے کانوں میں انگلیاں ٹھونسے چلے جا رہے ہو، یہ کوئی عقل مندی کا کام نہیں کر رہے ہو۔ کیونکہ تم کسی دلیل کی بنا پر یہ دعویٰ نہیں کر سکتے

www.drhasanrizvi.com

کہ قرآن خدا کا کلام نہیں ہے اور نہ یقین سے کہہ سکتے ہو کہ قرآن کی تعلیمات غلط ہیں
تم تو کچھ سمجھ رہے ہو کہ قرآن گھڑی ہوئی کتاب ہے، یہ کسی علم کی بنا پر نہیں ہے بلکہ صرف
تمہارا گمان (Guess Work) ہے، جو غلط بھی ہو سکتا ہے۔ اب یہ سوچو کہ اگر،
تمہارا یہ گمان، خیال (Guess Work) صحیح نکلا تو زیادہ سے زیادہ یہ ہو گا کہ قرآن کو
ماننے والے اور نہ ماننے والے برابر ہو جائیں گے۔ کیونکہ دونوں مٹی میں مل کر مٹی ہو جائیں گے
لیکن اگر قرآن کی بات صحیح نکلی اور دوسری زندگی سامنے آگئی تو پھر سوچ لو کہ تمہارے
اس آج کے انکار کا انجام کتنا برا ہو گا۔ تم کس بری طرح تباہی اور بربادی کا شکار ہو گے۔ اس
لیے تمہارا اپنا فائدہ اور بھلائی اور خیریت اسی میں ہے کہ تم حق دشمنی، ضد، ہٹ دھرمی ——
کج بحثی چھوڑ کر سنجیدگی کے ساتھ قرآن پر غور و فکر کرو۔ اب غور کر لینے کے بعد اگر ایمان
لانے کا فیصلہ کرتے ہو تو لاؤ۔ اور اگر ایمان لانے کا فیصلہ کرنے کی تم میں جرأت نہیں ہے، تو
کم سے کم ایسے سچے حقیقی پیغام کی مخالفت میں اس حد تک تو آگے نہ بڑھ جاؤ کہ واپس جانا
ممکن ہی نہ رہے۔ اس قدر ظلم و ستم کر ڈالو کہ خود بھی ایمان نہ لاؤ اور ایمان داروں پر
حملے کرنے لگو۔ ان کے قتل و غارت پر اتر آؤ، لوگوں کو نیکیوں سے روکنے لگو۔ یہ عمل تو
اس قدر تباہ کن ہو گا کہ جس کی تباہی کا کوئی اندازہ بھی نہیں کر سکتا۔
(تفسیر کبیر۔ تفہیم۔ مجمع البیان)

خداوند عالم کا یہ فرمانا کہ پھر اس شخص سے زیادہ گمراہ کون ہو گا" یعنی خدا نے صاف
صاف یہ نہیں فرمایا کہ غور و فکر نہ کرنے والے گمراہ ہیں، بلکہ اس فیصلے کی تلخی کو کم کرنے

www.drhasanrizvi.com

کے لیے فرمایا کہ "اس شخص سے زیادہ گمراہ کون ہوگا؟" یہ ایک مہذب انداز ہے، رواداری پر مبنی۔ کہ بات بھی پوری طرح کہہ دی جائے مگر اس کی تلخی بھی زیادہ نہ ہو۔
(فصل الخطاب)

حج کا زمانہ تھا اور امام جعفر صادقؑ کے پاس اس وقت کا عظیم دہریہ فلسفی ابن ابی العوجاء بھی موجود تھا۔ امامؑ نے اس سے پوچھا: "تم یہاں کیا کرنے آئے ہو؟" کہنے لگا: "ہم عادت سے مجبور ہو کر حج کے زمانے میں یہاں آجاتے ہیں۔" امامؑ نے فرمایا: "حج میں بحث مباحثہ، جھگڑا نہیں کیا جاتا۔ اگر وہی سچ ہے جیسا کہ تم کہتے ہو (کہ خدا نہیں ہے)۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے، تو تم بھی نجات پا گئے اور ہم بھی۔ لیکن اگر حقیقت وہی ہے جو ہم کہتے ہیں ـــــ اور ہے بھی یہی سچ ـــــ تو ایسی صورت میں ہم بچ جائیں گے اور تم برباد ہو گے۔"

یہ سن کر ابن ابی العوجاء نے اپنے ساتھیوں سے کہا: "مجھے اپنے دل میں درد محسوس ہو رہا ہے۔" اس کے شاگرد اسے گھر لے کر پہنچے ہی تھے کہ مر گیا۔
(الکافی - جلد ۱، صـ ۶۱، کتاب التوحید)

سَنُرِيۡهِمۡ اٰيٰتِنَا فِى (۵۳) عنقریب ہم ان کو اپنی نشانیاں
الۡاٰفَاقِ وَفِىۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ کائنات میں بھی دکھائیں گے
حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمۡ اور خود ان کے نفس یا وجود

www.drhasanrizvi.com

أَنَّهُ الْحَقُّ ؕ أَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ أَنَّهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ﴿٥٣﴾

کے اندر بھی۔ یہاں تک کہ اُن پر یہ بات کھل کر ثابت ہو جائے کہ یہ (قرآن) بالکل سچّی حقیقت ہے (یعنی) قرآنی تعلیمات برحق اور سچّی ہیں۔ تو کیا یہ بات کافی نہیں کہ تمھارا پالنے والا مالک ہر چیز پر حاضر و ناظر ہے؟ (یعنی کیا لوگوں کو اُن کے بُرے انجام سے ڈرانے کے لیے یہ بات کافی نہیں کہ جو بُرے کام وہ کر رہے ہیں، اللہ اُن سب کو خوب دیکھ رہا ہے)

اس آیت کے کئی مطالب لکھے گئے ہیں۔

ایک مطلب تو یہ ہے کہ یہ کافر عنقریب خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے کہ قرآن کا پیغام دنیا میں پھیل چکا ہے۔ اس وقت ان کو پتہ چل جائے گا کہ قرآن واقعی حق تھا جس کا وہ انکار کر رہے تھے۔

www.drhasanrizvi.com

مگر اس تفسیر پر یہ اعتراض ہے کہ بڑے بڑے علاقوں کو فتح کرلینا کسی پیغام والوں کے پیغام کی صداقت کی دلیل نہیں ہوا کرتا۔ بہت دفعہ باطل قوتیں بھی دنیا میں چھا جایا کرتی ہیں ــــــ!

لیکن اسلام کے سلسلے میں یہ شبہ اس لیے غلط ہے کہ اسلام کی فتح آمروں، بادشاہوں جیسی فتح نہ تھی۔ بلکہ اسلام نے دنیا کے اخلاق، اقدار، ذہنی فکر کو بدلا اور سیاسی، تمدنی، معاشرتی، معاشی، اخلاقی انقلاب برپا کیا۔ اخلاقی اور دینی فضائل کو عام کیا۔ زندگی کے ہر شعبہ میں خدا ترسی، انصاف اور عدل کو داخل کیا۔ اسلام نے اپنے پیدا کردہ معاشرے میں انسانوں کو اتنا اونچا اٹھایا کہ دوسرے معاشروں کے چیدہ چیدہ لوگ بھی اس سطح پر بلند نظر نہیں آتے۔

اسلام نے پوری عالم انسانیت کو اوہام اور خرافات، جادو ٹوٹکے کے چکر سے نکال کر علمی، تحقیقی، سائنٹیفک طرزِ عمل اختیار کرنے پر مجبور کردیا۔ انسانوں میں رنگ نسل، زبان و وطن کی تفریق کو اور طبقات کی تقسیم کو، اونچ نیچ کے امتیاز کو، چھوت چھات کو، عورتوں، مزدوروں، مقروضوں، کمزوروں کے حقوق کی پامالی کو، بے پناہ قسم کے جرائم کو، شراب نوشی، جوئے بازی، زناکاری کو تہس نہس کردیا۔ انسانی حقوق کو بحال کیا، عورتوں کی عزت کرنا سکھایا۔ ان کے حقوق ادا کرنا سکھایا۔ بین الاقوامی تعلقات میں معاہدوں کا احترام کرنا سکھایا۔ جنگ میں وحشیانہ حرکتوں سے روک دیا

www.drhasanrizvi.com

طوائف الملوکی ، فتنہ وفساد ، بدامنی ، خوں ریزی ، فسق وفجور کی جڑوں کو کاٹنے کی کوشش کی ۔ ان تمام برائیوں کی جگہ تقویٰ ، طہارت ، عدل وانصاف ، شرافت وتہذیب ، شائستگی ، علم ، اخوت اور محبت پیدا کی ۔ حتیٰ کہ مسلمانوں نے اپنے زوال کے دور میں بھی تہذیب اور شائستگی کا مظاہرہ کیا ۔

یورپ کی قوموں نے افریقہ ، امریکہ ، ایشیا بلکہ خود یورپ میں مغلوب اور کمزور قوموں کو غلام بنا کر وہ ظالمانہ سلوک کیا کہ اس کی کوئی ایک مثال بھی مسلمانوں کی تاریخ میں نہیں ملتی ۔ یہ قرآن ہی کی برکت ہے کہ جس نے مسلمانوں میں انسانیت کا احترام پیدا کیا تاکہ وہ غلبہ پاکر بھی ظالم نہ بنیں ۔

پوری تاریخ گواہ ہے کہ مسلمانوں نے اپنی مفتوحہ قوموں کے ساتھ کتنا اچھا اور منصفانہ سلوک کیا ۔ عیسائیوں ، یہودیوں ، ہندوؤں کے ساتھ بہترین برابری کا سلوک کیا ۔ مگر آج عیسائی ، یہودی اور ہندو ، دنیا پر غالب ہیں جو ہر جگہ مسلمانوں کو مغلوب کر کے ہر ہر قسم کے ظلم ڈھا رہے ہیں ۔ (تفسیر کبیر ۔ تفہیم)

ضروری نوٹ لیکن یہ سلوک عام مسلمانوں کا تھا ۔ جو مفتوحہ قوموں کے ساتھ بیان کیا گیا ۔ البتہ مسلمان بادشاہوں نے خصوصاً بنی امیہ اور بنی عباس کے مسلمان خلفا نے اپنے سیاسی حریفوں کے ساتھ بدترین سلوک کیا ۔ یہ اس لیے کہ وہ اصل میں دل

www.drhasanrizvi.com

سے مسلمان نہ ہوئے تھے۔ صرف اقتدار حاصل کرنے کے لیے اپنے کو مسلمان ظاہر کرتے تھے۔ اسی طرح اُن کے خاص حالی موالی بھی انھیں کی طرح اپنے سیاسی حریفوں، خاص طور پر ائمۂ اہلبیتؑ اور ان کے ماننے والوں کے ساتھ بے حد بُرا سلوک کرتے تھے جس کی گواہ خود مسلمانوں کی اپنی تاریخ ہے۔ مگر ان خلفاء کا یہ سلوک عام مسلمانوں کے سلوک کے خلاف تھا۔ پورا عالم اسلام عمومی طور پر ائمہ اہلبیتؑ کا دل سے احترام کرتا تھا، سوا اُن پالتو کتّوں کے جو بنی امیہ یا بنی عباس کے خلفاء کے دسترخوان پر پلتے تھے۔ (مؤلف)

آیت کی دُوسری زیادہ صحیح تفسیر!

اس آیت کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو خود ان کے اپنے وجود کے اندر بھی اور پوری کائنات کے اندر بھی اپنی قدرت، حکمت، رحمت اور عظمت کی وہ وہ نشانیاں دکھائی ہیں کہ اگر وہ لوگ انفس و آفاق پر غور کریں گے تو خود ان پر یہ بات کھل جائے گی کہ قرآن جو تعلیم دے رہا ہے وہ بالکل درست ہے۔ رہا یہ اعتراض کرنا کہ انفس و آفاق کی نشانیاں، تو وہ دیکھ ہی رہے تھے، پھر ان سے یہ کہنا کہ ہم انھیں ایسی ایسی نشانیاں دکھائیں گے، اس "دکھائیں گے" کا آخر کیا مطلب ہے؟ یہ اعتراض مہمل ہے اس لیے کہ خدا نے بے شک بہت سی نشانیاں دکھائی ہیں، لیکن جیسے جیسے انسان کا علم، تجربہ بڑھتا جاتا ہے اتنا اتنا وہ خدا کی تخلیقات میں نئی نئی نشانیاں اور گہرائیاں دیکھتا چلا جاتا ہے۔ کیونکہ خدا کی نشانیاں بے حد و بے حساب ہیں۔

www.drhasanrizvi.com

انسان کبھی ان کا احاطہ نہیں کرسکتا اور نہ کبھی ان کا احاطہ کرسکے گا۔اس لیے ہر ہر دور میں انسان کے سامنے نئی نئی نشانیاں آتی ہی چلی جائیں گی۔

(تفسیر کبیر۔ مجمع البیان۔ تفہیم۔ انوارالنجف)

ہر سو تری قدرت کے ہیں لاکھوں جلوے
حیراں ہوں کہ دو آنکھوں سے کیا کیا دیکھوں
(انیسؔ)

آخر میں خداوند عالم کا یہ فرمانا کہ "تیرا پالنے والا مالک ہر چیز کا دیکھنے والا ہے" یہ جملہ ایک قسم کی وارننگ ہے کہ کیا ان لوگوں کو جنھیں اس قدر واضح حق کی نشانیاں۔ انفس و آفاق میں دکھائی جارہی ہیں ان کے لیے خدا کے عذاب سے ڈرنے کے لیے کیا یہ بات کافی نہیں ہے کہ ان واضح دلائل کو جھٹلانے والے اور اس پیغامِ حق کو نقصان پہنچانے کی کوششیں کرنے والوں کی ایک ایک حرکت کو خدا خود اچھی طرح سے دیکھ رہا ہے
(مؤلف)

ع "حذر اے چیرہ دستاں سخت ہیں قدرت کی تعذیریں"
(اقبال)

حقیقت یہ ہے کہ پوری کائنات خدا کی مخلوق ہونے کی وجہ سے خدا کے وجود قدرت، رحمت، عظمت، شان بان کا پتہ دے رہی ہے۔ جیسے ایک تصویر مصوّر کے فن کا پتہ دیتی ہے۔ عمارت، معمار کے کمال کا پتہ دیتی ہے۔ اسی طرح تمام عالم اپنے خالق کی عظمت و کمال کا پتہ دیتا ہے۔ مگر نفسِ انسانی کو خداوند عالم نے عالمِ امکان میں اپنے اوصاف وصفات کا آئینہ بنایا ہے۔ اسی لیے نفسِ انسانی کے کمالات پر غور وفکر کرنے سے ہمارا ذہن

www.drhasanrizvi.com

اسی طرح خدا کی طرف متوجہ ہوتا ہے جیسے کسی کی تصویر کو دیکھ کر اس شخص کی طرف ذہن منتقل ہوتا ہے۔ اب جتنا نفس کامل ہوگا اتنا ہی وہ خدا کی معرفت کا بہترین اور کامل ترین ذریعہ ہوگا۔ اب جو اکمل ہستیاں ہوں گی وہ "وجہ اللہ" یعنی اللہ کا چہرہ کہلانے کی مستحق ہوں گی۔ کیونکہ چہرہ ہر شخص کی پہچان اور معرفت کا ذریعہ ہوتا ہے (افضل المطالب۔ فصل الخطاب)

خدا کی نشانیاں

امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ فرمایا:

"اے مفضّل! لعاب دہن اور اس کے فوائد کے بارے میں غور کرو کہ یہ لعاب ہمیشہ منہ میں چلتا ہی رہتا ہے تاکہ حلق اور زبان ہمیشہ مرطوب رہے اور خشک نہ ہونے پائے۔ کیونکہ اگر یہ اعضاء خشک ہو جائیں تو انسان ہلاک ہو جائے کیونکہ پھر وہ رطوبت کے بغیر غذا نگل نہیں سکتا۔" (بحار الانوار، جلد ۳، ص۷۲)

امام حسینؑ فرماتے ہیں:

"خدایا خدایا! اندھی ہو جائے وہ آنکھ جو تجھے نہ دیکھے۔"

(دعائے عرفہ از امام حسینؑ)

امام حسینؑ دعائے عرفہ میں فرماتے ہیں:

"میرے پالنے والے مالک! کیا دوسری موجودات کے لیے کوئی ایسا ظہور ہے جو تیرے لیے نہ ہو؟ کیا دوسری موجودات تیری نشاندہی کر سکتی ہیں؟ تو کب مخفی رہا ہے کہ تجھے پہچاننے کے لیے کسی دلیل کی ضرورت ہو؟ تو ہم سے کب دور ہوا ہے کہ تیرے آثار ہیں

www.drhasanrizvi.com

تیری طرف جانے کی رہنمائی کریں ؟ اندھی ہو جائے وہ آنکھ جو تجھے اپنا نگراں سمجھ کر نہ دیکھے ۔

اور نقصان اٹھایا اُس بندے نے اپنی تجارت میں جس نے تیری محبت کا کوئی حصہ نہ پایا۔"

(دعائے عرفہ از امام حسینؑ)

انسان کے اندر کی نشانیاں

(۱) ہر انسان کے پاؤں کے تلوے میں ایک خاص قسم کا خلا یا گڑھا موجود ہوتا ہے۔ جب کہ فوج میں جس آدمی کے تلوے میں یہ گڑھا یا خلا نہیں ہوتا یا کم ہوتا ہے تو اُس کو فوج میں بھرتی نہیں کیا جاتا۔ کیونکہ ایسا انسان اگر کھڑا ہو تو جلد تھک جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی علیم و حکیم نے ہمیں بنایا ہے۔

(۲) انسان کی آنکھ اور منہ میں پانی کے چشمے پھوٹتے رہتے ہیں جو باریک باریک سوراخوں سے نکلتے رہتے ہیں۔ اگر یہ نہ ہوتے تو انسان نہ دیکھ سکتا، نہ بول سکتا اور نہ غذا نگل سکتا۔

(۳) اگر آنکھ ہمیشہ مرطوب نہ رہے تو ڈھیلوں کی گردش سخت تکلیف دینے لگے۔ پلکیں ایک دوسرے کو چھیل کر رکھ دیں۔

(۴) آنکھ کو اس طرح کا بنایا گیا ہے کہ آنکھ کے اندر کا پانی نمکین ہے۔ جب آنکھ میں گرد و غبار یا کوئی چیز چلی جاتی ہے تو وہ پانی از خود بہنے لگتا ہے اور جب تک اس چیز کو باہر نہیں پھینک دیتا نہیں رکتا۔

(۵) جب کہ منہ کے اندر کا لعاب کچھ ذائقہ یا نمک نہیں رکھتا۔ تاکہ انسان غذا کا ذائقہ اچھی طرح سے محسوس کر سکے۔

www.drhasanrizvi.com

(۶) پھر یہ دونوں چشمے بچے تلے حساب کتاب کے تحت بہتے ہیں۔ ان کی فزیکل اور کیمیکل کیفیت بہت بچی تلی ہوتی ہے۔ اس سے ہم یقین کر سکتے ہیں کہ کائنات اور ہمارے جسم کا یہ نظام اندھے بہرے اتفاق یا مادی ارتقار کا نتیجہ نہیں ہے۔

ع "کوئی تو ہے جو نظام ہستی چلا رہا ہے، چلا رہا ہے"

(تفسیر نمونہ)

اَلَاۤ اِنَّهُمۡ فِىۡ مِرۡيَةٍ مِّنۡ (۵۴) لِّقَآءِ رَبِّهِمۡ ؕ اَلَاۤ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَىۡءٍ مُّحِيۡطٌ ﴿۵۴﴾ ع

معلوم ہونا چاہیے کہ وہ لوگ اپنے پالنے والے مالک سے ملاقات ہی میں شک کر رہے ہیں۔ جب کہ انھیں معلوم ہونا چاہیے کہ حقیقتاً خدا ہر چیز کو (اپنے علم و قدرت سے پوری طرح) گھیرے ہوئے ہے۔

ع ۲۰

مطلب یہ ہے کہ ان کافروں منکرینِ حق کے انکارِ حق کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ان کو اس بات کا یقین نہیں ہے کہ کبھی اُن کو خدا کو منہ دکھانا ہوگا اور اپنے اعمال کا حساب دینا ہوگا۔ اسی لیے یہ طرّم خان بنے حق کی مخالفت پر تلے بیٹھے ہیں۔ اگر ان کو یہ بات معلوم ہو جاتی کہ ہر شخص کو بہر حال خدا کے سامنے کھڑے ہو کر اپنے اعمال کا حساب

www.drhasanrizvi.com

کتاب چکانا ہے ۔ اور اللہ ہر بات سُن رہا ہے اور ہر چیز پر محیط ہے ، تو یہ کبھی ہرگز اللہ کے پیغام کا انکار نہ کرتے اور نہ اس کا مذاق اڑاتے ۔

آیت کے آخری الفاظ کہ " خدا ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے ۔" نے واضح طور پر یہ بتا دیا کہ :

(۱) کوئی شخص کسی طرح سے بھی خدا کی گرفت سے بچ نکل نہیں سکتا ۔

(۲) اور کسی کی کوئی چھوٹی سی چھوٹی بدمعاشی ایسی نہیں ہے جو خدا کو معلوم نہ ہو ۔

(تفسیر کبیر ۔ تفہیم ۔ مجمع البیان ۔ انوار النجف)

قیامت کے آنے کے بارے میں جتنے اعتراضات ہیں وہ سب کے سب ان دو باتوں کو سمجھ لینے سے دور ہو جاتے ہیں جو آیت کے آخر میں بیان کی گئی ہیں ۔

(۱) قیامت کے آنے پر سب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ مرنے کے بعد ہم کیسے دوبارہ زندہ ہوں گے ؟ اس کا جواب یہ دیا گیا کہ خدا ہر چیز کو (اپنے علم و قدرت سے) گھیرے ہوئے ہے ۔ یعنی کوئی چیز خدا کے علم سے باہر نہیں ہے ۔ اس لیے اس کو ہمیں دوبارہ زندہ کرنے کے طریقے کا بھی علم ہے ۔

پھر دوسرے یہ کہ اس کی قدرت لامحدود ہے ۔ وہ اپنی قدرت سے ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے ۔ کوئی کام اور کوئی چیز اس کی قدرت سے باہر نہیں ہے ۔ اس لیے وہ مردوں کو دوبارہ زندہ کرنے پر بھی قادر ہے ۔

(فصل الخطاب)

——— (سورہ حٰمٓ السجدۃ ختم ہوئی) ———

www.drhasanrizvi.com

خصوصیات وفضائل سورۃ شوریٰ

(باہمی رائے مشورہ کا حکم دینے والا سورہ)

☼ جناب رسولِ خدا نے فرمایا:

"جو شخص سورۂ شوریٰ کی تلاوت کرے گا (یعنی سمجھ کر پڑھے گا) وہ ان لوگوں میں سے ہوگا جن پر فرشتے درود پڑھتے ہیں اور استغفار کرتے ہیں۔"

(مجمع البیان)

☼ امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ فرمایا:

"جو شخص سورۂ شوریٰ کی تلاوت کرتا ہے (سمجھ کر پڑھتا ہے) قیامت کے دن اس کا چہرہ سورج کی طرح چمک دار ہوگا۔ اور وہ اسی حالت میں خدا کی بارگاہ میں پیش کیا جائے گا۔ خدا فرمائے گا: میرے بندے! تو حٰمٓ، عٓسٓقٓ کو پابندی سے پڑھتا رہا۔ جبکہ تجھے اس کا اصلی ثواب معلوم بھی نہ تھا۔ اگر تو اس کا اصلی ثواب جان لیتا تو اس کے پڑھنے سے کبھی نہ تھکتا۔ لیکن آج میں تجھے اس کا ثواب ضرور عطا کروں گا۔ پھر خدا حکم دے گا کہ اسے جنت کی خاص الخاص نعمتوں تک پہنچا دیا جائے۔"

(کتاب ثواب الاعمال۔ تفسیر نور الثقلین)

www.drhasanrizvi.com

اٰیاتُھَا ۵۳	سُوْرَةُ الشُّوْرٰی مَکِّیَّةٌ	رُکُوْعَاتُھَا ۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

(شروع کرتا ہوں) اللہ کے نام کی مدد مانگتے ہوئے جو سب کو فیض اور فائدے پہنچانے والا، بے حد مسلسل رحم کرنے والا ہے۔

حٰمٓ ① (۱) حا، میم۔

امام محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا:

"حروفِ مقطعات اللہ کے اسمِ اعظم (کے اجزاء) ہیں جنھیں کوئی رسول یا امام آپس میں خاص طریقے سے جوڑتا ہے تو وہ خدا کا اسمِ اعظم بن جاتے ہیں۔ جن کے ذریعے سے جب دعا مانگی جاتی ہے وہ ضرور قبول ہوتی ہے۔ (تفسیر صافی۔ تفسیر قمی)

عٓسٓقٓ ② (۲) عین، سین، قاف،

حروفِ مقطعات اور آنے والے بیان میں ایک خاص قسم کا رابطہ ہوتا ہے۔

www.drhasanrizvi.com

مگر یہ رابطہ بہت گہرا اور دقیق ہوتا ہے جس کو عام انسان نہیں سمجھ سکتا۔
(تفسیر المیزان۔ جلد ۸۸)

ایک تفسیر یہ بھی ہے کہ ممکن ہے یہ حروفِ مقطعات خدا کے ناموں اور خاص نعمتوں کی طرف اشارات ہوں۔ اور کچھ خدا کے راز code words ہوں۔ مثلاً مفسرین نے "ح" کو رحمان کی طرف اشارہ قرار دیا ہے۔ "م" کو مجید کی طرف۔ "ع" کو علیم کی طرف۔ اور "ق" کو قاہر کی طرف اشارہ قرار دیا ہے۔ (بقول امام جعفر صادقؑ۔ از تفسیر قرطبی جلد ۹)

ممکن ہے یہ حروف راز کے طور پر نہیں بلکہ اختصار کے طور پر خدا کے ناموں کے لیے بیان کیے گئے ہوں۔ (تفسیر نمونہ)

كَذٰلِكَ يُوحِيٓ إِلَيۡكَ (۳) اسی طرح اللہ آپؐ کی طرف وَإِلَى ٱلَّذِينَ مِن قَبۡلِكَ اور آپؐ سے پہلے گزرے ہوئے ٱللَّهُ ٱلۡعَزِيزُ ٱلۡحَكِيمُ ﴿۳﴾ (رسولوں) کی طرف، وحی بھیجتا رہا ہے، وہی اللہ جو زبردست طاقت اور عزّت والا بھی ہے اور گہری حقیقتوں کے مطابق دانائی کے ساتھ بالکل ٹھیک ٹھیک کام کرنے والا بھی۔

مطلب یہ ہے کہ اے رسولؐ! جیسے اب تک آپؐ پر ہماری وحی آتی رہی ہے

www.drhasanrizvi.com

بالکل اسی طرح یہ سورہ بھی آپؐ پر بطور وحی (خفیہ پیغام کے) اتارا جارہا ہے۔

دوسرا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اے رسولؐ! جس طرح اب تک آپؐ پر خدا کی طرف سے وحی اترتی رہی ہے جو حقائق و دقائق و معارف سے لبریز تھی، اسی طرح یہ وحی اور یہ سورہ بھی عظیم حقائق و دقائق و معارف سے بھرا ہوا ہے۔

(تفسیر تبیان)

خداوند عالم کا فرمانا "اسی طرح وحی کرتا رہا ہے تمھاری طرف" وحی کے لغوی معنی تیزی کے ساتھ خفیہ اشارہ کرنا ہوتا ہے، جسے وہ سمجھ لے جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے مگر اور کسی کو پتہ نہ چلے۔ اصل میں یہ خدا کی طرف سے بجلی کے کوندنے کی طرح ایک اشارہ ہوتا ہے اپنے بندے یعنی رسول کی طرف۔ اور اس طرح خدا کا پیغام اس کے دل میں ڈال دیا جاتا ہے خدا جب انسانوں کی ہدایت کرنا چاہتا ہے تو وہ کسی بندے کو منتخب فرماتا ہے اور اس کے دل میں اپنے خفیہ اشارے، اپنا پیغام ڈال دیتا ہے۔ اور ایسا کرنے میں اسے کوئی دشواری نہیں ہوتی۔

(مفردات امام راغب، لغاتِ نعمانی)

رہا لوگوں کا یہ کہنا کہ محمدؐ نرالی باتیں کرتا ہے تو بتایا جارہا ہے کہ یہ قرآن کا پیغام کوئی نرالا پیغام نہیں ہے۔ جتنے انبیاءؑ آئے ہیں ہم ان کی طرف بھی اسی پیغام کی وحی کرتے رہے ہیں۔

(تفسیر کبیر۔ تفہیم)

لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ (۴) آسمانوں اور زمین میں جو

www.drhasanrizvi.com

مَا فِی الۡاَرۡضِ ؕ وَ ہُوَ کچھ بھی ہے، سب اُسی کا ہے
الۡعَلِیُّ الۡعَظِیۡمُ ④ اور وہی بلند و برتر بھی ہے اور
بہت بڑے مرتبہ والا بھی۔

آخر میں خدا کا خود کو "علی عظیم" کہنا خواہ مخواہ نہیں ہے۔ بلکہ بتایا جا رہا ہے کہ خدا اکیلا ساری کائنات سے بلند و بالا ہے۔ اس لیے اس کو اکیلا خدا ماننے پر تمھیں کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔ عرب کہتے تھے کہ ہم ایک اکیلا خدا کیسے مان لیں؟ پھر یہ ہمارے بتوں اور بزرگوں کا کیا بنے گا؟ یہ کہاں جائیں گے؟

پھر یہ کہ ایک خدا کیسے ساری کائنات کا نظام چلا سکے گا؟ تو بتایا جا رہا ہے کہ وہ کوئی معمولی ہستی نہیں ہے۔ بلکہ بلند ترین اور عظیم ترین ہستی ہے۔ اس کے لیے اکیلے ساری کائنات کا پیدا کرنا اور چلانا کچھ دشوار نہیں۔

(تفسیر کبیر۔ تفہیم۔ مجمع البیان)

تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ (۵) قریب ہے کہ (تمھارے گناہوں
مِنْ فَوْقِهِنَّ وَالْمَلٰٓئِكَةُ کی وجہ سے) آسمان اوپر سے
يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ پھٹ پڑیں، (مگر کیونکہ) فرشتے

www.drhasanrizvi.com

وَيَسْتَغْفِرُونَ لِمَنْ فِي الْأَرْضِ ۗ أَلَا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ۞

اپنے پالنے والے مالک کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرتے رہتے ہیں اور زمین والوں کے لیے خدا سے معافی بھی طلب کیے جاتے ہیں، (اس لیے آسمان نہیں پھٹتے) معلوم ہونا چاہیے کہ حقیقتاً اللہ بڑا معاف کرنے والا، اپنی رحمت سے ڈھک لینے والا اور مسلسل بے حد رحم کرنے والا ہے۔

ایک تصور تو یہ ہے کہ قیامت کے دن آسمان و زمین پھٹ جائیں گے۔ مگر اس کے دوسرے معنی یہ بھی ہیں کہ اس سے خدا کی عظمت اور ہیبت کا اظہار مقصود ہے۔ تیسرے معنی یہ بھی لکھے گئے ہیں کہ ان الفاظ سے کفار و مشرکین کی گستاخیوں بداعمالیوں اور مظالم کی شدت کا اظہار ہے کہ ان کی حرکتیں ایسی ہیں کہ آسمان پھٹ جائیں۔ (تفسیر تبیان)

بتلایا جا رہا ہے کہ یہ کوئی چھوٹی سی معمولی بات نہیں ہے کہ خدا کا نسب کسی سے ملا دیا جائے اور کسی کو خدا کا بیٹا اور کسی کو خدا کی بیٹیاں یا شریک کہہ دیا جائے۔ خدا کے

www.drhasanrizvi.com

مقابلے پر یہ ایسی جسارتیں ہیں جن پر اگر آسمان پھٹ پڑیں تو کوئی بڑی بات نہ ہوگی۔ ایسا ہی مضمون سورۂ مریم[۱۹] کی آیات ۸۸ اور ۹۱ میں بیان کیا گیا ہے

(تفسیر کبیر، مجمع البیان، انوار النجف، تفہیم)

جب فرشتے لوگوں کی یہ باتیں سنتے ہیں تو کانوں پر ہاتھ رکھ لیتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ اتنا بڑا جرم انسان کر رہے ہیں جس سے اللہ کا غضب بری طرح بھڑک سکتا ہے۔ اس لیے وہ خدا سے اپنے بندوں کے بارے میں عفو و درگزر کی درخواستیں کرتے ہیں کہ مالک ان کو سوچنے سمجھنے، سنبھلنے کی مہلت عطا فرما۔ (تفسیر کبیر۔ تفہیم)

سوال

یہ ہے کہ کیا فرشتے تمام زمین والوں کے لیے استغفار کرتے ہیں؟ خواہ وہ مومن ہوں یا کافر! اس کا جواب خود خداوند عالم نے سورۂ مومن میں اس طرح دیا ہے کہ:

"حاملینِ عرش اور جو فرشتے عرش کے چاروں اطراف میں اپنے پالنے والے مالک کی حمد و تسبیح بجا لاتے ہیں اور مومنین کے لیے استغفار کرتے ہیں اور کہتے ہیں مالک! تیری رحمت اور علم نے ہر ہر چیز کو گھیر رکھا ہے۔ جن مومنین نے تیرے راستے کی پیروی کی ہے انہیں معاف کر دے اور اپنی نعمتوں سے ڈھک لے۔"

(سورۂ مومن[۴۰]۔ آیت ۷۔ پ[۲۴])

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ (۶) اور جنھوں نے خدا کو چھوڑ کر

www.drhasanrizvi.com

دُونِهٖٓ اَوْلِيَآءَ اللّٰهُ حَفِيْظٌ عَلَيْهِمْ ۖ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿٦﴾

دوسرے سرپرست بنا رکھے ہیں، تو اللہ اُن پر نگراں ہے (یعنی اُن کی حرکتوں کو دیکھ رہا ہے) اور آپؐ اُن کے ذمہ دار یا ٹھیکیدار نہیں ہیں۔

ولیؑ کے معنی

خداوند عالم کا فرمانا "جن لوگوں نے خدا کو چھوڑ کر اپنے کچھ دوسرے سرپرست (ولی) بنا رکھے ہیں"۔ ولی کے عربی میں چار معنی ہوتے ہیں:

۱: حاکم ۔ یعنی جس کے کہنے پر اور جس کی ہدایات پر عمل کیا جائے۔
(مطابق سورہ نسآء ۱۸۸، اعراف ۲۷، ۳۰)

۲: جس کی رہنمائی پر بھروسہ کیا جاسکے۔
(مطابق آیات قرآن ۔ سورہ بقرہ ۲۵۷، بنی اسرائیل ۹۷، کہف ۵، جاثیہ ۱۹)

۳: جس کے متعلق آدمی یہ سمجھے کہ میں دنیا میں چاہے جو کچھ بھی کروں میرا ولی مجھے خدا کی سزا سے بچالے گا۔
(مطابق سورہ نسآء ۱۲۳، ۱۷۲، سورہ انعام ۵۱، سورہ رعد ۳۷، عنکبوت ۲۲، احزاب ۶۵، روم ۳)

۴: جس کے متعلق آدمی یہ سمجھے کہ وہ فوق الفطرت طریقوں سے میری مدد کرتا ہے، میری حفاظت کرتا ہے اور روزی دلواتا ہے۔ (ہود ۲۰، رعد ۱۶، عنکبوت ۴۱)

www.drhasanrizvi.com

خدا ان چاروں معنی میں ولی ہے۔ اور خدا کو چھوڑ کر جو غیرِ خدا ہیں وہ ان میں سے کسی معنی میں بھی ولی نہیں ہیں۔ البتہ قرآن کے مطابق "اللہ ولی ہے، رسول ولی ہے اور وہ لوگ ولی ہیں جو ایمان لائے ہیں، نماز پڑھتے ہیں اور رکوع کے عالم میں زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔"* (المائدہ ۵، آیت ۵۵، پ۶)

رسول اور اولیارِ خدا اس لیے ولی ہیں کہ خدا نے ولی بنایا ہے۔ اس لیے وہ خدا کے غیر نہیں ہیں۔ وہ جو کچھ بھی کرتے ہیں خدا کی اجازت سے، خدا کی مدد اور دعا کر کے کرتے ہیں۔ از خود کوئی طاقت نہیں رکھتے۔ نہ خدا کی اجازت کے بغیر کوئی فائدہ پہنچاتے ہیں۔

رہے غیرِ خدا کو اپنا سرپرست بنانے والے تو وہ بت پرست مشرکین ہیں یا وہ لوگ ہیں جو خود ساختہ پیروں فقیروں، ارواح جنات کو ولی کے اختیارات اپنی طرف سے از خود سونپ دیتے ہیں۔ حالانکہ جب خود ہمارے پاس اتنے اختیارات نہیں ہیں تو ہم کسی کو یہ عظیم خدائی اختیارات کیسے سونپ سکتے ہیں؟ سارے اختیارات صرف اور صرف خدا کے ہاتھ میں ہیں وہی ہمارا اصل ولی، حاکم اور محافظ ہے۔ پھر ہمارے ولی رسول اور وہ لوگ ہیں جنھیں خدا نے ہمارا سرپرست اور حاکم بنایا ہے۔ ان کو ماننا اصل میں خدا ہی کی ولایت کو ماننا ہے۔ جیسے آدمؑ کو فرشتوں کا سجدہ کرنا اصل میں خدا ہی کو سجدہ کرنا تھا۔ کیونکہ سجدہ کرنے کا حکم خدا نے دیا تھا۔ (مؤلف)

یہاں اللہ کے سوا دوسروں کو اپنا ولی بنانے سے مراد غیر اللہ کو اپنا مددگار، حامی، محافظ اور سرپرست بنانا یا ان کو خدائی اختیارات سپرد کر دینا ہے۔

(تفسیر کبیر، مجمع البیان، تفہیم، انوار النجف)

www.drhasanrizvi.com

آخر میں خدا کا یہ فرمانا کہ (اے رسولؐ) "تم ان کے ٹھیکیدار یا ذمہ دار نہیں ہو" بظاہر مخاطب رسولؐ ہیں مگر سُنانا کفار کو ہے۔ رسولؐ کا کام بس سیدھا راستہ دکھانا ہے رہا ماننا نہ ماننا یہ تمھاری ذمہ داری نہیں ہے (مؤلف)

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ (۷) اور اسی طرح ہم نے مناسب
اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا ترین الفاظ اور پیرایہ میں
لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى یہ قرآنِ عربی آپؐ کی
وَمَنْ حَوْلَهَا وَ طرف وحی کیا ہے تاکہ آپؐ
تُنْذِرَ يَوْمَ الْجَمْعِ "اُمّ القریٰ" (یعنی
لَا رَيْبَ فِيْهِ ۭ فَرِيْقٌ بستیوں کے مرکز (شہرِ مکّہ)
فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ اور اس کے چاروں طرف
فِي السَّعِيْرِ ۝ رہنے والوں کو بُرائی کے

بُرے انجام سے خبردار کریں اور سب کے اکٹھا کیے جانے والے دن سے ڈرائیں، جس کے آنے میں کوئی شک نہیں۔ (جس

www.drhasanrizvi.com

دن) ایک گروہ کو تو جنّت میں جانا ہے، اور دوسرے گروہ کو جہنّم میں۔

رسولِ خدا صرف مکّہ والوں کے لیے ہادی بن کر تشریف نہیں لائے تھے۔ بلکہ ساتھ ساتھ یہ بھی فرمایا "اور مکّہ کے چاروں طرف رہنے والوں کو بُرائی کے بُرے انجام سے خبردار کریں۔" مکّہ کے چاروں طرف رہنے والوں کا لفظ کہہ کر وسعت پیدا کردی گئی۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مکّہ زمین کے وسط میں ہے اس لیے مکّہ کے اردگرد سے مراد پوری دنیا ہے۔ یعنی اے رسولؐ آپ پوری دنیا والوں کے لیے سرچشمہ ہدایت ہیں۔ (تفسیر کبیر، مجمع البیان، جلالین، ابن جریر۔ بقول ابن عباسؓ)

مکّہ کو امّ القریٰ اس لیے کہا گیا کہ یہ شہر تمام بستیوں کی ماں ہے۔ زمین مکّہ ہی کے مقام سے پھیلنی شروع ہوئی تھی اور پھر پھیلتی ہی چلی گئی تھی۔
(تفسیر صافی۔ تفسیر قمی)

قرآن کو عربی کہہ کر عربوں کو توجہ دلائی جارہی ہے کہ قرآن کسی غیر زبان میں نہیں ہے۔ خود تمھاری اپنی زبان میں ہے۔ تم براہ راست خود اس کو سمجھ سکتے ہو۔ کیا ایسی واضح، بے غرض رہنمائی خدا کے علاوہ کسی اور طرف سے ہوسکتی ہے؟
(تفہیم۔ تفسیر کبیر۔ مجمع البیان)

رسولؐ سے فرمایا جارہا ہے کہ آپ مکہ اور اس کے اردگرد رہنے والوں کو ڈرائیں اور

www.drhasanrizvi.com

خبردار کر دیں یعنی غفلت سے چونکا دیں۔ انھیں یہ بتا دیں کہ تم جن غلط عقیدوں میں پھنسے ہوئے ہو اور بد اعمالیوں میں مبتلا ہو اس کا انجام سوائے تباہی کے اور کچھ نہیں ہے۔ اور یہ بھی سمجھا دو کہ قیامت کے آنے میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔ یعنی تمھارے یہ غلط عقیدے اور اعمال صرف دنیا ہی میں تمھاری تباہی کا باعث نہ ہوں گے بلکہ حساب کتاب کے دن تم اپنے بُرے اعمال کے نتائج سے ہرگز نہ بچ سکو گے۔ اب اس سے بڑا بد نصیب کون ہو گا کہ دنیا میں بھی تباہ ہو اور آخرت میں بھی۔ (تفسیر کبیر۔ تفہیم۔ مجمع البیان)

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَهُمْ أُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ۭ وَالظّٰلِمُوْنَ مَا لَهُمْ مِّنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝۸

(۸) اگر اللہ چاہتا تو سب کے سب کو ایک ہی گروہ "ایک امت" (یا) ایک ہی مذہب والا بنا دیتا۔ لیکن وہ جسے چاہتا ہے، اپنی رحمت میں داخل کرتا ہے جب کہ ظالموں کا نہ کوئی سرپرست ہے اور نہ کوئی مددگار۔

ایک گروہ یا ایک اُمت بنا دینے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اگر اللہ چاہتا تو

www.drhasanrizvi.com

سب کے سب کو معصوم بنا دیتا جس طرح کہ سارے فرشتے معصوم ہیں۔ خدا اس طرح کرنے پر قادر تھا۔ (مگر انسانوں کو اس نے امتحان لینے کے لیے پیدا کیا ہے اس لیے ایسا نہ کیا)
(تفسیر صافی، تفسیر قمی)

خداوند عالم کا یہ فرمانا کہ "اگر اللہ چاہتا" یعنی اگر اللہ چاہتا تو سارے انسانوں کو ایک ہی مذہب اختیار کرنے پر مجبور کر دیتا۔ مگر ایسا کرنا اس کے نظامِ حکمت کے خلاف تھا۔ جس کا ذکر بار بار قرآن میں کیا گیا ہے۔
(تفسیر تبیان)

آیت کا مقصد (۱) رسولؐ خدا کو تسلی دینا ہے کہ آپؐ کفار کی ہٹ دھرمی اور تباہی دیکھ کر اس قدر نہ کڑھیں کیونکہ اللہ کی مرضی یہی ہے کہ تمام انسانوں کو اختیار اور انتخاب کی آزادی دی جائے۔ پھر جو ہدایت حاصل کرنا چاہے اسے ہدایت دی جائے، اور جو گمراہ رہنا پسند کرے اسے جانے دیا جائے۔ اگر اللہ کا پروگرام یہ نہ ہوتا تو پھر انبیاء کرامؑ کو بھیجنے کی ضرورت کیا تھی؟ سارے انسان دریا اور پہاڑوں کی طرح، مٹی، پتھر، جانوروں کی طرح خدا کے فرمانبردار بنائے جاسکتے تھے۔

(۲) دوسرا مقصد یہ ہے کہ کفار کہتے تھے کہ اگر خدا کو ہمارا طریقۂ زندگی پسند نہ ہوتا تو ہمیں مار ڈالتا یا سیدھا کر دیتا۔ اس لیے ہم جو کچھ کر رہے ہیں خدا کی مرضی سے کر رہے ہیں۔ ان کو بتایا جا رہا ہے، خدا نے تمھیں عقل و عمل کے امتحان کے لیے پیدا کیا ہے۔ اس لیے ہر شخص کو عقل و اختیار عطا کیا گیا ہے۔ اپنی جنت اور دنیا میں خدا کی خلافت یہ کوئی معمولی

www.drhasanrizvi.com

چیز نہیں ہے جو ہر کسی کو دے دی جائے۔ یہ خاص اور بہت اونچے درجے کی رحمت ہے جس کے لیے فرشتے بھی موزوں نہ سمجھے گئے۔ جو شخص اپنی عقل اور اختیار کو صحیح استعمال کرنے کے امتحان میں کامیاب ہوگا اسی کو یہ خدا کی خاص رحمتیں ملیں گی۔ یہ نعمت صرف اور صرف اسی کو ملے گی جو خدا کی اطاعت، رہنمائی اور سرپرستی کو دل سے قبول کرتا ہے اور عملاً اس کی اطاعت کرتا ہے پھر خدا اس کو اس عقل و عمل کے امتحان سے بخیریت گزر جانے کی ہدایتیں اور توفیقات عطا کرتا ہے تاکہ وہ خدا کی خاص رحمتوں میں داخل ہوسکے۔ رہے وہ ظالم، احمق جو خدا کو چھوڑ کر دوسروں کو اپنا ولی بنائے بیٹھے ہیں، خدا کو ان کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ خدا خواہ ان کا ولی یعنی سرپرست، ہادی اور حفاظت کرنے والا بنے۔ رہے وہ جن کو وہ خدا کو چھوڑ کر اپنا ولی بنا بیٹھے ہیں ان میں سرے سے نہ کوئی علم ہے اور نہ طاقت۔ نہ وہ ان کی مدد کر سکتے ہیں نہ ان کی صحیح رہنمائی کر سکتے ہیں نہ ان کی سرپرستی یا حفاظت کر سکتے ہیں۔

(تفسیر کبیر، مجمع البیان، تفہیم)

ولی اور نصیر کے درمیان فرق ہے۔

ولی وہ ہوتا ہے جو کسی کی درخواست کے بغیر ہی کسی کی مدد اور سرپرستی کرے۔

لیکن نصیر کے معنی اس سے بھی عام ہیں۔ (تفسیر مجمع البیان۔ طبرسی جلد ۸)

یہ بھی ممکن ہے کہ ولی اس سرپرست کو کہتے ہیں جو مدد کے مستحق کی بغیر درخواست مدد کرے اور نصیر وہ ہے جو امداد کی درخواست کے بعد امداد کرے۔

(تفسیر نمونہ۔ مفردات امام راغب)

www.drhasanrizvi.com

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ ۚ فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِيُّ وَهُوَ يُحْيِ الْمَوْتٰى ۫ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ⑨ ع

(۹) تو کیا انھوں نے اس (خدا) کو چھوڑ کر دوسرے ولی یا سرپرست اختیار کر رکھے ہیں؟ تو اصل ولی یا سرپرست تو اللہ ہی ہے (کیونکہ) وہی مُردوں کو زندہ کرتا ہے اور وہی ہر چیز پر قادر بھی ہے (یعنی ولی یا سرپرست ہر کوئی نہیں ہو سکتا۔ آپ مانیں یا نہ مانیں حقیقی ولی یا سرپرست خدا ہی ہے، جو موت کو حیات میں تبدیل کرسکتا ہے اور ہر چیز پر قادر بھی ہے)۔

مطلب یہ ہے کہ ولایت کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہ آپ جسے چاہیں اپنا ولی بنالیں۔ ولی لوگوں کی خواہشوں سے نہیں بن سکتا۔ کیونکہ انسان کا حقیقی ولی (سرپرست، آقا) وہی ہوسکتا ہے جو موت وحیات پر قادر ہو، جو بے جان مادّوں میں جان ڈال سکتا ہو۔ جس نے انسان کو پیدا کیا ہو۔ جو ولایت کا حق ادا کرنے کی طاقت اور

www.drhasanrizvi.com

اختیارات رکھتا ہو۔ وہ اللہ کے سوا کوئی نہیں ہے۔ اس لیے اللہ کے سوا کسی اور کو اپنا ولی، آقا، سرپرست بنانا جہالت، حماقت اور خودکشی ہے۔

(تفسیر کبیر، مجمع البیان، تفہیم)

حقیقی اور اولین معنی میں خدا ہی ہمارا ولی ہے۔ یا پھر وہ خدا کا ولی ہے جسے خدا ولی بنائے (مؤلف)

محققین نے نتیجہ نکالا کہ حقیقی معنی میں ولی یا سرپرست یا مددگار وہی ہو سکتا ہے جو

ا:- مُردوں کو زندہ کر سکے۔ ۲:- ہر چیز پر قادر ہو۔ اور وہ خدا کے سوا کوئی نہیں۔

پھر دوسرے معنی میں ولی صرف وہ ہوتا ہے جسے خدا اپنا دوست اور مخلوق کے لیے سرپرست بنائے۔ جیسا کہ خدا نے خود فرمایا:

"صرف اللہ تمہارا ولی ہے۔ اور اس کا رسول تمہارا ولی ہے۔ اور وہ لوگ تمہارے ولی (سرپرست، مددگار) ہیں جو ایمان لاتے ہیں اور نماز کو قائم فرماتے ہیں اور رکوع کے عالم میں زکوٰۃ دیتے ہیں۔" ☆ (سورہ مائدہ ۵۔ آیت ۵۵۔ پ۶)

رکوع کے عالم میں زکوٰۃ حضرت علیؑ نے دی اور ائمہ اہلبیتؑ نے دی۔ (مؤلف)

اس لیے انسان کو چاہیے کہ اگر اپنے لیے کسی کو ولی بنانا چاہیں تو صرف خدا کو اپنا ولی (سرپرست، آقا، مددگار) بنائیں۔ کیونکہ پچھلی آیت کے پیش نظر خدا ہی عزیز (یعنی پورے غلبہ والا)، حکیم (گہری مصلحتوں کے مطابق کام کرنے والا) ہے۔ کائنات کا مالک، علیؑ (یعنی بلند اور بالا) بھی ہے۔ غفور و رحیم بھی ہے۔ اور اس آیت کے مطابق مُردوں

www.drhasanrizvi.com

کو زندہ کرتا ہے اور ہر چیز پر قادر ہے۔ ولی ہو تو ایسا ہو۔ یہی آٹھوں اوصاف جس میں ہوں وہی حقیقی معنی میں ولی ہو سکتا ہے اور یہ آٹھوں اوصاف خدا کے سوا کسی میں نہیں۔

اب چونکہ خدا مردوں کو زندہ کرتا ہے اس لیے خدا ہی مستحق ہے کہ اس کو اپنا ولی (سرپرست اور مددگار) بنایا جائے۔ اس لیے قیامت کا معاملہ اور آخرت کے تمام امور صرف اور صرف خدا ہی کے ہاتھ میں ہیں لہٰذا صرف خدا ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔

آخر میں خدا کا فرمانا کہ: "خدا ہر چیز پر قادر ہے"۔ اس سے معلوم ہوا ولی کی (وجو سرپرست) ہونے کی اصل خصوصیت یہ ہے کہ حقیقی معنی میں ولی وہ ہو جو ہر چیز پر قادر ہو۔
(تفسیر نمونہ)

وَمَا اخۡتَلَفۡتُمۡ فِیۡہِ مِنۡ شَیۡءٍ فَحُکۡمُہٗۤ اِلَی اللّٰہِ ؕ ذٰلِکُمُ اللّٰہُ رَبِّیۡ عَلَیۡہِ تَوَکَّلۡتُ ٭ۖ وَ اِلَیۡہِ اُنِیۡبُ ﴿۱۰﴾

(۱۰) تمہارے درمیان جس بات پر بھی اختلاف ہو، اس کا فیصلہ کرنا اللہ کا کام ہے۔ وہی اللہ میرا پالنے والا مالک ہے۔ اُسی پر میں نے بھروسہ کر رکھا ہے اور میں اُسی کی طرف لَو لگائے رجوع کیے رہتا ہوں۔

جو شخص دنیا اور آخرت کے ہر معاملے میں خدا کی طرف لَو لگائے رکھے گا خدا ہی

www.drhasanrizvi.com

سے امیدیں اور توقعات باندھے گا خدا ہی پر ہر معاملہ میں بھروسہ کرے گا اسے مخلوق سے بھلا کیا خوف ہو سکتا ہے۔ قرآن کی تعلیمات کے مطابق خداوند عالم کو صرف فلسفیانہ اعتبار سے مسبب الاسباب یا خالق کائنات سمجھ لینا کافی نہیں ہے۔ ضروری ہے کہ خداوند عالم کو ہر معاملے میں اپنا کارساز، مددگار، رہنما، مدبرِ عالم، پالنے والا، بگڑی بنانے والا، سمجھنا چاہیے اور اس سے ہر وقت تعلق جوڑے رکھنا چاہیے۔ کیونکہ صرف وہی ہمارا مالک، آقا، پالنے والا، نفع پہنچانے والا، ہدایت کرنے والا ہے۔ (تفسیر کبیر)

اختلافات کا فیصلہ کرنا اللہ کا قانونی حق بھی ہے اور عملاً بھی خدا ہی حق اور باطل کا فیصلہ کر رہا ہے۔ اسی طرح سے باطل آخر کار تباہ ہو کر رہتا ہے اور حق کے پرستار سرفراز ہوتے ہیں، چاہے یہ فیصلے دیر ہی سے کیوں نہ ہوں۔ غرض خدا ہی حقیقی معنی میں اختلافات کا فیصلہ کرنے والا حاکم ہے۔ اس لیے ہمیشہ خدا ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے اور اسی کے فیصلوں پر اعتماد کرتے رہنا چاہیے۔ اسی کی حمایت اور حفاظت پر بھروسہ کرنا چاہیے۔ اور زندگی کے ہر معاملہ میں خدا ہی کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ جب بھی کوئی مشکل تکلیف پیش آئے تو خدا کے علاوہ کسی دوسرے کی طرف نہیں دیکھنا چاہیے۔ اسی لیے رسولِ اکرم سے کہلوایا جا رہا ہے کہ میں ہر مشکل میں خدا ہی کی طرف رجوع کرتا ہوں، اُسی سے مدد مانگتا ہوں، خطروں میں اسی کی پناہ ڈھونڈتا ہوں اور اسی کی حفاظت پر بھروسہ کرتا ہوں۔ ہر مسئلے میں اسی سے رہنمائی اور ہدایت حاصل کرتا ہوں اور ہر معاملہ میں اسی کے فیصلوں

www.drhasanrizvi.com

کو قبول کرتا ہوں (تفسیر کبیر۔ تفہیم)

آیت کے آخر میں توبہ اور انابت کے الفاظ آئے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تکوینی نظام سے متعلق تمام امور خدا کے سپرد کیے جائیں اور تشریعی امور میں بھی خدا ہی کی طرف رجوع کیا جائے توبہ کا تعلق تکوینی امور اور انابت کا تعلق تشریعی امور سے ہے۔
(تفسیر المیزان، جلد ۱۸)

فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِؕ (۱۱) (جو) آسمانوں اور زمین کا
جَعَلَ لَكُمۡ مِّنۡ بنانے والا ہے۔ جس نے خود
اَنۡفُسِكُمۡ اَزۡوَاجًا وَّ تمہاری اپنی ہی جنس سے
مِنَ الۡاَنۡعَامِ اَزۡوَاجًا ۚ تمہارے جوڑے بنائے اور
یَذۡرَؤُكُمۡ فِیۡهِ ؕ لَیۡسَ اسی طرح جانوروں میں بھی
كَمِثۡلِهٖ شَیۡءٌ ۚ وَهُوَ (انھیں کے ہم جنس) جوڑے
السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ (۱۱) بنائے۔ اس طرح وہ تمہاری
نسلیں پھیلاتا چلا جاتا ہے۔ کائنات کی کوئی چیز اُس کے جیسی نہیں
وہ سب کچھ سُننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

www.drhasanrizvi.com

خداوند عالم کا اپنے لیے فرمانا کہ "کائنات کی کوئی چیز خدا جیسی نہیں"۔ خدا کی صفاتِ تنزیہ کا خلاصہ ہی یہ ہے کہ کائنات کی کوئی چیز اللہ کی جیسی، اللہ کی ہم جنس، ہم نوع، ہمسر، ہم صفت، برابر نہیں ہے۔ کوئی چیز کسی طرح سے بھی خدا جیسی نہیں ہے۔
(تفسیر روح المعانی۔ بقول زجاج۔ تفسیر کبیر)

خداوند عالم کا فرمانا کہ "لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ" (یعنی) کوئی چیز خدا کی مانند نہیں ہے جب کوئی چیز خدا کی مانند تک نہیں ہے تو پھر کوئی خدا جیسا یا خدا کے برابر یا دوسرے کسی خدا کے ہونے کا کوئی فکری، عملی امکان تک باقی نہ رہا۔ (تفہیم)

خدا نے نسلیں بڑھانے کے سلسلے میں صرف انسانوں کو خطاب فرمایا ہے۔ جبکہ خدا جانوروں کی بھی نسلیں بڑھا رہا ہے۔ مگر خدا نے جانوروں کو انسانوں کے ساتھ مخاطب نہ فرما کر عظمتِ انسانی کو ثابت فرمایا ہے۔ خطاب صرف انسانوں کو کیا باقی چیزیں خود ان کے ضمن میں شامل ہو گئیں (تفسیر نمونہ)

لَیس کمثلہ شیءٌ کوئی چیز اللہ کی جیسی نہیں۔ اس سلسلے میں حضرت علیؑ نے فرمایا "جو شخص خدا کی کیفیت کا قائل ہوا، اس نے خدا کو اکیلا نہ جانا۔ اور جس نے خدا کے لیے کوئی شبیہ یا مثال قرار دی وہ اس کی ذات کی حقیقت کو مطلقاً سمجھ ہی نہ سکا۔ جس نے خدا کا کسی کو مشابہ قرار دیا (گویا) اس نے خدا کا قصد ہی نہیں کیا۔ اور جس نے خدا کی طرف اشارہ کیا یا خدا کو اپنے وہم و گمان میں لانے کی کوشش کی، اس نے خدا کو منزہ (یعنی عیب سے پاک)

www.drhasanrizvi.com

نہ سمجھا۔" (یعنی خدا کو لامحدود نہ سمجھا) (نہج البلاغہ، خطبہ ۱۸۶)

پھر ایک اور مقام پر فرمایا: "ہر چیز جسے ایک کہا جائے وہ بہت کم مقدار میں ہوتی ہے سوائے خدا کی ذات کے۔ کیونکہ خدا کی وحدت (ایک ہونا) اس کی غیر متناہی عظمت کی واضح دلیل ہے۔" (نہج البلاغہ، خطبہ ۶۵)

غرض خدا کی صفات کے سلسلے میں سب سے اہم فارمولا یہ ہے کہ "لیس کمثلہ شیءٌ" کوئی چیز خدا جیسی نہیں ہے۔ اسی بات کو قرآن میں دوسرے الفاظ میں یوں فرمایا گیا "لَمۡ یَکُنۡ لَّهٗ کُفُوًا اَحَدٌ۔" کوئی چیز خدا کے برابر یا ہمسر نہیں ہے۔ جب کوئی چیز اس کے ہمسر، برابر نہیں ہے تو کوئی چیز اس کی مثل کیسے ہو سکتی ہے؟

خدا کے لیے سُبۡحَانَ اللّٰهِ "یعنی خدا ہر عیب سے پاک ہے۔" کہنا بھی اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے۔ غرض لَیۡسَ کَمِثۡلِهٖ شَیۡءٌ کے معنی یہ ہوئے کہ خدا کی مثل کبھی نہیں ہو سکتی۔ کوئی اللہ جیسا نہیں ہو سکتا۔ یعنی کوئی ایسا نہیں ہو سکتا جس میں اللہ جیسا وسیع علم، قدرت، لامتناہی، لامحدود، جمالی اور کمالی صفات موجود ہوں (تفسیر نمونہ)

لَهٗ مَقَالِیۡدُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ۚ یَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ یَّشَآءُ وَیَقۡدِرُ ؕ (۱۲) آسمانوں اور زمین کے خزانوں کی چابیاں اسی کے پاس ہیں۔ وہ جس کے لیے چاہتا ہے رزق

www.drhasanrizvi.com

اِنَّهٗ بِكُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ ﴿۱۲﴾

میں وسعت دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے اُسے نپا تلا یا تنگی کے ساتھ دیتا ہے۔ حقیقتاً وہ ہر چیز کا پوری طرح جاننے والا ہے۔

خداوند عالم صرف خالق کائنات اور چیزوں کو وجود بخشنے والا ہی نہیں ہے صرف قادرِ مطلق، حاکمِ مطلق، رازق ہی نہیں ہے بلکہ رزق تو کیا کائنات کی ہر چیز پر متصرف بھی ہے۔ اور اس کے انتظامات اٹکل پچو نہیں ہیں۔ بلکہ رتی ماشے کے پورے پورے حساب کے ساتھ ہوتے ہیں۔ خداوند عالم کا علم صرف کلیات تک محدود نہیں ہے بلکہ تمام کلیات، تمام جزئیات، تمام ظواہر و بواطن سب کا پورا پورا علم رکھتا ہے اور ان سب پر یکساں طور پر حاوی یا محیط ہے۔ (تفسیر ماجدی)

اس آیت میں اس بات کے دلائل دیے گئے ہیں کہ کیوں اللہ ولی برحق ہے اور کیوں صرف خدا پر ہی بھروسہ کرنا درست ہے۔ اور کیوں ہر معاملے میں خدا ہی کی طرف رجوع کرنا چاہیے؟

دلیل یہ ہے کہ: آسمانوں اور زمین کے خزانوں کی تمام چابیاں اللہ کے پاس ہیں۔ اس لیے کسی اور کو اپنا حقیقی سرپرستِ اعلیٰ سمجھنا اول درجے کی حماقت ہے۔

www.drhasanrizvi.com

پھر فرمایا: "خدا جسے چاہتا ہے کھلا رزق دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے نپا تلا۔"

اس کے بعد کسی اور سے رزق کا سوال کرنا یا وسعت رزق کی توقع باندھنا عقل دشمنی کی انتہا ہوگی۔ پھر فرمانا کہ "خدا ہر ہر چیز کا علم رکھتا ہے" اس لیے ہر معاملے میں خدا ہی کی طرف رجوع کرنا چاہیے یا اسی سے ہدایت طلب کرنی چاہیے اور اسی پر ہر معاملے میں بھروسہ کرنا چاہیے (مؤلف)

خدا رازق ہے مگر کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مال و دولت کی فراوانی وبال جان بن جاتی ہے۔ جیسا کہ خود خدا نے فرمایا: "ان لوگوں کے مال و دولت اور اولاد کی فراوانی تجھے حیران نہ کر دے۔ کیونکہ خدا یہ چاہتا ہے کہ انھیں اس کے ذریعہ دنیوی زندگی میں سزا دے اور وہ کفر کی حالت میں مریں۔" ⁂ (سورۂ توبہ ۹ ـ ۵۵ ـ پ ۱۰)

یعنی مال، دولت، اولاد کی کثرت کی وجہ سے انسان خدا سے غافل ہو جاتا ہے اور پھر انسان اس کے انکار پر جما رہتا ہے اور اسی طرح موت کی آغوش میں چلا جاتا ہے۔ اسے زندگی بھر ہوش نہیں آتا۔

پھر خداوند عالم نے فرمایا: "کیا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے انھیں مال، اولاد عطا کی ہے اس طرح ان پر اچھائیوں کے دروازے کھول دیے ہیں۔ ایسا بالکل نہیں ہے۔ البتہ وہ اس بات کو سمجھ نہیں رہے ہیں۔" ⁂ (سورۂ مومنون ۲۳ ـ ۵۵-۵۶ ـ پ ۱۸)

روزی تلاش کرنا ضروری ہے روزی خدا عطا کرتا ہے۔ مگر اس نے روزی عطا

www.drhasanrizvi.com

کرنے کی شرط یہ رکھی ہے کہ اسے تلاش کیا جائے۔ اس کے لیے کوشش کی جائے۔ مگر کوششوں کے باوجود کبھی روزی ملتی ہے اور کبھی نہیں ملتی۔ یہ اس لیے ہے کہ ہمیں معلوم ہو جائے کہ روزی ملنے کا انحصار صرف محنت پر نہیں ہے کوئی ہے جو روزی دیتا ہے۔

اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ سستی، کاہلی کی وجہ سے جو نقصان ہوتا ہے اس کو خدا کے کھاتے میں نہیں ڈالنا چاہیے۔

رزق صرف دنیوی نعمتوں کا نام نہیں ہے رزق کے معنی بہت وسیع ہیں۔ مادی، روحانی، معنوی روزی بھی اس میں شامل ہے۔ امامؑ نے حج کے لیے یوں دعا فرمائی:

"اللهم ارزقنی حج بیتك الحرام۔"

"مالک مجھے حج ادا کرنے کا رزق عطا فرما۔" (مفاتیح الجنان)

خدا کی اطاعت کے لیے یوں دعا فرمائی:

"اللهم ارزقنی توفیق الطاعة۔"

"مالک مجھے اپنی اطاعت کرنے کی توفیق کا رزق عطا فرما۔" (مفاتیح الجنان)

روزی بڑھانے کا روحانی طریقہ قرآن سے خدا نے فرمایا: "لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ۔" اگر تم میرا شکر ادا کرو گے تو میں نعمتوں میں اضافہ کروں گا" (سورہ ابراہیم ۱۴۔ آیت ۷۔ پ۱۳)

امام صادقؑ نے فرمایا: "جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کے پاس خدا کی نعمتیں ہمیشہ بڑھتی ہی رہیں تو اس کو چاہیے ان کا شکریہ ادا کرتا رہے۔" پھر امامؑ نے یہی آیت پڑھی۔

www.drhasanrizvi.com

معلوم ہوا رزق ملنے پر جس قدر زیادہ خدا کا شکر ادا کیا جائے گا اسی قدر رزق بڑھے گا۔

(۲) ایمان اور تقویٰ ۔ خدا نے فرمایا: "اگر بستیوں کے لوگ دل سے (خدا، رسولؐ، آخرت کو) مان لیں اور تقویٰ (کی زندگی) اختیار کرلیں (یعنی فرائض الٰہیہ کو ادا کریں اور محرمات سے بچیں) تو ہم ان پر زمین اور آسمان کی برکتیں کھول دیں گے۔" (سورہ اعرافؑ، آیت ۹۶ پ ۹)

روزی میں تنگی کیوں کی جاتی ہے؟ خدا فرماتا ہے: "اگر اللہ اپنے بندوں پر روزی کشادہ کردے تو وہ ظلم اور بغاوت پر اُتر آئیں۔" (شوریٰ ۴۲۔ ۲۷۔ پ ۲۵)

یہ بات یاد رہے کہ روزی کا دینا صرف خدا کے ہاتھ میں ہے ہمارے لیے ضروری ہے اور یہی اصل شکر ہے کہ ہم اپنا رازق صرف اور صرف خدا کو جانیں۔ باقی سب کو صرف اور صرف وسیلہ اور ذریعہ یا سبب سمجھیں۔ اس لیے صرف اور صرف خدا سے روزی مانگیں اور خدا ہی پر بھروسہ کرنے کے بعد جائز طریقوں سے روزی کمانے کی کوششیں کریں۔ خداوند عالم فرماتا ہے:

"کیا خدا کے علاوہ کوئی اور خالق بھی ہے جو تمھیں زمین اور آسمان سے روزی عطا فرمائے؟" (سورۂ فاطر ۳۵۔ ۳، پ ۲۲)

خداوند عالم نے مزید فرمایا: "فَابۡتَغُوۡا عِنۡدَ اللّٰهِ الرِّزۡقَ۔"

(یعنی) روزی صرف خدا سے مانگو! (عنکبوت ۲۹۔ ۱۷ پ ۲۰)

یہی انسان کی عزت اور خودداری کی ضمانت ہے۔ (تفسیر نمونہ)

شَرَعَ لَکُمۡ مِّنَ الدِّیۡنِ (۱۳) (اُس خدا نے) تمھارے لیے وہی

www.drhasanrizvi.com

مَا وَصّٰى بِهٖ نُوحًا	دین اور وہی طریقہ مقرر کیا
وَّالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ	ہے جس کا حکم اس نے نوحؑ
وَمَا وَصَّیْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِیْمَ	کو دیا تھا۔ اور جسے اب ہم نے
وَمُوْسٰى وَعِیْسٰٓى اَنْ	آپؐ کی طرف وحی کے ذریعہ
اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَلَا	سے بھیجا ہے۔ اور جس کی ہدایت
تَتَفَرَّقُوْا فِیْهِ ؕ كَبُرَ	ہم ابراہیمؑ، موسیٰؑ اور عیسیٰؑ
عَلَى الْمُشْرِكِیْنَ مَا	کو بھی دے چکے ہیں، اس تاکید
تَدْعُوْهُمْ اِلَیْهِ ؕ اَللّٰهُ	کے ساتھ کہ اس دین کو قائم
یَجْتَبِیْٓ اِلَیْهِ مَنْ	رکھو اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو۔
یَّشَآءُ وَیَهْدِیْٓ اِلَیْهِ	لیکن (یہی بات کہ) جس کی
مَنْ یُّنِیْبُ ﴿۱۳﴾	طرف آپؐ بلاتے ہیں، مشرکین

کو سخت ناگوار ہے۔ غرض اللہ جسے چاہتا ہے اپنا کر لیتا (یا)
اللہ جسے چاہتا ہے اپنی بارگاہ میں منتخب کر لیتا ہے۔ اور وہ

www.drhasanrizvi.com

اپنی طرف آنے کا راستہ اسی کو دکھاتا ہے، جو اُس کی طرف لَو لگائے رجوع کیے رہتا ہے۔

خداوندِ عالم کا فرمانا کہ: "دین کو قائم رکھو اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو" یاد رہے کہ سارے کے سارے انبیاء کرامؑ اصول دین میں متحد اور متفق ہیں۔ صرف ظاہری اعمال اور شریعت کے قوانین میں کچھ اختلافات ہوتے ہیں۔

اور خدا کا یہاں فرمانا کہ "دین کو قائم رکھو" یعنی توحید کے عقیدے کو مضبوطی کے ساتھ قائم رکھو جس کا عملی مطلب یہ ہوگا کہ خدا کی یاد، خدا کی اطاعت، نماز، روزے، حج کو قائم رکھو اور جو جو احکامات کتاب خدا میں بتائے گئے ہیں، ان پر عمل کرو اور خدائی احکامات میں حضرت علیؑ کی ولایت کا اقرار بھی شامل ہے۔ (تفسیر کافی - تفسیر قمی)

غرض اس آیت میں ایک بہت بڑے مسئلے وحدت دین کا بیان ہے۔ دین ہمیشہ سے ایک ہی رہا ہے۔ صرف شریعت کی فروعات میں حسب ضرورت اور حسب حالات قدرے تبدیلی آتی رہی ہے۔ لیکن نفسِ دین اور اس کے بنیادی اصول ہمیشہ ایک ہی رہے ہیں۔ (تفسیر ماجدی)

نتائج عرفاء اور محققین نے آیت کے آخری الفاظ سے نتیجہ نکالا کہ اگر ایمان کے بعد انسان خدا کی طرف لَو لگائے رکھے تو اس کو غیر متناہی ترقی اور ثواب ملتا ہے۔ عرفاء نے لکھا کہ اس آیت میں واضح اشارہ ہے جذب و سلوک کی طرف۔ (تفسیر روح المعانی)

www.drhasanrizvi.com

خدا کا فرمانا "شرع لکم"

شرع کے لفظی معنی راستہ بنانے کے ہوتے ہیں۔ مطلب ہے زندگی گزارنے کے قاعدے، ضابطے بنانا۔ یعنی قانون سازی کا حق صرف خدا ہے کیونکہ خدا ہی ساری کائنات کی ہر ہر چیز کا مالک ہے۔ اس لیے خدا ہی ہر انسان کا حقیقی ولی (حاکم، آقا، سرپرست) ہے۔ (تفسیر کبیر، تفہیم، مجمع البیان)

دین کے معنی = آئینِ زندگی (شاہ ولی اللہ)

دین کے معنی = کسی کی حاکمیت تسلیم کرکے اس کی عملاً اطاعت کرنا (تفہیم)

اس کے بعد ارشاد ہوا کہ دین کی نوعیت رکھنے والی تشریع وہی ہے جس کی ہدایت نوحؑ، ابراہیمؑ، موسیٰؑ کو دی گئی تھی۔ اور اب وہی ہدایت محمدؐ کو دی گئی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ۱: تشریع ابتداء سے ایک رہی ہے۔ ہر قوم کا دین خدا ایک ہی رہا ہے۔ خدا کی طرف سے بہت سے دین نہیں آئے ہیں۔ ۲: دوسرا نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ کی حاکمیت کے ماننے کے ساتھ ساتھ ان لوگوں کی رسالت (و امامت) کو بھی ماننا ضروری ہے جس کے ذریعہ خدا نے تشریع اور اس کی تشریح بھیجی ہے۔ اس کو خدا کی وحی کا تسلیم کرنا کہتے ہیں جس کی تشریح یہاں کی گئی ہے اس کو ماننا دین کا لازمی جزو ہے۔ کیونکہ انسان قانونِ خدا کی اطاعت اس وقت تک کر ہی نہیں سکتا جب تک کہ وہ خدا کے رسولوں (اور ان کے اوصیاء) کو نہ مانے۔

قرآن کی رُو سے "دین"

میں حسب ذیل چیزیں شامل ہیں:

www.drhasanrizvi.com

۱:۔ خداوند عالم فرماتا ہے: "اور انکو نہیں حکم دیا گیا مگر یہ کہ یکسو ہو کر اپنے دین کو اللہ کے لیے خالص کرتے ہوئے اس کی عبادت کریں۔ اس طرح کہ نماز کو قائم رکھیں، زکوٰۃ ادا کریں۔ کہ یہی سیدھے راستے پر چلنے والی قوم کا دین ہے۔" (البینہ ۹۸، آیت ۵، پ۳۰)

معلوم ہوا کہ نماز اور زکوٰۃ ادا کرنا دین ہے۔ نماز سے مراد خدا کے حقوق ادا کرنا اور زکوٰۃ سے مراد بندوں کے حقوق ادا کرنا ہے۔ (تفسیر کبیر)

۲:۔ خدا نے فرمایا: "تمہارے لیے حرام کیا گیا ہے، مردار خون، سوّر کا گوشت، وہ جانور جو اللہ کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح کیا گیا ہو، وہ جو گلا گھونٹ کر یا چوٹ کھا کر یا بلندی سے ٹکرا کر مرا ہو۔ یا کسی درندے نے جسے پھاڑا ہو، سوا اس کے جسے تم نے زندہ پا کر ذبح کرلیا ہو۔ اور وہ بھی حرام کیا ہے جو کسی آستانے پر ذبح کیا گیا ہو۔ اور یہ بھی حرام کیا گیا ہے کہ تم پانسوں کے ذریعہ اپنی قسمت معلوم کرو۔ یہ سب کام فسق ہیں۔ آج کافروں کو تمہارے دین سے مایوسی آچکی ہے لہٰذا تم ان سے نہ ڈرو۔ مجھ سے ڈرو۔" (سورہ مائدہ ۵-۳- پ۶)

معلوم ہوا ان سارے احکامات پر عمل کرنا دین ہے۔

۳:۔ خدا نے فرمایا: "زانیہ عورت اور مرد دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو۔ اور ان پر ترس نہ کھانا۔ یہ دین کا معاملہ ہے۔ اگر تم اللہ اور آخرت کو دل سے مانتے ہو۔" (سورۂ نور ۲۴-۲- پ۱۸)

یعنی شریعت کے احکام اور حدود کے احکام پر عمل کرنا دین ہے۔

آخر میں خدا نے فرمایا: "دین میں تفرقے نہ ڈالو۔" یعنی دین اسلام میں اپنی طرف سے

www.drhasanrizvi.com

کوئی نئی نرالی بات نہ نکالو۔ دین کے اہم اصولوں کو تبدیل کرنے کی کوشش نہ کرو۔ نئی نئی تاویلات کر کے نرالے انوکھے عقیدے اور اعمال نہ ایجاد کرو۔ دین کے احکامات میں ردّو بدل نہ کرو۔ اہم کو کم اہم اور کم اہم کو زیادہ اہم نہ بناؤ۔ مباح کو فرض اور سنت کو واجب نہ بناؤ۔ انھیں حرکتوں سے پچھلی امتوں میں تفرقے پڑے تھے۔ لیکن تفرقے پیدا کرنے سے اجتہاد یا جائز رائے کا کوئی تعلق نہیں ہے جو مسائل کے استنباط کے لیے اہل علم کے درمیان رائج ہے۔ یہ اجتہاد ہے اور دین کی گہرائیوں کو سمجھنا ہے۔ اس کا غلط استعمال یا ناجائز استعمال تفرقے پیدا کرنا ہے (تفسیر کبیر۔ تفہیم)

انابت کے معنی : (۱) اللہ کی طرف رجوع کرنا، پوری پوری توجہ کرنا۔

(۲) پھر اپنے گناہوں پر توبہ کرنا۔ یعنی دل سے شرمندہ ہو کر معافی مانگنا۔

(۳) خدا کی اطاعت کی زندگی اختیار کرنا۔ (تفسیر نمونہ)

حدیث قدسی میں خدا فرماتا ہے: "جو ایک بالشت کے برابر میرے قریب ہونے کی کوشش کرے گا، میں ایک ہاتھ کے برابر اس کے قریب ہو جاؤں گا۔ جو شخص پیدل چل کر میرے پاس آئے گا (یعنی میری اطاعت کی طرف آئے گا) میں دوڑ دوڑ کر اس کے پاس جاؤں گا۔"

(حدیث قدسی از تفسیر کبیر، جلد ۲۷۔ تفسیر نمونہ۔ تبیان۔ مجمع البیان)

تاویل یعنی اولین مطلب

امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ: "دین کو قائم رکھو۔" کا اولین مخاطب امام وقت ہوتا ہے اور خدا کا فرمانا کہ: "اس میں اختلاف نہ کرو" اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ علیؑ ابن ابی طالبؑ کی ولایت کے بارے میں اختلاف نہ کرو۔"

(تفسیر نور الثقلین۔ جلد ۴)

www.drhasanrizvi.com

کیونکہ علیؑ کی ولایت میں اختلاف کرنے سے تمام دینی مسائل میں اختلاف ہوجائے گا۔

تفسیر، حدیث، عقائد، فروعات، اصول سب میں اختلاف پیدا ہوگا۔ (مؤلف)

وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْۢ (۱۴) لوگوں میں جو تفرقہ پیدا ہوا
بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ وہ صرف آپس کی ضد اور زیادتی
بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۭ وَلَوْ سے ہوا، وہ بھی اس کے بعد
لَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ کہ اُن کے پاس (حقیقت کا)
رَّبِّكَ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى علم آچکا تھا۔ اور اگر تمھارے
لَّقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۭ وَاِنَّ پالنے والے مالک کی طرف سے
الَّذِيْنَ اُوْرِثُوا الْكِتٰبَ پہلے سے طے شدہ بات (یعنی)
مِنْۢ بَعْدِهِمْ لَفِيْ شَكٍّ مقررہ مدت (تک کے لیے مہلت)
مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿۱۴﴾ نہ ہوتی، تو ان کے درمیان

فیصلہ چکا دیا گیا ہوتا (یعنی) اگر تیرا پالنے والا مالک پہلے ہی
یہ فرما نہ چکا ہوتا کہ ایک وقت مقررہ تک فیصلہ ملتوی رکھا

www.drhasanrizvi.com

جائے گا، تو اُن کا فیصلہ چُکا دیا گیا ہوتا حقیقت یہ ہے کہ وہ جنھیں اُن کے بعد کتاب عطا ہوئی تھی وہ اس کے بارے میں شک و شبہ میں پڑے ہوئے ہیں۔

خداوندِ عالم کا فرمانا: "وہ لوگ جو اُن کے بعد کتاب کے وارث بنا دیے گئے"۔ یعنی جنھیں پچھلی قوموں کے بعد اللہ نے دینی کتاب عطا فرمائی وہی لوگ اس کتاب خدا کے بارے میں شک کر رہے ہیں۔ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنھوں نے رسولِ خدا کے حکم کو نہ مانا۔

خداوندِ عالم کا فرمانا کہ: "اگر تمھارے مالک کی طرف سے پہلے ہی سے یہ بات طے نہ کر لی گئی ہوتی۔" تو اس بات سے مراد یہ ہے کہ اگر خدا نے پہلے سے یہ طے نہ فرما لیا ہوتا کہ ہر قوم کو سوچنے سمجھنے، سنبھلنے کی مہلت ضرور دی جائے گی، اگر ایسا نہ ہوتا تو ان کا فیصلہ چکا دیا گیا ہوتا۔

(تفسیر صافی۔ بحوالہ تفسیر قمی۔ مجمع البیان)

نتائج محققین نے نتیجے نکالے:

(۱) دینِ اصلی اور دینِ قدیم، دینِ توحید ہے۔

(۲) شرک بعد کی ایجاد ہے۔

(۳) کفر کی بنیاد علمی غلطی پر نہیں۔ بلکہ کفر و انکار کی اصل وجہ تکبّر اور ذاتی منفعت ہے۔

(۴) مومنین کو تسلی دی جا رہی ہے کہ مجرمین جواب تک خدا کے عذاب سے بچے ہوئے ہیں

www.drhasanrizvi.com

وہ اپنے کسی ذاتی استحقاق کی بنا پر نہیں بچے ہوئے ہیں بلکہ خدا کی حکمت اور منصوبہ ہی یہ تھا کہ سزا آخرت میں دی جائے اور دنیا میں سوچنے، سمجھنے، سنبھلنے کی مہلت دی جائے۔

(تفسیر ماجدی)

آیت کا پیغام۔ یہ ہے کہ قوموں میں تفرقے کا سبب یہ نہیں تھا کہ خدا نے انبیاء نہیں بھیجے تھے یا ہدایت کے لیے کتابیں نہیں اتاری تھیں۔ اس لیے مجبوراً لوگوں نے الگ الگ دین اختیار کر لیا۔ اصل بات یہ ہے کہ لوگوں نے اپنے اندر تفرقہ علم آجانے کے بعد پیدا کیا۔ اس لیے تفرقہ بازی کا ذمہ دار خدا نہیں ہے خود لوگ ہیں جنھوں نے دینِ خدا کے واضح احکامات اور اصولوں سے ہٹ کر نئے نئے مذاہب اور مسالک ایجاد کر لیے۔

پھر لوگوں نے یہ تفرقہ اندازی کسی نیک جذبہ سے بھی نہیں کی۔ بلکہ بَغْيًا بَيْنَهُمْ وہ آپس میں ایک دوسرے پر زیادتیاں کرنا چاہتے تھے۔ صرف اپنی نرالی اُپج دکھانے، اپنا الگ جھنڈا بلند کرنے، ضدم ضدا اور ایک دوسرے کو زک پہنچانے کے لیے، مال وجان کی طلب میں یہ سب کچھ کیا۔ کیونکہ چالاک لوگوں نے یہ دیکھا کہ اگر سب کے سب لوگ خدا کے دین پر چلیں گے تو ہمارا کیا قائمہ ہوگا؟ ہمیں کون مانے گا اور ہمارے آگے کون جھکے گا؟ اس لیے انھوں نے نئے نئے عقیدے، نئے نئے فلسفے، نئے نئے طرز عبادت، رسوم ایجاد کیے۔ تاکہ خلقِ خدا خود کو دین کی صاف ستھری واضح شاہراہ سے ہٹا کر مختلف راہوں پر لگا دیں۔ آپس میں اختلافات پیدا کرکے اپنی چودھراہٹ جمائیں۔ اس کا انجام یہ ہوا کہ نوبت سیاسی کشمکش، فرقہ بندیوں اور خوں ریزیوں تک پہنچ گئی۔ اور اس طرح تاریخ نے انسانوں کا خون خدا کے مذہب کے نام پر

www.drhasanrizvi.com

بہایا گیا ہے۔

دینِ مرداں فکر و تدبیر و جہاد ۔ دینِ ملّاں فی سبیل اللہ فساد

یعنی! مَردوں کا طریقۂ زندگی تو فکر کرنا، تدبیر کرنا اور برائیوں کو دور کرنے کے لیے کوششیں کرنا ہوتا ہے۔ مگر دینِ ملّا اللہ کے نام پر فساد پھیلانا ہوتا ہے۔ (اقبال)

انھیں مذہبی رہنماؤں نے جو بڑے چالاک تھے مذہب کے نام پر الٰہیات، فلسفہ، قانون، دین و ایمان کے نام پر ایسی ایسی دور از کار بحثیں چھیڑیں کہ لوگ بھول بھلیوں میں پھنس گئے۔ ان کو سیدھا راستہ دکھائی دینا ہی بند ہو گیا۔ کیونکہ کتابِ خدا بائیبل میں بھی تحریف کر دی تھی اس لیے اور بھی یہ ممکن نہ ہوا کہ انھیں سیدھا راستہ ملتا۔ آخر کار دین کے معاملے میں لوگ سخت اضطراب اور شکوک و شبہات میں پڑ گئے۔

(تفسیر کبیر۔ مجمع البیان۔ تفہیم)

فَلِذٰلِکَ فَادۡعُ ۚ (۱۵)	اسی لیے آپؐ تو بس اسی
وَاسۡتَقِمۡ کَمَاۤ اُمِرۡتَ ۚ	دین کی طرف بلاتے رہیے اور
وَلَا تَتَّبِعۡ اَہۡوَآءَہُمۡ ۚ	اسی پر مضبوطی سے جمے رہیے۔
وَقُلۡ اٰمَنۡتُ بِمَاۤ	جیسا کہ آپؐ کو حکم دیا گیا ہے
اَنۡزَلَ اللّٰہُ مِنۡ	اور آپؐ ان لوگوں کی خواہشوں

www.drhasanrizvi.com

كِتٰبٍ ۚ وَاُمِرۡتُ لِاَعۡدِلَ بَيۡنَكُمُ ؕ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمۡ ؕ لَنَاۤ اَعۡمَالُنَا وَلَكُمۡ اَعۡمَالُكُمۡ ؕ لَا حُجَّةَ بَيۡنَنَا وَبَيۡنَكُمُ ؕ اَللّٰهُ يَجۡمَعُ بَيۡنَنَا ۚ وَاِلَيۡهِ الۡمَصِيۡرُ ⑮

کے پیچھے نہ چلیے اور اُن سے (صاف صاف) کہہ دیجیے کہ: "جو کتاب اللہ نے اُتاری ہے میں تو اُسی کو مانتا ہوں۔ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمھارے درمیان انصاف کروں۔ اللہ ہمارا بھی پالنے والا مالک ہے اور تمھارا بھی پالنے والا مالک ہے۔ ہمارے اعمال ہمارے لیے ہیں اور تمھارے اعمال تمھارے لیے ہیں۔ ہمارے اور تمھارے درمیان کوئی جھگڑا، کوئی بحث مباحثہ، کوئی تکرار نہیں۔ (یعنی معقول دلائل سے جو بات سمجھانی تھی وہ تو ہم نے سمجھا دی۔ اب خواہ مخواہ کی تُو تُو، میں میں سے کیا حاصل؟) اللہ ہم سب کو اکٹھا کرے گا اور اسی کی طرف ہم سب کو جانا ہے۔"

www.drhasanrizvi.com

خداوندِ عالم کا حکم دینا کہ: لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کرو۔" یعنی لوگوں کے کہنے پر دین میں کچھ ردّو بدل نہ کرو۔ مشرکوں، کافروں سے کچھ لو کچھ دو کے اصول پر مصالحت نہ کرو۔ اوہام اور جاہلانہ رسومات کی گنجائش لوگوں کے کہنے پر دین میں نہ نکالو۔ خدا کے اصلی اور خالص دین کو جیسا کہ اس نے بھیجا ہے اسی طرح مانو اور منواؤ۔ اور لوگوں سے صاف صاف کہہ دو کہ میں ان تفرقہ پرداز قسم کے لوگوں میں سے نہیں ہوں جو خدا کی بھیجی ہوئی کتابوں میں تبدیلیاں کر کے مال ٹھورتے ہیں۔ جس حصّے کو چاہتے ہیں مانتے ہیں اور جس حصّے کو چاہتے ہیں نہیں مانتے۔ میں ہر اس کتاب کو مانتا ہوں جسے خدا نے بھیجا ہے۔

اور یہ بھی کہہ دو کہ مجھے خدا نے انصاف کرنے کا حکم دیا ہے۔ میں کسی گروہ کے خلاف تعصب نہیں رکھتا۔ میرا سب انسانوں سے یکساں تعلق ہے جو عدل کی بنیاد پر قائم ہے۔ جو حق کا موافق ہے میں اس کا موافق ہوں۔ جو حق کے خلاف ہے میں اس کا مخالف ہوں۔ میرے نزدیک چھوٹے بڑے، امیر غریب کے لیے الگ الگ حقوق نہیں ہیں۔ جو ایک کے لیے گناہ ہے وہ سب کے لیے گناہ ہے۔ جو ایک کے لیے ثواب ہے وہ سب کے لیے ثواب ہے۔ حلال، حرام سب کے لیے ہے۔ اور میں دنیا میں عدل و انصاف قائم کرنے پر مامور ہوں۔ میرا کام یہ ہے کہ میں لوگوں کے درمیان عدل و انصاف کروں اور بے اعتدالیوں اور ناانصافیوں کا خاتمہ کروں۔

(تفسیر کبیر۔ مجمع البیان۔ تفہیم)

آخر میں خداوندِ عالم کا یہ فرمانا کہ:

"سب کو اسی خدا کی طرف لوٹنا ہے۔" یعنی ہم سب کا آخر کار ایک ہی فیصلہ کرنے والا

www.drhasanrizvi.com

ہوگا۔ اسی کے سامنے ہم سب کو اپنے اعمال کا جواب دینا ہے۔

پیغمبرِ اسلام نے فرمایا: تین چیزیں انسان کی نجات کا سبب ہیں اور تین ہی چیزیں ہلاکت اور بربادی کا ذریعہ ہیں۔ جو تین چیزیں نجات کا ذریعہ ہیں وہ یہ ہیں:

☼ ۱:۔ خوشی یا غصہ، دونوں حالتوں میں انصاف کرنا۔

☼ ۲:۔ دولت مندی یا تنگی، دونوں حالتوں میں اعتدال سے کام لینا۔

☼ ۳:۔ جلوت وخلوت (یعنی) لوگوں کے درمیان محفلوں میں بھی خدا سے ڈرتے رہنا اور اکیلے میں بھی خدا کی سزا سے ڈرے سہمے رہنا۔

اور وہ تین چیزیں جو ہلاکت وبربادی کا سبب ہیں وہ یہ ہیں:

☼ ۱:۔ بخیلی۔ کنجوسی
☼ ۲:۔ سرکشی، یعنی دوسروں پر ظلم اور زیادتی کرنا۔ یعنی بری خواہشات کی پیروی کرنا۔
☼ ۳:۔ تکبر اور غرور۔

(تحف العقول)

؎ ظفر آدمی اس کو نہ جانیے گا، ہو وہ کیسا ہی صاحبِ فہم و ذکا
جسے عیش میں یادِ خدا نہ رہی، جسے طیش میں خوفِ خدا نہ رہا

(ہندوستان کا آخری مغل بادشاہ۔ ظفر)

وَالَّذِیۡنَ یُحَآجُّوۡنَ فِی (۱۶) رہے وہ لوگ جو اللہ کے
اللّٰہِ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا بارے میں بلاوجہ بحث مباحثہ

www.drhasanrizvi.com

اسۡتُجِیۡبَ لَہٗ حُجَّتُہُمۡ دَاحِضَۃٌ عِنۡدَ رَبِّہِمۡ وَ عَلَیۡہِمۡ غَضَبٌ وَّ لَہُمۡ عَذَابٌ شَدِیۡدٌ ﴿۱۶﴾

اور جھگڑا کرتے ہیں، وہ بھی اس کے بعد کہ اُسے قبول کیا جا چکا ہے، اُن کی دلیل اُن کے پالنے والے مالک کے نزدیک بالکل غلط ہے اور اُن پر خدا کا غیظ و غضب ہے اور اُن کے لیے سخت سزا ہے۔

امام محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ جناب رسولؐ خدا نے فرمایا: "خدا نے لوگوں کی طرف رسول بھیجے، کتاب بھیجی، مگر لوگوں نے خدا کے احکام کو بدل دیا۔ پھر وہ لوگ قیامت کے دن خدا سے حجتیں اور کج بحثیاں کریں گے۔ اپنی دلیلیں دیں گے۔ مگر ان کی ہر حجت اور ہر دلیل خدا کے سامنے باطل ٹھہرے گی۔ (فتح الرحمٰن۔ مجمع البیان)

دوسرے معنی یہ بھی کہ خداوندِ عالم اپنے پیغمبرؐ کی اس دعا کو قبول کر چکا ہے کہ وہ اپنے رسولؐ کی مدد ضرور ضرور فرمائے گا۔ یہی وجہ تھی کہ بدر و احد، خندق و خیبر میں مسلمانوں کو کامیابی ہوئی۔

(تفسیر تبیان)

www.drhasanrizvi.com

اَللّٰہُ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ (۱۷) اللہ تو وہ ہے جس نے سچی
الۡکِتٰبَ بِالۡحَقِّ وَالۡمِیۡزَانَ ؕ حقیقت کے ساتھ یہ کتاب
وَمَا یُدۡرِیۡکَ لَعَلَّ اور (حق و باطل کی) میزان
السَّاعَۃَ قَرِیۡبٌ ﴿۱۷﴾ (یعنی) ترازو یا معیار کو اُتارا
ہے۔ اور تمھیں کیا خبر کہ شاید قیامت یا فیصلہ کا وقت نزدیک
ہی آلگا ہو۔

خداوندِ عالم کا فرمانا کہ: "ہم نے کتاب کے ساتھ ساتھ "میزان" کو اتارا ہے۔" اِس سے محققین نے نتیجہ نکالا کہ دین کی تکمیل صرف کتاب سے نہیں ہوتی بلکہ دو چیزوں سے ہوتی ہے۔ (۱) قرآن (۲) رسولِ خدا کے دور میں قرآن کے ساتھ ساتھ آپؐ کی سیرت، سنّت حدیث میزان تھی۔ یعنی حق و باطل کا معیار تھی۔ لیکن جنابِ رسولؐ خدا کے بعد قرآن و سنّت کی تشریح کے لیے بھی میزان یعنی حق و باطل کا معیار درکار ہے۔ اسی لیے رسولؐ خدا نے فرمایا تھا: "میں تم میں دو بہت زیادہ قیمتی چیزیں چھوڑے جارہا ہوں: (۱) خدا کی کتاب (۲) اور اپنی عترت (اولاد) اہلبیتؑ۔" (صحیح مسلم شریف۔ صواعق محرقہ)

اس لیے رسولؐ کے بعد قرآن کے ساتھ ساتھ، اہلبیتِ رسولؐ، حق اور باطل کی میزان

www.drhasanrizvi.com

(ترازو۔معیار) ہیں اور یہی دین کی صحیح ترین شرح کے مجاز Authority بھی ہیں اور رسولِ اکرمؐ کے بعد بہترین نمونۂ عمل بھی۔ اس لیے رسولِ خداؐ کے بعد "میزان" سے حقیقی مراد امامؑ ہے جو اہلبیتِ رسولؐ سے ہو۔

(تفسیر علی بن ابراہیم ۔ فصل الخطاب ۔ مجمع البیان)

"میزان" سے مراد اللہ کی شریعت بھی ہو سکتی ہے جو ترازو کی طرح تول کر، صحیح اور غلط، حق اور باطل، ظلم اور عدل کا فرق واضح کر دیتی ہے۔ کیونکہ رسولِ خداؐ سے خداوند عالم نے یہ بھی کہلوایا ہے کہ: "اُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَکُمْ۔" (یعنی) مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تمہارے درمیان عدل قائم کر دوں۔ گویا رسولؐ کی سیرت اور قرآن وہ ترازو ہے جس کے ذریعہ انصاف قائم کیا جائے گا۔

اور خدا کا یہ فرمانا کہ: "تمہیں کیا خبر کہ فیصلے کی گھڑی قریب ہی آ لگی ہو۔" یعنی اب جس کو سیدھا ہونا ہے وہ بلا تاخیر سیدھا ہو جائے۔ فیصلے کی گھڑی، یعنی موت کا وقت یا قیامت کو دُور سمجھ کر ٹالنا بہت زیادہ نقصان دہ ہو سکتا ہے۔ کیونکہ ایک سانس کے متعلق بھی آدمی یہ نہیں کہہ سکتا کہ دوسرے سانس کی مہلت مل جائے گی۔ ہر سانس آخری سانس ہو سکتی ہے۔

(تفہیم ۔ تفسیر کبیر)

ع "سامان سو برس کا ہے پل کی خبر نہیں"

انسان کی پوری عمارت ہوا پر کھڑی ہے۔ جو عمارت ہوا پر کھڑی ہو، اس کے بیٹھنے میں کیا دیر لگتی ہے۔ صرف ایک جھٹکے میں انسان اِدھر سے اُدھر ہو جاتا ہے۔ (مؤلف)

یَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِیْنَ (۱۸) اے وہ لوگو جو اس فیصلہ کے

www.drhasanrizvi.com

لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِہَا ۚ وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مُشۡفِقُوۡنَ مِنۡہَا ۙ وَ یَعۡلَمُوۡنَ اَنَّہَا الۡحَقُّ ؕ اَلَاۤ اِنَّ الَّذِیۡنَ یُمَارُوۡنَ فِی السَّاعَۃِ لَفِیۡ ضَلٰلٍۭ بَعِیۡدٍ ﴿۱۸﴾

وقت کے آنے کو مانتے ہی نہیں، وہ اُس کے لیے جلدی مچاتے ہیں۔ مگر جو اُس وقت کو دل سے مانتے ہیں، وہ اُس وقت سے ڈرتے رہتے ہیں (کیونکہ) وہ جانتے ہیں کہ یقیناً وہ وقت حق ہے (یعنی) حقیقتاً آنے والا ہے۔ اِس لیے خُوب جان لو کہ جو لوگ قیامت کے وقت کے آنے کے بارے میں شک میں ڈالنے والی بحثیں کرتے ہیں، وہ کھُلی ہوئی گمراہی میں بہت دُور نکل گئے ہیں۔

ایک شخص نے جناب رسولؐ خدا سے بلند آواز میں پوچھا: متی الساعۃ ؟ قیامت کب برپا ہوگی؟ آپؐ نے فرمایا: "قیامت تو آکر رہے گی۔ مگر تم نے اس کے لیے کیا تیاری کی ہے؟ اس نے شرما کر عرض کی۔ حب اللہ و رسولہ (یعنی) خدا اور رسولؐ کی محبت۔

www.drhasanrizvi.com

جنابِ رسولِ خدا نے فرمایا: "المرء مع من احب"۔ "ہر شخص اسی کے ساتھ ہو گا جس سے محبت کرتا ہو گا۔" (بخاری شریف)

دوسری روایت میں ہے کہ فرمایا: "انت مع من احببت۔" (یعنی "تُو اسی کے ساتھ ہو گا جس سے محبت کرتا ہو گا") ☼ (تفسیر مراغی۔ جلد ۲۵۔ تفسیر نمونہ)

اَللّٰهُ لَطِيفٌۢ بِعِبَادِهٖ (۱۹) اللہ تو اپنے بندوں پر بڑا
يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَ لطف و کرم کرنے والا مہربان
هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ⑲ ع ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے روزی ع ۲
عطا کرتا ہے (یا) جسے جو کچھ چاہتا ہے دیتا ہے۔ (کیونکہ) وہ قوت والا بھی ہے اور عزت والا بھی۔

محققین نے نتیجہ نکالا کہ رزق کی زیادتی یا کمی کا تعلق انتظامی امور سے ہے۔ اس کا حق اور باطل سے کوئی تعلق نہیں ہے ☼ (تفسیر ماجدی)

یہاں پر خداوند عالم نے خود اپنے لیے "لطیف" کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ جس کے معنی مہربان کے ہوتے ہیں۔ یعنی خدا اپنے بندوں پر بے حد مہربان ہے۔ اور دوسرے معنی اس لفظ کے یہ بھی ہوتے ہیں کہ خدا بے حد باریک بین بھی ہے۔ ہماری چھوٹی سے چھوٹی ضروریات پر بھی نگاہ رکھتا ہے

www.drhasanrizvi.com

پھر یہاں بندوں سے مراد صرف اہلِ ایمان نہیں ہیں بلکہ خدا تمام بندوں پر مہربان ہے۔

اب آیت کا مطلب یہ ہوا کہ خدا کے اسی لطفِ عام کا تقاضا یہ ہوا کہ اس نے ہر بندے کو نوازا۔ مگر اس کی عطاؤں میں یکسانیت نہیں ہے۔ کسی کو مال دیا تو کسی کو ہُنر۔ کسی کو عقل دی تو کسی کو حُسن۔ کسی کو ایک چیز زیادہ دی تو دوسرے کو دوسری چیز زیادہ دی۔ گویا خدا کے جلووں میں تکرار نہیں

پھر آخر میں خدا کا خود کو عزیز فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ خداوند عالم نے اپنی عطاؤں اور بخششوں کا نظام خود اپنی قوت کے بل پر قائم کر رکھا ہے۔ اس لیے کسی کا یہ بل بوتا نہیں ہے کہ اس کو بدل سکے یا خدا سے زبردستی کچھ لے سکے یا کسی کو دینے سے اسے روک سکے۔

☼ (تفسیر کبیر۔ تفہیم۔ مجمع البیان)

مَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ ۚ وَمَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ

(۲۰) اب جو کوئی آخرت کی کھیتی کو چاہتا ہے، تو ہم اُس کی کھیتی کو بڑھاتے ہیں اور جو دُنیا کی کھیتی چاہتا ہے، اُسے دُنیا ہی میں سے دے دیتے ہیں، مگر آخرت

www.drhasanrizvi.com

مِنۡ نَّصِيۡبٍ ﴿۲۰﴾ میں اُس کا کوئی حصہ نہیں ہوتا۔

خداوند عالم کا فرمانا کہ: "جو کوئی آخرت کی کھیتی چاہتا ہے تو ہم اس کی کھیتی کو بڑھاتے ہیں۔" یعنی ہم نیکی کا بدلہ کم سے کم دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک دیں گے۔ اور پھر اس سے بھی کہیں زیادہ عطا کریں گے۔ ☼ (تفسیر صافی)

امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا: "جو شخص صرف دنیوی فائدوں کے لیے کوئی کام کرتا ہے تو آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہ ہوگا۔ لیکن اگر کوئی شخص آخرت کے لیے کوئی کام کرتا ہے یا آخرت کو مدنظر رکھ کر کام کرتا ہے، تو اللہ دنیا اور آخرت دونوں میں اس کو بھلائیاں عطا فرمائے گا۔" ☼ (الکافی)

دنیا اور آخرت دونوں کے لیے کوشش کرنے والے کو کسان سے تشبیہ دی ہے۔ جو زمین کو تیار کرنے سے لے کر فصل کاٹنے تک مسلسل محنت کرتا رہتا ہے۔ اس کا واحد مقصد یہ ہوتا ہے کہ جو بیج بو رہا ہے اس کی فصل آئے اور اس کے پھل سے فائدے حاصل کرے۔ لیکن آخرت کی کھیتی بونے والے اور دنیا کی کھیتی بونے والے دونوں میں بڑا فرق ہے۔ اسی لیے دونوں کے ثمرات و نتائج بھی مختلف ہیں۔ اگرچہ دونوں کے کام کرنے کی جگہ یہی زمین ہے۔ آخرت کے لیے کام کرنے والے کی نیت آخرت کا نفع بھی ہے اور دنیا کا نفع بھی۔

آخرت کے لیے کام کرنے والے کے لیے خدا نے یہ نہیں فرمایا کہ اس کو دنیا کے فائدے نہیں

www.drhasanrizvi.com

ملیں گے۔ کیونکہ خدا کے لطفِ عام میں اس کا بھی حصہ ہے۔ اسی لیے رزق نیک بد سب کو مل رہا ہے۔ اس لیے آخرت کے لیے کام کرنے والے سے خدا یہ وعدہ فرما رہا ہے کہ اس کی آخرت کی کھیتی بڑھائی جائے گی کیونکہ وہ اسی کے لیے کام کر رہا ہے۔ آخرت کی کھیتی بڑھانے کا مطلب یہ ہے کہ :

۱ :- اس کو نیک عمل کی اور زیادہ توفیق عطا کی جائے گی۔

۲ :- اس کا سینہ نیکیوں کے لیے کھول دیا جائے گا۔

۳ :- کیونکہ وہ صرف پاک ذرائع سے روزی کمانا چاہے گا اس لیے اس کو پاک ذرائع ہی میں برکت دی جائے گی۔

۴ :- خدا اس کے لیے خیر کے اور دروازے کھولے گا اور شر کے دروازے اس پر بند کر دے گا۔

۵ :- دنیا کی تھوڑی سی نیکی پر اسے کئی کئی گنا بڑھا چڑھا کر اجر دیا جائے گا۔

رہا صرف دنیا کی کھیتی بونے والا تو کیونکہ وہ سب کچھ صرف دنیا ہی کے لیے کرتا ہے اس لیے:

۱ :- خواہ وہ کتنا ہی سر مارے اس کو جس قدر وہ چاہتا ہے اس قدر پوری پوری دنیا تو نہیں ملے گی مگر کچھ مل جائے گی۔ صرف اتنا حصہ ملے گا جتنا خدا نے اس کے لیے مقرر کر دیا ہے۔

۲ :- دوسرے یہ کہ اسے جو کچھ بھی ملنا ہے بس دنیا ہی میں ملے گا۔ آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہ ہوگا۔ اس لیے کہ اس نے آخرت کے لیے کچھ کام کیا ہی نہیں تھا۔

(تفسیر کبیر۔ مجمع البیان۔ تفہیم)

حرث یعنی کھیتی۔ یعنی زمین میں بیج ڈالنا۔ اور اس کو پانی وغیرہ دینا۔ مگر اس سے مراد کام کرنا ہوتا ہے۔

(مفردات امام راغب)

www.drhasanrizvi.com

یاد رہے کہ آخرت کے لیے کوششیں کرنے والوں کے لیے یہ نہیں فرمایا کہ وہ دنیا کی نعمتوں سے محروم کر دیے جائیں گے۔ ہاں جو آخرت کے لیے کام نہ کریں صرف دنیا کے لیے کام کریں ان کے لیے فرمایا کہ ان کو آخرت میں کوئی حصہ نہ ملے گا۔ (تفسیر نمونہ)

قرآن میں اس بات کو یوں بھی فرمایا گیا:

"جو شخص اس جلد گزر جانے والی زندگی ہی کا ارادہ کرتا ہے تو ہم جتنی مقدار جس شخص کے لیے چاہتے ہیں اسے دے دیتے ہیں۔ پھر اس کے لیے جہنم ہی جہنم ہے۔ اس میں وہ اس بُری طرح داخل ہوگا کہ قابلِ مذمت بھی ہوگا اور راندہ درگاہ بھی (یعنی ذلیل و خوار بھی ہوگا) مگر جو شخص آخرت کا طلب گار ہوگا اور اس کے لیے عملی کوششیں بھی کرے گا اور دل سے (خدا، رسولؐ، آخرت کو) مانتا بھی ہوگا تو اس کی کوششوں کی قدر کی جائے گی اور اس کو پورا پورا بدلہ بھی دیا جائے گا۔"

(سورۂ بنی اسرائیل ۱۷، ۱۸-۱۹، پ ۱۵)

کم سے کم بدلہ دس گنا دیا جائے گا۔ کیونکہ خدا فرماتا ہے: "مَنۡ جَآءَ بِالۡحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشۡرُ اَمۡثَالِهَا۔" "جو ایک نیکی لائے گا اس کے لیے (کم سے کم) اسی جیسی دس نیکیوں (کا ثواب) ہوگا۔ (سورہ الانعام ۶، آیت ۱۶۰، پ ۸) پھر مزید بھی فرمایا: "لِيُوَفِّيَهُمۡ اُجُوۡرَهُمۡ وَيَزِيۡدَهُمۡ مِّنۡ فَضۡلِهٖ۔" (یعنی) خدا ان کو بھر بھر کے جزا دے گا اور پھر اپنے فضل و کرم سے اس میں مزید اضافے بھی فرمائے گا۔"

(سورۂ فاطر ۳۵، ۳۰، پ ۲۲)

مزید فرمایا کہ: "خدا کی راہ میں خرچ کرنے والوں کا ہر ہر درہم ایک بیج کی طرح ہوگا۔

www.drhasanrizvi.com

جس سے سات سات بالیاں نکلیں گی اور ہر بالی میں سَو سَو دانے ہوں گے اور پھر اس سے بھی زیادہ دیا جائے گا ✲ (سورۂ بقرہ ۲۶۱، پ۳)

بُرے اعمال کا بُرا انجام

جنابِ رسولِ خداؐ نے فرمایا: "لوگوں کو مُنہ کے بل جہنّم میں جھونکے جانے کا سبب زبان کے بوئے کو کاٹنے کے سوا کیا ہو سکتا ہے؟"

✲ (حجۃ البیضار۔ جلد ۵)

حضرت علیؑ سے روایت ہے کہ: "مال، اولاد دنیا کی کھیتی ہیں۔ اور عملِ صالح آخرت کی کھیتی ہے۔ کبھی کبھی کچھ لوگوں کے لیے خداوندِ عالم دونوں چیزوں کو جمع کر دیا کرتا ہے۔"

✲ (الکافی۔ تفسیر نور الثقلین)

" ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ۔ " "یہ اللہ کی خاص مہربانی ہے جسے وہ چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔" (المائدہ ۵ - آیت ۵۴ پ) (الحدید ۵۷، آیت ۲۱) (الجمعہ ۶۲، آیت ۴ پ)

اس کے برعکس جنابِ رسولِ خداؐ نے فرمایا: "جو شخص صرف دنیا کمانے کی نیت رکھتا ہے خدا اس کے معاملات کو خراب کر کے الٹ پلٹ دیتا ہے۔ فقر و فاقہ کو اس کی نگاہوں کے سامنے مجسّم کیے رکھتا ہے اور دنیا میں سے اسے بس وہی دیتا ہے جو اس کے لیے مقرر کیا گیا ہے۔ مگر جس کی نیّت آخرت کی کامیابیاں حاصل کرنا ہوتا ہے خدا اس کی پریشانیوں اور خرابیوں کو دور کر دیتا ہے اسے تونگری اور بے نیازی عطا کرتا ہے اور دنیا ناک رگڑ کر اس کے پاس خود آتی ہے۔

✲ (تفسیر مجمع البیان)

"الدنیا مزرعة الآخرة۔" دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ (تفسیر نمونہ)

www.drhasanrizvi.com

أَمْ لَهُمْ شُرَكَٰٓؤُا۟ شَرَعُوا۟ لَهُم مِّنَ ٱلدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَنۢ بِهِ ٱللَّهُ ۚ وَلَوْلَا كَلِمَةُ ٱلْفَصْلِ لَقُضِىَ بَيْنَهُمْ ۗ وَإِنَّ ٱلظَّٰلِمِينَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٢١﴾

(۲۱) کیا اُن کے کچھ (خدا کے لیے بنائے ہوئے) شریک (مراد حکام، فلاسفر یا علماء) ایسے ہیں جنھوں نے اُن کے لیے دین میں کوئی ایسا طریقہ مقرر کیا ہو، جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی ہے؟ اگر فیصلے کی بات پہلے طے نہ ہوگئی ہوتی تو اُن کے درمیان فیصلہ کر دیا گیا ہوتا۔ حقیقت یہ ہے کہ ظالموں کے لیے بڑی تکلیف دینے والی سزا ہے۔

خداوند عالم کا فرمانا کہ: "اگر فیصلے کی بات پہلے طے نہ ہوگئی ہوتی تو ان کے درمیان فیصلہ کر دیا گیا ہوتا۔" اس فیصلے کی بات سے مراد فیصلہ کا دن، مراد قیامت کا دن ہے۔ (تفسیر جلالین)

مگر یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس ارشاد کے باوجود پچھلی قوموں پر عذاب آیا۔

www.drhasanrizvi.com

یہ اس لیے کہ ان کی مدّتِ عمل اور مہلت ختم ہو چکی تھی اور ان کے سنبھلنے اور اصلاح پانے کی کوئی توقع باقی نہ رہ گئی تھی۔

رہی یہ آخری امت، اس پر مجموعی عذاب اس لیے نہیں آتا کہ اللہ نے یہ فیصلے کی بات بھی پہلے فرمادی ہے کہ: "اللہ ایسا نہیں ہے کہ ان پر عذاب نازل کردے، باوجود اس کے کہ آپؐ ان میں موجود ہوں۔" ❋ (تفسیر مجمع البیان)

رہا یہ سوال کہ آج رسولؐ تو ظاہری طور پر ہمارے درمیان موجود نہیں ہیں۔ پھر مجموعی عذاب کیوں نہیں آتا؟ تو ماننا پڑے گا کہ رسولؐ کا کوئی ٹکڑا، وصی یا نمائندہ ضرور ہمارے درمیان موجود ہے، جس کا ہمارے درمیان موجود ہونا بالکل ایسا ہی ہے جیسا خود رسولؐ کا موجود ہونا۔ جس کی وجہ سے اور جس کے وجود کی برکت سے امتِ محمدیہ مجموعی عذاب سے محفوظ ہے۔

❋ (تفسیر فصل الخطاب۔ تفسیر علی ابن ابراہیم)

مجذوبِ فرنگی نے باندازِ فرنگی
مہدیؑ کے تخیّل سے کیا زندہ وطن کو
اے وہ کہ تو مہدیؑ کے تخیّل سے ہے بیزار
نومید نہ کر آہوئے مشکیں سے ختن کو (اقبالؔ)

اس کے فوراً بعد خداوندِ عالم کا یہ فرمانا کہ: "ظالموں کے لیے سخت تکلیف دینے والی سزا ہے۔" اس سے صاف صاف معلوم ہوگیا کہ ظالموں سے اوّلین مراد محمدؐ و آلِ محمدؐ (خاص طور پر) امامِ زمانہ کا انکار کرنے والے ہیں۔ ❋ (تفسیر علی ابن ابراہیم)

www.drhasanrizvi.com

جنہیں حقیر سمجھ کر ہٹا دیا تم نے
وہی چراغ جلیں گے تو روشنی ہوگی

"شرکا" سے مراد، جن کو لوگ خدا کا شریک سمجھتے ہیں۔ خاص طور پر وہ جابر، ظالم بادشاہ یا ان کے حمایتی علماء دین جنھیں خدا اور رسولؐ کا خلیفہ بنا کر شریک فی الحکم ٹھہرایا گیا۔ ان کا حکم خدا کا حکم، ان کی اطاعت، خدا کی اطاعت قرار دی گئی۔ ان کے پٹھو علماء دین کے اپنے بنائے ہوئے افکار و عقائد اور نظریات کو دین سمجھا گیا۔ یہ وہ دین ہے جو اللہ کی تشریع کے خلاف اور اس کی اجازت کے بغیر ایجاد کرنے والوں نے ایجاد کیا اور ماننے والوں نے مان لیا۔ یہی وہ شرک ہے۔ یعنی غیر اللہ کو سجدہ کرنا، غیر اللہ کی عبادت اور مطلق اطاعت کرنا۔ اور یہ ایسی سخت جسارت ہے کہ اگر آخری فیصلہ قیامت پر نہ اٹھا رکھا گیا ہوتا، تو دنیا کے ہر ہر شخص پر خدا کا عذاب نازل ہو جاتا۔ کیونکہ لوگوں نے خدا کے بھیجے ہوئے دین کو چھوڑ کر دوسروں کے بنائے ہوئے یا لوگوں کے بنائے ہوئے دین کو قبول کیا۔

خدا کا دین انبیاء کرامؑ کا پیغام اور خدا کی کتابیں ہیں۔ یا پھر انبیاء کرام کے اوصیاء کی تشریحات ہیں جن کو خود خدا نے نبی بنایا تھا یا انبیاء کا وصی مقرر کیا تھا۔ (مؤلف)

تَرَى الظّٰلِمِيۡنَ (۲۲) تم دیکھو گے کہ یہ ظالم
مُشۡفِقِيۡنَ مِمَّا اُسی سے ڈر رہے ہوں گے
كَسَبُوۡا وَهُوَ وَاقِعٌ جو انھوں نے کیا ہو گا

www.drhasanrizvi.com

بِهِمْ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ رَوْضٰتِ الْجَنّٰتِ ۚ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ﴿۲۲﴾

(کیونکہ) وہ اُن پر آ کر رہے گا (یا کیونکہ) اُنھیں اُس کا خمیازہ بھگتنا ہی پڑے گا۔ رہے وہ جنھوں نے ابدی حقیقتوں کو دل سے مانا اور (اُس کے نتیجے میں) اچھے اچھے کام بھی کیے، وہ جنّت کے گھنے، سرسبز وشاداب گلستانوں اور چمنستاں میں ہوں گے۔ اُن کے لیے اُن کے پالنے والے مالک کے پاس وہ کچھ ہوگا جو وہ چاہیں گے۔ یہی تو ہے (سب سے) بڑا فضل وکرم۔

محققین نے اس آیت سے نتیجے نکالے۔

ا:۔ آخرت میں جب حقائق سامنے آئیں گے تو ترتیب اُلٹ جائے گی۔ دنیا میں مومنین غمگین رہتے ہیں اور منکرینِ حق خوش دکھائی دیتے ہیں۔ لیکن وہاں مومنین کے چہروں پر اطمینان اور

www.drhasanrizvi.com

خوشی ہوگی۔ اور منکروں، ظالموں، فاسقوں، فاجروں کے منہ پر ہوائیاں اُڑ رہی ہوں گی۔

(فصل الخطاب۔ تفسیر ماجدی)

۲:۔ امام رازی نے نتیجہ نکالا کہ جنت کے انعامات لامتناہی ہوں گے کیونکہ انسان کی خواہشات بھی لامحدود ہوتی ہیں۔ اس لیے وہاں خدا کی عطائیں بھی لامحدود ہوں گی۔ اس لیے وہاں انسان مکمل طور پر تسکین پائے گا۔

(تفسیر کبیر)

۲:۔ عرفاء نے نتیجہ نکالا کہ جنت میں جو کچھ بھی حاصل ہوگا، فقط بطریق استحقاق ہی نہ ہوگا بلکہ زیادہ تر خداوند عالم کے فضل و کرم کے سبب ہوگا۔

(تفسیر کبیر۔ مجمع البیان۔ روح البیان)

؎ جو کچھ ہوا ہوا کرم سے تیرے جو کچھ ہوگا ترے کرم سے ہوگا

ذٰلِکَ الَّذِیۡ یُبَشِّرُ	(۲۳) یہی تو وہ چیز ہے جس کی
اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِیۡنَ	خوشخبری اللہ اپنے اُن
اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ	بندوں کو دیتا ہے جو ابدی
قُلۡ لَّاۤ اَسۡـَٔلُکُمۡ عَلَیۡهِ	حقیقتوں کو دل سے مانتے ہیں
اَجۡرًا اِلَّا الۡمَوَدَّۃَ فِی	اور (اس کے نتیجے میں) اچھے
الۡقُرۡبٰی ؕ وَمَنۡ یَّقۡتَرِفۡ	اچھے کام کرتے ہیں۔ (اے نبیؐ)

www.drhasanrizvi.com

حَسَنَةً نَّزِدْ لَهُ فِيهَا حُسْنًا ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ شَكُورٌ ﴿۲۳﴾

آپؐ اِن لوگوں سے کہہ دیجیے کہ میں اِس کام پر تم سے کسی اجر یا معاوضہ کا سوال نہیں کرتا، سوائے اس کے کہ میرے قرابتداروں سے محبّت کرو۔ اب جو کوئی بھی یہ نیکی کمائے گا ہم اُسے اُس میں اور زیادہ بھلائی اور خوبی کا اضافہ کردیں گے (کیونکہ) یہ حقیقت ہے کہ خدا بڑا معاف کرنے والا، اپنی رحمت سے ڈھک لینے والا اور (اس عمل کا) قدردان ہے۔

"قربیٰ" کے معنی

اِس آیت میں سب سے اہم مسئلہ یہ ہے کہ "قربیٰ" کے معنی کیا ہیں؟ کیونکہ خدا نے رسولؐ سے یہ کہلوایا ہے کہ: میں تم سے اجرِ رسالت کچھ نہیں مانگتا سوا اس کے کہ "قربیٰ" سے محبت کرو۔" ——— تمام مفسرین نے "قربیٰ" کے تین معنی لکھے ہیں:

۱:- قریش سے رشتہ داری۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اے قریشِ مکہ! میں تم سے اپنی رسالت کے کام پر کوئی اجرت نہیں مانگتا۔ سوا اس کے کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ تم سے کم تم مجھ سے

www.drhasanrizvi.com

اپنی رشتہ داری کا تو خیال کرو (اور مجھے نہ ستاؤ) (تفہیم۔ تفسیر کبیر بحوالہ بخاری۔ مسلم۔ ترمذی، ابن جریر۔ طبرانی)

سبحان اللہ! کیا لاجواب تفسیر ہے کہ رسولؐ خدا اپنی رسالت اور پیغام توحید کے پہنچانے کی اجرت مشرکین قریش سے طلب فرما رہے ہیں۔ جو قریش رسولؐ کو رسول ماننے ہی کو تیار نہیں ہیں ان سے رسالت کی اجرت طلب کی جا رہی ہے۔ یہ ایسا ہی ہے کہ جیسے کوئی مسلمان مسجد بنا کر یہودیوں سے اس کی اجرت طلب کرے۔ یا کوئی ہندو مندر بنا کر مولویوں سے اس کی اجرت طلب کرے۔ اہلبیتؑ رسولؐ کی دشمنی میں بادشاہوں کے ایجنٹ مفسرین کس قدر عقل دشمنی پر اتر آئے ہیں۔

۲:۔ "قربیٰ" کے لفظ کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ قربیٰ سے مراد رسولؐ کے رشتہ دار نہیں ہیں بلکہ خدا کا قرب مراد ہے۔ یعنی رسولؐ کہہ دو کہ میں تم سے اپنی رسالت کا کوئی اجر نہیں مانگتا مگر یہ کہ میں تمہارا خدا سے قرب چاہتا ہوں۔ (تفسیر کبیر۔ تفہیم بحوالہ حسن بصری۔ طبرانی)

یہ تفسیر عربی اصول و قواعد کے لحاظ سے غلط ہے۔ عربی قواعد کے اعتبار سے قربیٰ سے مراد خدا کا قرب لینا قربیٰ کے لفظ کا ساتھ ہی نہیں دیتا۔ یہ کھلی ہوئی زبردستی ہے۔ خود قرآن میں سولہ جگہ قربیٰ کا لفظ استعمال ہوا ہے اور کہیں بھی اس کے معنیٰ قرب خداوندی کے نہیں لیے جا سکتے۔ دوسرے یہ آیت کے تمام مخاطبین تو کیا کفار و مشرکین تک خدا کا قرب چاہتے تھے، پھر رسولؐ کا یہ فرمانا بے معنیٰ ہو جاتا ہے۔ پھر یہ کہ خدا کا قرب رسولؐ کی اجرت کیسے ہو سکتا ہے؟

آیت کی تیسری تفسیر

مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں میں تم سے اس کار رسالت پر کوئی

www.drhasanrizvi.com

اجر اس کے سوا نہیں چاہتا کہ تم میرے قریبی رشتہ داروں سے محبت کرو۔"

☼ (تفسیر کبیر۔ تفہیم بقول ابن عباسؓ و امام علیؑ ابن الحسین زین العابدین)

وہابی علماء اور خاص کر مولانا مودودی صاحب کا اس تفسیرِ اہلبیتؑ پر اعتراض

تمام وہابی علماء کی طرح مولانا مودودی صاحب بھی اس تیسری تفسیر کے سخت مخالف ہیں۔ ان کا اصل اعتراض یہ ہے کہ یہ بات رسولؐ خدا کے شایانِ شان نہیں ہے کہ وہ اتنے بلند مرتبہ پر پہنچ کر اپنے رشتہ داروں کی محبت کو بطور اجر رسالت طلب کریں۔

اس کا پہلا جواب یہ ہے کہ یہاں پر رسولِ خدا اجر رسالت طلب ہی نہیں کر رہے ہیں بلکہ خدا طلب کروا رہا ہے۔

دوسرا جواب خود خدا نے قرآن میں دیا ہے کہ: "قُلْ مَا سَأَلْتُكُمْ مِنْ أَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ۔" (یعنی) جو اجر میں تم سے مانگ رہا ہوں وہ خود تمھارے ہی فائدے کے لیے مانگ رہا ہوں۔" یہ دنیا کا انوکھا نرالا unique اجر ہے کہ جو لینے والے کے لیے نہیں بلکہ اجر دینے والے کے فائدہ کے لیے مانگا جا رہا ہے۔ اس لیے اس کو طلب کرنا رسولؐ کی کسر شان نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ ہمارے ہی فائدے کے لیے یہ اجر مانگ رہے ہیں۔ اور ہمارا فائدہ اسی آیت میں بتا دیا گیا کہ: مَنْ يَقْتَرِفْ حَسَنَةً ...... " (یعنی) "جو اس نیکی کو کمائے گا خدا اس کے حسنات میں خود اضافہ فرمائے گا۔" ا:۔ یعنی اس کے حسنات کے پلّے کو ہلکا نہ ہونے دے گا بلکہ خود حسنات کو بڑھا کر وزنی کر دے گا۔ ۲:۔ پھر دوسرا فائدہ یہ بتلایا کہ فرمایا: اَللّٰہَ غَفُوْرٌ شَکُوْرٌ۔"

www.drhasanrizvi.com

اللہ بڑا معاف کرنے والا ہے۔ ۳:۔ اور قدر کرنے والا ہے۔ یعنی رسولؐ کے قریبی رشتہ داروں کی محبت کی وجہ سے خدا تمھارے گناہ بھی معاف فرمائے گا اور تمھارے ناقص اچھے اعمال کی بھی قدر فرمائے گا۔ یعنی اگرچہ وہ قابل قبول نہ ہوں گے مگر اس محبت کی وجہ سے خدا ان کو قبول فرمائے گا۔

انسان کے سب سے بڑے دوٗ مسائل ہیں ۱:۔ گناہوں کا بوجھ۔ جو اس محبت کی وجہ سے معاف ہوئے۔ ۲:۔ دوسرے ناقص اچھے اعمال جو قابل قبول نہ تھے مگر اسی محبت کی وجہ سے قبول ہوں گے (انشاء اللہ) (مؤلف)

خداوند عالم کا رسولؐ خدا سے یہ کہلوانا کہ "میرے قرابتداروں سے محبت کرو۔" یعنی میری عترت اور اہل بیتؑ سے محبت کرو۔ اور ان کے بارے میں میرے احکامات کا خیال رکھو۔ (تفسیر صافی)

حضرت امام محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ فرمایا: "یہ حکم رسولؐ خدا کے اہل بیتؑ کے بارے میں ایک فریضہ ہے۔" ⁂ (تفسیر صافی بحوالہ المحاسن)

امام محمد باقرؑ نے فرمایا: "یہ آیت صرف ہم اہلبیتؑ رسولؐ کے بارے میں (یعنی ائمۂ اہلبیتؑ کے بارے میں) اور خاص طور پر علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ یعنی اصحاب کساء کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔" ⁂ (الکافی)

امام حسنؑ نے اپنے خطبہ خلافت میں فرمایا: "میں ان اہلبیتؑ رسولؐ میں سے ہوں جن کی محبت اللہ نے ہر مسلمان پر فرض کی ہے۔" پھر آپؑ نے اسی آیت کو تلاوت فرمایا پھر فرمایا: "نیکی کے کمانے سے (آدلین) مراد ہم اہلبیتؑ رسولؐ سے محبت کرنا ہے۔" (تفسیر صافی۔ تفسیر مجمع البیان)

www.drhasanrizvi.com

محبّت کا ثبوت اور اوّلین تقاضا

یاد رہے کہ محبّت کرنے کا لازمی فطری تقاضا اطاعت اور پیروی کرنا ہوتا ہے۔ صرف محبت کا دعویٰ کرنا محبت کرنا نہیں ہوتا۔ جیسا کہ خود خدا نے فرمایا: "قُلۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوۡنِیۡ" "اے رسولؐ آپ کہہ دیجیے کہ اگر تم خدا سے محبّت کرتے ہو تو میری پیروی کرو۔" ❊ (پ۳۔ سورہ آلِ عمران ۳، آیت ۳۱)

اکابرینِ اہلسنّت نے بھی قربیٰ سے مُراد اہلبیتؑ رسولؐ لیا ہے

یعنی آلِ محمدؐ کو "قربیٰ" سمجھا ہے

❊ (بقول سعید ابن جبیرؓ، عمر بن شبیب، عبداللہ ابن عباسؓ۔ از تفسیر کبیر۔ امام رازی)

ایک اور اعتراض

یہاں یہ کہنا کہ مراد رسولؐ کے رشتہ دار نہیں ہیں بلکہ ہمارے اپنے رشتہ دار مراد ہیں۔ تو یہ متن کے بھی خلاف ہے اور عقل کے بھی۔

۱: پہلی بات تو یہ کہ آیت میں رسولؐ سے کہلوایا جا رہا ہے۔ گویا متکلّم رسولؐ ہیں۔ اگر متکلّم کسی کی طرف نسبت نہ دے تو ہمیشہ مراد متکلّم ہی ہوتا ہے۔ مثلاً کوئی کہے: "پانی پلاؤ۔" تو مراد یہی ہوگا کہ اس کو خود پانی کی ضرورت ہے۔ کیونکہ اس نے کسی کی طرف نسبت نہیں دی۔ اسی طرح یہاں متکلّم رسولؐ ہیں تو قرابت دار بھی رسولؐ ہی کے مراد ہو سکتے ہیں۔

۲:۔ دوسرے رسولؐ کی اجر رسالت کا سوال کیا جا رہا ہے۔ تو رسولؐ کی رسالت اور محنت کی اُجرت مانگنے پر یہ جواب دلوایا جا رہا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ مراد رسولؐ ہی کے قرابت دار ہو سکتے ہیں ہمارے قرابت دار مراد نہیں ہو سکتے۔

www.drhasanrizvi.com

۲:- رہا یہ کہنا کہ یہ خطاب کفّارِ قریش سے تھا کہ میرے قرابتداروں سے محبّت کرو۔ یہ تفسیر عقل دشمنی کی انتہا ہے۔ جو کفّار محمد مصطفیٰؐ کی رسالت ہی کو نہیں مانتے وہ بھلا ان کی رسالت کا اجر کیوں ادا کریں گے؟ اور ان سے خدا کا کہنا کہ وہ اجرِ رسالت ادا کریں کس قدر عقل سے بعید ہے؟ ان سے اجرِ رسالت کا سوال کس قدر بے معنی بات ہے؟ پھر اسی آیت میں اس محبّت قربیٰ کو "حسنہ" یعنی "نیکی" قرار دیا گیا ہے۔ بھلا کافروں کا عمل نیکی کیسے ہو سکتا ہے؟ پھر اس پر مغفرت اور خدا کی قدر دانی کا وعدہ بھی فرمایا گیا ہے۔ بھلا کافروں سے یہ وعدے کیسے ممکن ہیں؟ "کجا ئی نمائی کجا ئی زنی۔" مشرکوں سے پیغامِ توحید پہنچانے کی اجرت مانگنا کس قدر مضحکہ خیز ہے؟

امام شافعی نے فرمایا ۔ لوکان حب اٰل محمد رفضًا
فلیشھد الثقلین انی رافضًا

(یعنی) اگر آلِ محمدؐ کی محبّت رفض ہے (دین سے پھر جانا ہے) تو پوری کائنات گواہ رہے کہ میں رافضی ہوں۔ ※ (تفسیر کبیر۔ امام رازی)

امام رازی نے لکھا کہ جب مسلمانوں اور مومنین کی ایک دوسرے سے محبّت آیات و احادیث کی رو سے واجب ہے تو اُمّت کے اشرف ترین افراد کے ساتھ محبت کیوں نہ واجب ہو گی۔
※ (تفسیر کبیر۔ امام رازی۔ جلد ۲۷۔ صفحہ ۱۶۶)

آیت کو آلِ محمدؐ سے ہٹانے کے لیے

شاہی، درباری علماء نے بڑی غضب کی چالیں چلی ہیں۔ ایک چال یہ چلی کہ "قربیٰ" سے مراد خدا کا قرب ہے۔ قرآن میں قربیٰ تقریباً سولہ (۱۶) جگہ استعمال ہوا ہے۔ کسی ایک جگہ بھی قربیٰ سے مراد "خدا کا قرب" نہیں ہے۔ ہر جگہ رشتہ داری میں یہ لفظ

www.drhasanrizvi.com

"قریبی رشتہ داروں" کے لیے ہی استعمال ہوا ہے۔ پھر یہ مطلب احادیث رسولؐ کے قطعاً خلاف ہے۔

سُنی کتب سے احادیث رسولؐ، سُنی ذرلیعہ سے

احمد نے "فضائل صحابہ" میں اپنی پوری اسناد کے ساتھ سعید ابن جبیرؓ سے نقل کیا ہے کہ جب یہ آیت اُتری تو صحابۂ کرام نے جناب رسول خدا سے پوچھا: "آپؐ کے نزدیکی "قربیٰ" کون لوگ ہیں، جن کی مودۃ ہم پر واجب کی گئی ہے؟" آپؐ نے فرمایا: "وہ علیؑ، فاطمہؑ اور ان کے دو بیٹے ہیں۔" یہ بات آپؐ نے تین مرتبہ فرمائی۔

☼ (تفسیر قرطبی، جلد ۸۔ تفسیر کبیر امام رازی۔ احقاق الحق جلد ۳)

حضرت امام حسنؑ سے روایت ہے کہ آپؑ نے فرمایا: "میں اسی خاندان سے ہوں جس کی مودت ہر مسلمان پر فرض کر دی گئی ہے اور نیکی کمانے سے مراد ہم اہلبیتؑ کی محبت ہے۔"

☼ (مستدرک الصحیحین۔ جلد ۲، ص۱۷۲)

محب الدین طبری نے "ذخائر العقبیٰ" کے صفحہ ۱۳۷، ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ ص۱۰۱ میں لکھا ہے کہ رسولؐ کے قرابتدار "قربیٰ" سے مراد، رسولؐ کے نزدیکی رشتہ دار ہیں۔"

☼ (تفسیر طبری۔ جلد ۲۵، ص۱۷)

جناب رسولؐ خدا نے فرمایا: "میرے حق کی حفاظت اس طرح کرو کہ میرے اہلبیتؑ کی حفاظت کرو اور میری وجہ سے ان سے محبت کرو۔ ☼ (تفسیر در منثور۔ جلد ۶، ص۷)

جناب رسولؐ خدا نے فرمایا: "خدا نے تمام انبیاء کرامؑ کو مختلف درختوں (شجروں) سے پیدا کیا لیکن مجھے اور علیؑ کو ایک ہی درخت سے پیدا کیا۔ اس درخت کی جڑ میں ہوں۔ علیؑ اس کی شاخ ہیں فاطمہؑ اس درخت کی افزائش کا ذریعہ ہیں، حسنؑ و حسینؑ اس کے میوے ہیں اور ہمارے شیعہ

www.drhasanrizvi.com

رمانتے، محبت کرنے والے اور پیروی کرنے والے) اس کے پتے ہیں۔ اگر کوئی شخص صفا اور مروہ کے درمیان ہزار سال تک خدا کی عبادت کرے۔ پھر ہزار سال اور عبادت کرے یہاں تک کہ سوکھ کر پرانی مشک بن جائے لیکن اگر ہماری محبت اس کے دل میں نہ ہو تو خدا اسے منہ کے بل جہنّم میں جھونک دے گا۔ پھر آپؐ نے یہی آیۂ مودۃ پڑھی۔ ☼ (حاکم جسکانی۔ کتاب شواہد التنزیل، مجمع البیان)

سیوطی نے تفسیر درمنثور میں اور ابن جریر نے ابی ویلم سے نقل کیا ہے کہ:

"جب علیؑ ابن الحسینؑ زین العابدینؑ کو قید کر کے دمشق کے دروازے پر لایا گیا تو اہلِ شام میں سے ایک نے کہا۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے تمھیں قتل کیا اور تمھاری جڑ بنیاد کاٹ کر رکھ دی۔ امام سجاد زین العابدینؑ نے اس سے پوچھا: تو نے قرآن پڑھا ہے۔؟ اس نے کہا۔ ہاں! ۔ امام نے یہی آیت پڑھی اس نے کہا۔ کیا "قربیٰ" آپ ہی لوگ ہیں؟ فرمایا۔ جی ہاں!" (تفسیر درمنثور۔ ابن جریر)

اکابر ترین سنّی محدّثین و مفسّرین نے بھی اس حدیث کو لکھا ہے کہ جناب رسولؐ خدا نے فرمایا:

"جو شخص آلِ محمدؐ کی محبت پر مرا وہ شہید مرا۔

خبردار جو شخص آلِ محمدؐ کی محبت کے ساتھ مرا۔ اس کے گناہ بخش دیئے گئے۔

خبردار جو شخص آلِ محمدؐ کی محبت کے ساتھ مرا وہ تائب مرا۔

خبردار جو شخص آلِ محمدؐ کی محبت کے ساتھ مرا وہ کامل الایمان مرا۔

خبردار جو شخص آلِ محمدؐ کی محبت کے ساتھ مرا موت کے فرشتے اسے جنت کی خوشخبری دیں گے۔

خبردار جو شخص آلِ محمدؐ کی محبت کے ساتھ مرا منکر نکیر اسے جنت کی خوشخبری دیں گے۔

www.drhasanrizvi.com

جو شخص آلِ محمدؐ کی محبت پر مرا اسے یوں سجا بنا کر احترام کے ساتھ جنت لے جایا جائے گا جیسے دلہن کو دولہا کے گھر لے جایا جاتا ہے۔

خبردار جو آلِ محمدؐ کی محبت پر مرا خدا اس کی قبر کو ملائکۂ رحمت کی زیارت گاہ بنا دیتا ہے۔

خبردار جو آلِ محمدؐ کی محبت پر مرا وہ اہل سنت والجماعت اور اسلام کی سنت پر مرا۔

خبردار جو آلِ محمدؐ کی دشمنی پر مرا اس کی پیشانی پر قیامت کے دن لکھا ہوا ہوگا کہ یہ رحمت خدا سے مایوس ہے۔

جو شخص آل محمدؐ کی دشمنی پر مرا وہ کافر ہو کر مرا۔

جو شخص آل محمدؐ کی دشمنی پر مرا وہ جنت کی خوشبو تک نہ سونگھے گا۔"

٭ (تفسیر کشاف زمخشری ۔جلد ۳۔ ص ۶۳ مطبوعہ مصر ۔جلد ۴ ص ۲۲۱ ، ص ۲۲۰ ۔تفسیر کبیر امام رازی جلد ۲۷ ص ۱۶۵ ۔تفسیر قرطبی جلد ۸ ص ۵۸۴۳ ۔تفسیر ثعالبی ۔المراجعات ۔خط ۱۹ ، مسند احمد بن حنبل ۔تفسیر درمنثور سیوطی)

یاد رہے کہ محبت کرنا کوئی عام چیز نہیں ہوتی ۔جناب رسولِؐ خدا سے ایک شخص نے پوچھا: قیامت کب آئے گی۔؟ فرمایا: تو نے اس کے لیے کیا تیار کیا ہے؟ عرض کی: اللہ اور اس کے رسولؐ کی محبت کے سوا میرے پاس کچھ نہیں۔ جناب رسولؐ خدا نے فرمایا: "المرء مع من احب۔" "ہر شخص قیامت کے دن اس کے ساتھ ہوگا جس سے محبت کرتا ہوگا۔" ٭ (بخاری شریف)

اب جن افراد کو خود خدا نے رسولؐ کے ساتھ محبت کا مرکز بنایا اور ان کی محبت کو اجرِ رسالت قرار دیا۔ وہ اگر اجزائے رسالت نہ ہوں گے تو کون ہوں گے؟ ان کی محبت رسولؐ کی

www.drhasanrizvi.com

محبت کے ہم پلہ نہ ہوتی تو رسالت کا اجر قرار نہیں دی جاسکتی تھی ⁂ (تفسیر نمونہ)

مشہور سنی صوفی مفسر صاحب روح المعانی امام موسیٰ نے لکھا:

"سچی بات تو یہ ہے کہ جناب رسول خدا کے قرابت داروں کی محبت رسولؐ خدا کے رشتہ دار، قرابت دار ہونے کی وجہ سے واجب ہے۔ اب قرابت جتنی زیادہ قوی ہوگی اسی قدر ان کی محبت بھی زیادہ واجب ہوگی جب کہ بعض لوگ اس بارے میں سُستی سے کام لیتے ہیں حتیٰ کہ اقربار رسول کی محبت کو ایک قسم کی رافضیت سمجھتے ہیں۔ لیکن میں ایسا نہیں کہتا۔ بلکہ میں وہی کچھ کہتا ہوں جو امام شافعی نے اپنے اشعار میں کہا ہے۔ ؎

ان کان رفضا حبّ اٰل محمدؐ فلیشھد الثقلین انی رافضًا

(یعنی) اگر آلِ محمدؐ کی محبت رفض (دین سے پھر جانا) ہے۔ تو زمین آسمان گواہ رہیں کہ میں رافضی ہوں۔

⁂ (تفسیر کبیر۔ امام رازی۔ تفسیر روح المعانی۔ جلد ۲۵۔ ص۳۲)

امام فخر الدین رازی اور صاحب تفسیر روح المعانی امام موسیٰ دونوں نے آخر میں جناب رسولؐ خدا کی یہ حدیث لکھی کہ جناب رسولِ خدا نے فرمایا:

"مثل اھلبیتی کمثل سفینۃ النوح من رکبھا نجیٰ"

(یعنی) "میرے اہلبیت کی مثال نوحؑ کی کشتی کی سی ہے جو اس پر سوار ہوا اس نے نجات پائی۔"

پھر مزید یہ بھی لکھا کہ "مگر جناب رسولؐ خدا نے یہ بھی فرمایا ہے کہ: "اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم۔" (یعنی) "میرے اصحاب ستاروں کی مانند ہیں۔ ان میں سے جس کی بھی تم پیروی کروگے۔ ہدایت پاؤگے۔" پھر لکھا کہ: جسے سمندر عبور

www.drhasanrizvi.com

کرنا ہوتا ہے اسے دو چیزیں درکار ہوتی ہیں۔ ۱:۔ کشتی۔ ۲:۔ ستارے۔ اسی لیے اہلسنت، آلِ محمدؐ کی محبت کی کشتی پر سوار ہو کر ستاروں یعنی اصحاب پر اپنی نگاہیں جمائے رکھتے ہیں۔ اس لیے امید ہے کہ خدا انھیں آخرت میں نجات سعادت سلامتی عطا فرمائے گا۔"

(تفسیر فخر الدین رازی۔ تفسیر کبیر جلد ۲۷۔ ص۱۶۷)

شاعرانہ استدلال کا جائزہ

یہ شاعرانہ استدلال بظاہر بڑا دل کش اور خوبصورت ضرور ہے مگر افسوس کہ یہاں پر فٹ نہیں آتا۔ اس لیے کہ:

۱:۔ جس وقت حضرت نوحؑ کی کشتی چل رہی تھی آسمان پر بادل برس رہے تھے۔ پھر بھلا وہاں ستاروں سے راستہ معلوم کرنے کا سوال کہاں تھا۔

۲:۔ دوسرے یہ کہ خدا نے حضرت نوحؑ کی کشتی کے بارے میں فرمایا: بِسۡمِ اللّٰہِ مَجۡرٖىہَا وَ مُرۡسٰىہَا۔" (یعنی) اللہ کے نام کی مدد سے وہ چل رہی تھی اور رک رہی تھی۔"

(ہود ع۱، آیت ع۴۱، پ۱۲ - (تفسیر نمونہ)

۳:۔ تیسرے یہ کہ خود اہلسنت کے ہاں یہ روایت ہے کہ جناب رسولؐ خدا نے فرمایا:

"ستارے زمین والوں کے لیے امان ہیں غرق ہونے سے بچانے کے لیے۔ اور میرے اہلبیتؑ میری امت کے لیے امان ہیں۔ دین میں اختلاف سے امان کے لیے۔ (بچانے کے لیے)"

(مستدرک حاکم۔ جلد ۳)

پھر حاکم لکھتے ہیں: "ھذا حدیث صحیح الاسناد۔" (یعنی یہ حدیث بالکل صحیح الاسناد ہے۔ مگر بخاری، مسلم نے اسے نہیں لکھا)

www.drhasanrizvi.com

۴:۔ تاریخ گواہ ہے کہ ائمہ اہلبیتؑ نے کبھی کسی صحابی سے کسی قسم کی رہنمائی حاصل نہیں کی۔
بلکہ اصحاب نے ان سے علم و ہدایت حاصل کیا۔

اقترافِ حسنہ "نیکی کمانا" حضرت ابن عباس اور عظیم سُنّی مفسّر سدی نے لکھا کہ نیکی کمانے سے اصل مراد آلِ محمدؐ کی مودّت ہے۔

٭ (تفسیر قرطبی۔ تفسیر صافی۔ تفسیر مجمع البیان)

امام حسنؑ نے فرمایا: "نیکی کمانے سے اصل مراد ہم اہلبیتؑ کی محبت ہے۔" (تفسیر نمونہ)

(نوٹ) مگر اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ حسنہ کے صرف یہی معنی ہیں۔ اس میں اور تمام نیکیاں بھی شامل ہیں مگر کیونکہ حکم مودّت کے فوراً بعد یہ لفظ حسنہ خداوند عالم نے استعمال فرمایا ہے اس لیے حسنہ کا اولین اور واضح ترین مصداق محبت آلِ محمدؐ ہے۔ ٭ (تفسیر نمونہ۔ مجمع البیان)

ابن عباس سے روایت ہے۔ حسنہ نیکی سے اصل مراد آلِ محمدؐ کی دوستی ہے۔

٭ (تفسیر کشاف زمخشری جلد ۳۔ مطبوعہ مصر)

حضرت عمرؓ نے فرمایا: "قربیٰ" سے مرادِ اہل بیتؑ رسولؐ ہیں جن میں خاص لوگ علیؑ و فاطمہؑ حسنؑ و حسینؑ ہیں۔" ٭ (تفسیر کشاف، صحیح مسلم، مسند احمد ابن حنبل، تفسیر در منثور)

اللہ نے ان کی محبت اس لیے واجب کی کہ ان کی اطاعت آسان ہو جائے کیونکہ ان کا کردار ہر عیب سے پاک تھا مطابق آیۂ تطہیر۔ ٭ (آغا پویا)

اصل نیکی کیا ہے؟ امام محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ نیکی کمانے سے (من یقترف

www.drhasanrizvi.com

حَسَنَۃً جو یہ نیکی کمائے گا) مراد :

۱ :- "ہم اہل بیتِ رسولؐ کی محبت اور ولایت (سرپرستی) کو دل سے قبول کرلینا ہے ۔ اور

۲ :- ہماری بیان کی ہوئی احادیثِ (رسولؐ) کو صحیح طریقے سے دوسروں تک پہنچانا ہے ۔ اور

۳ :- ہمارے بارے میں جھوٹ نہ بولنا ہے (یعنی) ہماری طرف جھوٹی گھڑی ہوئی روایات کو نسبت نہ دینا ہے ۔" ❊ (الکافی)

اس آیت میں "حسنہ" کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ یعنی "جو نیکی کمائے گا ہم خود اس کی نیکیوں میں اضافہ کریں گے۔" نیکی (حسنہ) مطلق ہے ۔ ہر نیکی مراد ہے لیکن کیونکہ مودتِ آل کا حکم دینے کے فوراً بعد حسنہ (نیکی) کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ اس سے معلوم ہوا :

۱ :- حسنہ اولین معنی میں آلِ محمدؐ کی محبت ہے ۔

۲ :- کوئی نیکی اس وقت تک نیکی (حسنہ) نہیں کہلائی جاسکتی جب تک اسے آلِ محمدؐ کی محبت کے ساتھ نہ ادا کیا جائے۔

۳ :- کوئی نیکی (حسنہ) آلِ محمدؐ کی محبت کے بغیر قبول نہیں ہوتی۔ جیسا کہ احادیث رسولؐ سے ثابت ہے۔

۴ :- تمام نیکیوں کی جڑ بنیاد آلِ محمدؐ کی محبت ہے۔ اس لیے کہ جس قدر آلِ محمدؐ سے ہمی محبت ہوگی اسی قدر ہم ان کی پیروی کریں گے۔

۵ :- نیکی کا وزن آلِ محمدؐ کی محبت کی وجہ سے بہت بڑھ جاتا ہے۔ جیسا کہ اسی آیت کے آخر میں فرمایا : "وَاللّٰہُ غَفُوۡرٌ شَکُوۡرٌ" (یعنی) اور اللہ گناہ معاف کرنے والا ہے اور (نیکیوں کی) قدر کرنے والا ہے ۔ خدا کے قدر کرنے والے ہونے کی وجہ سے ناقص

www.drhasanrizvi.com

نیکیاں بھی آلِ محمدؐ کی محبت کی وجہ سے قبول ہو جائیں گی (انشاءاللہ)

کفن میں ہے مرے کربل کی مٹی مسافر بے سروساماں نہیں ہے
(مؤلف)

ایک آخری اعتراض کا جواب

تفسیر اہلبیت پر تمام وہابی علماء اور مولانا مودودی صاحب نے یہ اعتراض بھی کیا ہے کہ یہ سورہ شوریٰ مکی سورہ ہے اور مکہ میں علیؑ اور فاطمہؑ کی شادی ہی نہیں ہوئی تھی اس لیے اس آیت کے مصداق حسنؑ و حسینؑ اور اولادِ حسینؑ کیسے ہو سکتے ہیں؟ جواباً عرض ہے کہ:

۱:۔ ماہرین کے نزدیک پورا سورہ شوریٰ تو مکی ہے مگر یہ چند آیات مدنی ہیں۔ اس لیے کہ شانِ نزول ہی یہ ہے کہ انصارِ مدینہ نے آکر رسولِ خدا سے یہ فرمائش کی تھی کہ ہم آپؐ کی کیا مالی خدمت کر سکتے ہیں؟ اس لیے کہ وفود اور مہمانوں پر آپؐ کو کافی خرچ کرنا پڑتا ہے۔ اس کے جواب میں یہ آیت اتری۔

۲:۔ لیکن اگر یہ مان لیا جائے کہ یہ آیۂ مودت مکہ میں اتری تھی اور اس وقت علیؑ و فاطمہؑ کی شادی نہیں ہوئی تھی تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟ اس لیے کہ "قربیٰ" کے اولین مصداق علیؑ و فاطمہؑ تو موجود تھے۔ حسنؑ و حسینؑ بعد میں اس کے مصداق بن گئے۔ مثلاً جتنی آیتیں مومنین، مجاہدین، شہداء، صدیقین اور صالحین کے لیے قرآن میں اتری ہیں ان کے مصداق نزولِ قرآن کے وقت کے مومنین، مجاہدین، شہداء، صدیقین اور صالحین تھے۔ لیکن قیامت تک جتنے ان جیسے لوگ پیدا ہوتے جائیں گے وہ سب بھی ان آیتوں کے مصداق قرار پائیں گے۔ بالکل اسی طرح "قربیٰ" کے اولین مصداق علیؑ و فاطمہؑ یہ آیت کے اترنے کے وقت موجود تھے۔ حسنؑ و حسینؑ اور اولادِ حسینؑ کے ائمہ اہلبیتؑ بعد میں اس کے مصداق قرار پاتے چلے گئے۔ (مؤلف)

www.drhasanrizvi.com

اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰی (۲۴) کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ اِس
عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا ۚ فَاِنۡ شخص نے اللہ پر جھوٹی تہمت
یَّشَاِ اللّٰہُ یَخۡتِمۡ عَلٰی لگائی ہے ؟ اگر اللہ چاہے
قَلۡبِکَ ؕ وَ یَمۡحُ اللّٰہُ تو آپؐ کے دل پر بھی مُہر
الۡبَاطِلَ وَ یُحِقُّ الۡحَقَّ لگا دے۔ مگر اللہ تو باطل
بِکَلِمٰتِہٖ ؕ اِنَّہٗ عَلِیۡمٌۢ کو مٹاتا ہے اور حق کو
بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ﴿۲۴﴾ اپنی باتوں سے سچ ثابت
کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ خدا سینوں اور دلوں کے اندر کی
باتوں کو بھی جاننے والا ہے (یعنی خدا خوب جانتا ہے کہ یہ
کُفّار تم پر کیوں ایسے ایسے جھوٹے الزامات لگا رہے ہیں اور
اِس سے اُن کا اصل مقصد کیا ہے)

آیت کا پیغام یہ ہے کہ اللہ کی عادت اور سنّت یہی ہے کہ وہ باطل کو کبھی پائیداری نہیں بخشا کرتا۔ اور آخرکار حق کو حق ثابت کرکے رہتا ہے۔

www.drhasanrizvi.com

؎ حقیقتِ ابدی ہے مقامِ شبیریؑ بدلتے رہتے ہیں اندازِ کوفی و شامی

اس لیے اے ہمارے رسولؐ! تم کافروں، مشرکوں حق دشمنوں کے جھوٹے الزامات کی ذرہ برابر پرواہ نہ کرو۔ تم اپنا کام کیے جاؤ۔ ایک وقت ضرور آئے گا کہ ان کا سارے کا سارا جھوٹ غبار کی طرح اُڑجائے گا اور جو چیز تم پیش کر رہے ہو وہ حق ثابت ہو کر رہے گی۔

پھر آیت کے آخری الفاظ نے واضح طور پر بتلا دیا کہ خدا حق دشمنوں کے دلوں کے تمام بھید اور خفیہ حرکتوں کو خوب اچھی طرح سے جانتا ہے۔ اور یہ بھی جانتا ہے کہ یہ لوگ اے رسولؐ! تم سے دشمنی اپنی حق دشمنی، حسد، بغض، کینے اور اپنے معاملات پر ضرب پڑنے کی وجہ سے کر رہے ہیں۔ یہ خود اپنے طور طریقوں اور عقیدوں کو حق نہیں سمجھتے۔

☼ (تفسیر کبیر۔ تفہیم۔ تفسیر نمونہ۔ مجمع البیان)

مشرکین، کفار، رسولؐ پر یہ الزام لگاتے تھے کہ انھوں نے قرآن خود اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے۔ اور کہتے ہیں کہ یہ خدا کی طرف سے اُترا ہے۔ اس کا ایک زبردست جواب تو خداوند عالم نے یہ دیا کہ اگر یہ قرآن ایک انسان کا بنایا ہوا ہے تو تم سب جن و انس مل کر اس کے ایک سورہ مگر آج تک کوئی سورہ تمام انسانوں سے نہ بن سکا۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ قرآن انسان کا کلام نہیں ہے۔ ☼ (تفسیر نمونہ)

وَهُوَ الَّذِي يَقْبَلُ (۲۵) اور وہ وہی (خدا) تو ہے جو اپنے بندوں

التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ کی توبہ کو قبول کرتا ہے اور

www.drhasanrizvi.com

وَ یَعۡفُوۡا عَنِ السَّیِّاٰتِ وَ یَعۡلَمُ مَا تَفۡعَلُوۡنَ ﴿۲۵﴾

اُن کی بُرائیوں کو معاف کرتا ہے۔ حالانکہ وہ اُسے جو تم کرتے ہو خوب جانتا ہے۔

وَ یَسۡتَجِیۡبُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ یَزِیۡدُہُمۡ مِّنۡ فَضۡلِہٖ ؕ وَ الۡکٰفِرُوۡنَ لَہُمۡ عَذَابٌ شَدِیۡدٌ ﴿۲۶﴾

(۲۶) اور وہ (خدا اور رسولؐ کو) دل سے ماننے والوں اور اچھے اچھے کام کرنے والوں کی دُعا کو قبول کرتا ہے، اور اپنے فضل و کرم سے اور زیادہ عطا کرتا ہے۔ رہے (خدا و رسولؐ کا) انکار کرنے والے، تو اُن کے لیے بڑی سخت سزا ہے۔

خدا کا یہ فرمانا کہ: "خدا اُن مومنین کی دعائیں قبول فرماتا ہے جو اچھے اچھے کام کرتے ہیں۔" اس سے معلوم ہوا کہ بُرے کام کرنے سے دعائیں قبول نہیں ہوا کرتیں۔ حضرت علیؑ نے فرمایا: "مالک میرے اُن گناہوں کو معاف کر دے جو میری دعا کو قبول ہونے سے روک دیتے ہیں۔" (دعائے کمیل)

www.drhasanrizvi.com

پھر خداوندِ عالم کا یہ فرمانا کہ: " وَیَزِیۡدُھُمۡ مِّنۡ فَضۡلِہٖ " (یعنی) "اور اُن پر اپنے فضل وکرم سے اضافہ بھی کرتا ہے۔" یعنی اُن کی دعاؤں اور امیدوں سے کہیں زیادہ اُن کو عطا فرماتا ہے۔ بات یہ ہے کہ ہم اپنی فکر وعقل کے مطابق دعائیں کرتے ہیں لیکن خدا اپنی شان بان اور وسعت کے مطابق عطا فرماتا ہے (مؤلف)

امام جعفرِ صادقؑ سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا: "خداوندِ عالم مومنین پر اپنا فضل وکرم فرمائے گا اور وہ یہ ہوگا کہ خدا ان کی شفاعت ان لوگوں کے بارے میں قبول فرمائے گا جن لوگوں نے دنیا میں ان مومنین کے ساتھ کوئی نیکی کی ہوگی مگر وہ اپنے بُرے اعمال کی وجہ سے جہنم بھیجے جانے کے مستحق ہو چکے ہوں گے۔" ⁂ (تفسیر مجمع البیان)

مگر اس حدیث کا ہرگز مطلب یہ نہیں ہے کہ خدا مومنین پر بس یہی فضل فرمائے گا۔ یہ خدا کے فضل وکرم کا ایک بیان ہے۔ ورنہ خدا کا فضل وکرم خدا کی ذات وصفات کی طرح لامحدود لامتناہی اور ناقابلِ تصور ہے۔ حدیث میں جو کچھ بیان ہوا ہے وہ خدا کے فضل وکرم کا صرف ایک مصداق یا مثال ہے۔ ⁂ (تفسیرِ نمونہ)

وَلَوۡ بَسَطَ اللّٰہُ الرِّزۡقَ لِعِبَادِہٖ لَبَغَوۡا فِی الۡاَرۡضِ وَلٰکِنۡ یُّنَزِّلُ (۲۷) اگر اللہ اپنے سب بندوں کو کھلا ہوا وسیع رزق دے دیتا تو وہ زمین میں سرکشی

www.drhasanrizvi.com

بِقَدَرٍ مَّا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۲۷﴾

اور بغاوت کا طوفان برپا کردیتے۔ مگر وہ اندازے اور حساب سے ایک مقرّر مقدار میں جتنا چاہتا ہے اُتارتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنے بندوں کو خُوب اچھی طرح سے جانتا بھی ہے اور اُن پر پُوری پُوری نگاہ بھی رکھتا ہے۔

شانِ نزول

مشہور صحابی خباب بن ارت کہتے ہیں کہ یہ آیت ہمارے بارے میں اُتری ہے۔ اس لیے کہ ہم لوگ یہودی قبیلوں جیسے بنی قریظہ، بنی نضیر، بنی قینقاع والوں کو دیکھتے تھے کہ ان کے پاس مال، دولت، اولاد کی ریل پیل تھی تو ہم آپس میں یا دلوں میں کہتے تھے کہ کاش ہمارے پاس بھی اتنا مال ہوتا۔ اس پر یہ آیت اُتری۔

(تفسیر کبیر امام رازی۔ ابوالفتوح رازی۔ تفسیر قرطبی)

دوسری روایت یہ ہے کہ یہ آیت اصحاب صفہ کے بارے میں اتری ــــ یہ لوگ بے حد غریب تھے۔ نہ رہنے کو گھر تھا نہ در تھا۔ جناب رسولِ خدا نے مسجد کے سامنے ایک چھپرا ڈلوا دیا تھا جہاں یہ لوگ رہتے تھے۔ تمام مسلمان زکوٰۃ، صدقات سے ان کی امداد کرتے تھے۔ یہ لوگ جب دولتمندوں

www.drhasanrizvi.com

خاص طور پر یہودیوں کو دیکھتے تھے تو آرزو کرتے تھے کہ اے کاش! ہماری زندگی بھی ان جیسی خوشگوار ہو جائے۔ اس لیے یہ آیت اتری۔ ❊ (تفسیر درمنثور از روایت حاکم، بیہقی اور ابونعیم)

خاص طور پر اشارہ ہے کفارِ مکہ کی سرکشی کی طرف۔ اگرچہ قریش مکہ کی۔ ایران، روم کے مقابلہ پر کوئی حیثیت نہ تھی۔ ان کی حیثیت بنجاروں کی سی تھی جو اپنی چھوٹی سی دنیا میں تھوڑی سی خوشحالی پر اس قدر مغرور اور متکبر تھے کہ اللہ کے رسولؐ کی آواز تک سننا گوارا نہ تھی۔ اسی لیے خدا نے فرمایا: کہ اگر ہم کہیں ان چھوٹے ظرف کے لوگوں پر واقعی رزق کے دروازے کھول دیتے تو یہ بالکل ہی دیوانے ہو کر پھٹ پڑتے۔ اسی لیے ہم ناپ تول کر انھیں بس اتنا ہی دے رہے ہیں کہ بالکل ہی آپے سے باہر نہ ہو جائیں۔ "میں پاگل میرا منوا پاگل" کے مصداق نہ بن جائیں۔ ❊ (تفسیر کبیر۔ تفہیم)

قرآن میں اس بات کو واضح الفاظ میں یوں فرمایا گیا:

"کَلَّآ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَیَطۡغٰۤی ۙ اَنۡ رَّاٰہُ اسۡتَغۡنٰی ؕ"

"ہرگز نہیں، انسان سرکشی پر اتر آتا ہے جب وہ مال و دولت اور بے نیازی دیکھتا ہے۔"
❊ (سورۂ علق، آیت ۶-۷، پ ۳۰)

دوسری جگہ فرمایا: "جب ہم نے ان کو نجات دے دی تو انھوں نے ناحق زمین پر فساد پھیلانا شروع کر دیا۔" ❊ (سورۂ یونس، آیت ۲۳، پ ۱۱)

اصل میں مال اولاد امتحان لینے کا ذریعہ ہیں۔ اسی لیے مال اولاد کے ملنے سے اکثر لوگ خدا سے غافل ہو کر عیش و عشرت بلکہ ظلم و جور اور قتل و غارت پر اتر آتے ہیں۔ اسی لیے مال و دولت کی فراوانی اکثر قوموں اور افراد کو جرائم، ظلم، فسق و فجور، غفلت اور گناہوں کے اندھیروں میں

www.drhasanrizvi.com

دھکیل دیتی ہے۔ جبکہ فقر و فاقہ میں انسان خدا کو یاد رکھتا ہے اور کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ اسی لیے مال دولت کی لنہ ادائی اکثر قوموں یا افراد پر خدا کا عذاب ہوتا ہے۔ شروع شروع میں تو بڑا لطف آتا ہے۔ پھر وہی مال دولت اولاد وبال جان بن جاتی ہے۔ ایسی قوموں میں بڑے بھیانک جرائم اور مایوسیاں جنم لیتی ہیں۔ آپس میں مقابلے کی وجہ سے بے پناہ *Frustration complex* پیدا ہوتا ہے۔ دماغی نفسیاتی امراض کی کوئی حد و انتہا نہیں رہتی۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی دولتمند قوموں میں خودکشی کی وارداتیں بہت زیادہ ہوتی ہیں۔

ضروری نوٹ لیکن یہ بات بھی یاد رہے کہ بہت دفعہ رزق کی تنگی ہماری اپنی سستی، کاہلی نالائقی کی وجہ سے بھی ہوتی ہے۔ کیونکہ دنیا کا رزق بھی خدا انہیں کو دیتا ہے جو اس کے لیے صحیح طریقوں سے کام کرتے ہیں۔ البتہ اگر پوری کوششوں کے باوجود رزق نہ ملے تب اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ خدا کی طرف سے کسی وجہ سے بندش ہے جس کی اکثر وجہ ہمارے ہی گناہ ہوتے ہیں۔

یہ بات درست ہے کہ خدا روزی حساب کے ساتھ عطا فرماتا ہے تاکہ لوگ سرکشی نہ کریں۔ لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ خدا رزق کے دروازے بالکل بند کر دیتا ہے۔ اسی لیے فوراً بعد والی آیت میں فرمایا۔ "وہی تو ہے جو بارشوں کو اس وقت اتارتا ہے جب وہ مایوس ہو چکے ہوتے ہیں۔" ❊ (القرآن)

وَهُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ (۲۸) اور وہ خدا وہی ہے جو

www.drhasanrizvi.com

الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ	لوگوں کے مایوس ہو جانے
مَا قَنَطُوْا وَيَنْشُرُ	کے بعد بارش برساتا ہے
رَحْمَتَهٗ ۭ وَهُوَ الْوَلِيُّ	اور اپنی رحمت کو پھیلاتا ہے
الْحَمِيْدُ ﴿۲۸﴾	(کیونکہ) وہی سرپرست اعلیٰ

بھی ہے اور تعریفوں کا مستحق بھی۔

یہاں " ولی " سرپرست سے مراد وہ ذات ہے جو اپنی ساری مخلوقات کی متولی ہے۔ یعنی سب کی حاجات کو پورا کرنے والی ہے ⁂ (تفسیر کبیر)

بارش کا برسنا توحید اور معرفت الٰہی کی زبردست علامت اور دلیل ہے۔ کیونکہ بارشوں کے برسنے کا نظام بے حد منظم، دقیق اور بہت پیچیدہ اور عجیب و غریب ہے۔

۱:۔ سب سے پہلے سورج سمندروں کے پانی کو اپنی شعاعوں سے گرم کرتا ہے۔

۲:۔ پھر پانی کے ذرّات کو نمکیات سے جدا کرتا ہے۔

۳:۔ پھر بادلوں کی صورت میں آسمان کی طرف اٹھاتا ہے۔

۴:۔ پھر فضا کا سرد بالائی حصہ ان میں جوڑ کر آپس میں ملا دیتا ہے۔

۵:۔ پھر ہوائیں ان بادلوں کے سمندروں کو اپنے کاندھوں پر اٹھا کر خشک زمینوں اور

www.drhasanrizvi.com

اونچے پہاڑوں تک پہنچاتے ہیں۔

۶ :- پھر وہ بادل ہوا کے مخصوص دباؤ اور ٹھنڈک کی وجہ سے بارش کے چھوٹے چھوٹے قطروں میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔

۷ :- اور آہستہ آہستہ زمین پر اُترنے لگتے ہیں۔

۸ :- پھر وہ زمین پر بہتے ہیں یا جذب ہو جاتے ہیں اور مردہ زمینوں کو زندہ کر دیتے ہیں۔

۹ :- بہت سا پانی اونچے پہاڑوں پر برف کی شکل میں برس کر جما رہتا ہے اور آہستہ آہستہ قطرے قطرے ہو کر پگھلتا رہتا ہے۔ اس طرح سال بھر دریاؤں میں پانی رواں دواں رہتا ہے جو زراعت کے کام آتا ہے۔ اس طرح خدا اپنی رحمت کو پھیلاتا ہے۔ (سبحان اللہ)

(تفسیر نمونہ)

وَمِنۡ اٰيٰتِهٖ خَلۡقُ (۲۹)	اُسی کی نشانیوں اور دلیلوں
السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ	میں سے زمین اور آسمانوں
وَمَا بَثَّ فِيۡهِمَا	کا پیدا کرنا بھی ہے، اور یہ
مِنۡ دَآبَّةٍ ؕ وَهُوَ	بھی کہ جو اُس نے اُن دونوں
عَلٰى جَمۡعِهِمۡ اِذَا	میں چلنے پھرنے والے پھیلا
يَشَآءُ قَدِيۡرٌ ع (۲۹)	دیے ہیں۔ اور وہ جب بھی

ع ۳ / ۱۰

www.drhasanrizvi.com

چاہے گا، اُن کو اکٹھا کرنے پر قادر ہے۔

خداوند عالم کا فرمانا: "اُس نے (خدا نے) ان دونوں میں چلنے پھرنے والے پھیلا دیے۔" تو ان دونوں سے مراد زمین اور آسمان کے چلنے پھرنے والے ہیں۔ یہ فرشتے، ارواح، سیارے بھی ہیں اور انسان بھی۔ اور ممکن ہے کہ دوسرے ستاروں، سیاروں کی مخلوقات بھی مراد ہو۔ ❊ (تفسیر ماجدی)

خدا کا یہ فرمانا کہ: "خدا کی نشانیوں میں سے ہے یہ زمین اور آسمانوں کی پیدائش۔ اور یہ جاندار مخلوقات جو اس نے دونوں جگہ پھیلا رکھی ہیں۔"

"مخلوقات جو دونوں جگہ پھیلا رکھی ہیں۔" سے صاف اور واضح اشارہ ہے کہ زندگی صرف زمین پر ہی نہیں بلکہ دوسرے سیاروں میں بھی موجود ہے۔ اور آیت کے آخری الفاظ میں بتایا جا رہا ہے کہ وہ خدا جو تمام مخلوقات کو پھیلانے پر قادر ہے وہ ان سب کو ایک جگہ اکٹھا کرنے پر بھی قادر ہے۔

❊ (تفسیر کبیر۔ تفہیم۔ مجمع البیان۔ تفسیر نمونہ)

حضرت علیؑ نے فرمایا: "یہ ستارے جو آسمان میں ہیں ان میں بھی زمین کے شہروں کی مانند شہر ہیں۔ ہر شہر دوسرے شہر سے (یعنی ہر ستارہ دوسرے ستاروں سے) نور کے ستون (قانون جذب و کشش) کے ذریعہ ملا ہوا ہے۔" ❊ (سفینۃ البحار مادہ نجم جلد ۲۔ صفحہ ۵۷۴۔ تفسیر علی ابن ابراہیم)

وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ (۳۰) تم پر جو بھی مصیبت آئی ہے

مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ وہ خود تمہارے اپنے ہاتھوں

www.drhasanrizvi.com

اَیۡدِیۡکُمۡ وَیَعۡفُوۡا کی کمائی (مراد اعمال) سے
عَنۡ کَثِیۡرٍ ﴿۳۰﴾ آئی ہے (یا) تم پر جو مصیبت
بھی آئی ہے وہ اُسی کی وجہ سے آئی ہے جو تمہارے ہاتھوں نے کیا
ہے۔ جبکہ بہت سے گناہوں کو تو خدا ویسے ہی معاف کر کے
چھوڑ دیتا ہے۔

امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ جناب رسولؐ خدا نے فرمایا: "بہت سے گناہ تو خدا (از خود اپنی رحمت کی وجہ سے) معاف کر دیا کرتا ہے۔ اور کچھ گناہوں کی سزا جلد ہی مل جاتی ہے۔ مگر خدا کی عظمت و جلالت سے یہ بات بہت دور ہے کہ وہ آخرت میں بھی اس جرم کی سزا دوبارہ دے جس کی سزا وہ دنیا میں دے چکا ہے۔" ☼ (تفسیر صافی۔ بحوالہ کافی)

امام جعفر صادقؑ سے پوچھا گیا کہ بعد رسولؐ جو کچھ آپؐ کے اہل بیتؑ اطہار پر گزری کیا یہ ان کے کسی فعل کی سزا تھی؟ (معاذ اللہ) حضرت امامؑ نے فرمایا: "جناب رسولؐ خدا تو ہر قسم کے گناہ سے پاک تھے مگر ان پر ہر قسم کی مصیبتیں ٹوٹیں۔ اور آپؐ ہر رات سو سو مرتبہ استغفار کرتے تھے۔ بات دراصل یہ ہے کہ اللہ اپنے خاص دوستوں کا خاص طور پر امتحان لیتا ہے اور ان کو بلاؤں میں گرفتار کرتا ہے تاکہ ان کے درجات بلند ہوں۔ ان کی مصیبتوں کا گناہ سے کوئی تعلق ہی نہیں ہوتا۔" ☼ (تفسیر قمی)

www.drhasanrizvi.com

یہاں تمام انسانی مصائب کی وجہ نہیں بتائی جارہی ہے بلکہ صرف یہ بتایا جارہا ہے کہ خدا تمہاری تمام بُری حرکتوں پر نہیں پکڑتا۔ اگر ایسا کرتا تو تمہیں جیتا نہ چھوڑتا۔ اب جو یہ مصیبتیں تم پر آرہی ہیں یہ تمہارے ہی بُرے اعمال اور ظلم کا نتیجہ ہیں تاکہ تم ہوش میں آجاؤ اور اپنے اعمال کا جائزہ لے کر اپنی اصلاح کرلو۔ سوچو کہ تم نے اپنے مالک کے ساتھ کیا رویہ اختیار کر رکھا ہے۔ یہی سوچ لو کہ تم جس ذات سے بغاوت کر رہے ہو اُس کے سامنے کتنے بے بس ہو اور اس کو چھوڑ کر دوسروں کو اپنا مالک بنائے بیٹھے ہو۔ جبکہ وہ تم پر اتنا مہربان ہے کہ بہت سے قصور تو از خود معاف کر دیتا ہے۔ پھر تمہیں سنبھلنے اور اپنی اصلاح کرلینے کی مہلتوں پر مہلتیں بھی عطا فرماتا ہے۔ ⁂ (تفسیر کبیر۔ تفہیم۔ مجمع البیان)

یاد رہے کہ کافروں، مشرکوں، منافقوں، فاسقوں، فاجروں پر جو مصیبتیں آتی ہیں وہ ان کے گناہوں کا نتیجہ ہوتی ہیں اور ان کو تنبیہ ہوتی ہے اور سنبھلنے کا موقع ہوتا ہے۔ لیکن مومن پر جو مصائب آتے ہیں وہ اس کے گناہوں کا کفارہ بھی ہوتے ہیں۔ جناب رسول خدا نے فرمایا:

"مسلمان پر جو مصیبت، بلا، غم، تکلیف آتی ہے حتیٰ کہ اگر ایک کانٹا بھی اس کو چبھتا ہے وہ اس کے کسی نہ کسی گناہ کا کفارہ بن جاتا ہے ⁂ (بخاری۔ مسلم)

غرض بہت سی مصیبتیں جو ہم پر آتی ہیں وہ اصل میں خدا کی طرف سے ایک قسم کی سزا ہوتی ہے جو انسان کو غفلتوں سے چونکانے کے لیے ہوتی ہیں۔ حضرت علیؑ سے روایت ہے کہ جناب رسول خدا نے فرمایا: اے علیؑ! یہ آیت قرآن کی بہترین آیتوں میں سے ہے۔ انسان کے جسم پر اگر لکڑی سے کوئی خراش بھی لگتی ہے تو اُس کے گناہوں کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اس طرح خدا ان کے گناہ معاف کر دیتا ہے۔

www.drhasanrizvi.com

اور خدا دنیا میں جن گناہوں کو اس طرح معاف کر دیتا ہے قیامت کے دن ان پر نظر کرنا اس کی شان کے خلاف ہے۔ کیونکہ دنیا میں جن گناہوں کی سزا دے دی پھر آخرت میں ان کی سزا دینا اس کے عدل کے منافی ہے۔ ☆ (تفسیر مجمع البیان جلد ۹۔ تفسیر درمنثور ۔ روح المعانی وغیرہ)

یاد رہے کہ خدا نے جو مصیبتیں بنائی ہیں اس کے کئی فلسفے ہیں:

۱:۔ غفلتوں کو دور کرنا ۲:۔ ہماری صلاحیتوں کو پیدا کرنا۔

۳:۔ مستقبل کے بارے میں تنبیہ کرنا۔ ۴:۔ اصلاح کرنا

۵:۔ غرور وظلم کی سزا دینا۔ ۶:۔ گناہوں کا کفارہ کرنا

۷:۔ انسان کی ترقی کے لیے اس میں جوشِ عمل پیدا کرنا۔

☆ (تفسیر نمونہ)

تندیٔ بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب
یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لیے

(اقبالؒ)

جس وقت امام زین العابدینؑ یزید کے سامنے لائے گئے تو یزید نے کہا: "تم پر جو یہ بلائیں ٹوٹی ہیں، یہ تمھارے ہی اعمال کا نتیجہ ہیں"۔ اس پر امامؑ نے فرمایا: "ایسی بات نہیں ہے۔ یہ آیت ہمارے بارے میں نہیں اُتری ہے۔ ہمارے بارے میں دوسری آیت اُتری ہے کہ:

"جو مصیبت بھی تمھارے جسم وجاں پر اُترتی ہے وہ تمھارے پیدا ہونے سے پہلے کتاب (لوحِ محفوظ) میں درج تھی ...... یہ صرف اس لیے ہے کہ جو چیز تمھارے ہاتھوں سے چلی جائے اس پر غم نہ کرو اور جو کچھ تمھارے پاس موجود ہے اس پر پھولے نہ سماؤ۔" (الحدید ۵۷ آیت ۲۲-۲۳ - پ ۲۷)

www.drhasanrizvi.com

گویا یہ مصیبتیں ہماری تربیت اور نمونۂ عمل بنانے کے لیے ہیں۔" پھر امامؑ نے فرمایا: "ہم جو کچھ خدا کی راہ میں دے چکے ہیں اس پر غمگین نہیں ہیں اور جو کچھ ہمارے پاس ہے اس پر خوش نہیں ہیں۔"

(تفسیر علی بن ابراہیم - نور الثقلین جلد ۴)

امام جعفر صادقؑ سے پوچھا گیا کہ اہلبیتؑ رسولؐ کیوں بلاؤں میں گرفتار ہوئے جبکہ وہ ہر قسم کے گناہ سے پاک تھے۔ فرمایا: "رسولؐ خدا ہمیشہ توبہ کیا کرتے تھے اور ہر دن رات میں سو مرتبہ استغفار کیا کرتے تھے حالانکہ ان سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہوا تھا۔ اصل بات یہ ہے کہ خدا نے اپنے دوستوں کے واسطے کچھ مصائب مقرر کر دیے ہیں تاکہ ان پر صبر کر کے وہ ثواب عظیم پائیں۔ حالانکہ ان سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہوتا۔"

(اصول کافی۔ تفسیر نور الثقلین جلد ۴)

نتیجہ اور تعلیمات

۱:- اس حقیقت کو جاننے کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسانی اعمال اور نظام کائنات میں ایک گہرا تعلق ہے۔ اگر انسان فطری اصولوں پر چلیں تو خدا کی برکتیں انھیں حاصل ہوں اور اگر بے راہ روی اختیار کریں گے تو زندگی میں بگاڑ لازماً پیدا ہوگا۔ (تفسیر المیزان جلد ۱۸)

۲:- جن لوگوں کے مرتبے بلند ہوتے ہیں ان کے مراتب کو بلند کرنے کے لیے ان پر مصائب ڈالے جاتے ہیں۔ "جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے۔" (امیرؔ)

۳:- اس آیت سے انسان کی کمزوری اور ناتوانی مجسم ہوتی ہے اور اس سے پہلے والی آیت سے خدا کی عدالت اور رحمت ثابت ہوتی ہے۔ (تفسیر صافی)

نعمتوں کے واپس ملنے اور بلاؤں کو ٹالنے کا طریقہ

حضرت علیؑ نے فرمایا: کوئی قوم نعمتوں سے

www.drhasanrizvi.com

اس وقت جُدا کر دی جاتی ہے جب وہ گناہوں کا ارتکاب کرتی ہے۔ کیونکہ خدا اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔ اگر لوگ نعمتوں کے چھننے کے وقت سچی نیت سے خدا کی بارگاہ میں عاجزی سے پیش آئیں اور خدا سے محبت کے ساتھ نعمتوں کے چھننے سے بچنے کے لیے دعا کریں تو یقیناً خدا ان کی ضائع شدہ نعمتوں کو پلٹا دے گا۔ اور ہر قسم کے بگاڑ کی اصلاح کر دے گا۔

(نہج البلاغہ خطبہ ۱۷۸)

حضرت علیؑ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ : " بلائیں ظالموں کے لیے تادیب اور تنبیہ ہوتی ہیں۔ مومنین کے لیے امتحان ہوتی ہیں۔ انبیاء اور اولیاء کے لیے مرتبے بڑھانے کا ذریعہ ہوتی ہیں۔"

(جامع الاخبار ۔ بحار الانوار جلد ۸۱)

امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ : "جب انسان کے گناہ زیادہ ہو جاتے ہیں اور عمل بھی اتنا زیادہ نہیں ہوتا جو ان گناہوں کا کفارہ بن سکے تو خدا اسے رنج و غم میں مبتلا کر دیا کرتا ہے تاکہ وہ رنج اس کے گناہوں کا کفارہ بن جائے۔"

(کافی جلد دوئم ۔ حدیث ۲)

وَمَآ اَنۡتُمۡ بِمُعۡجِزِیۡنَ فِی الۡاَرۡضِ ۚۖ وَمَا لَکُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ مِنۡ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیۡرٍ ﴿۳۱﴾

(۳۱) غرض تم دنیا میں بھی اُسے بے بس نہیں بنا سکتے۔ اور اللہ کے مقابلے پر (یا) اللہ کو چھوڑ کر نہ تو تمہارا کوئی سرپرست ہے اور نہ

www.drhasanrizvi.com

کوئی حامی یا مددگار ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اے مشرکو تم جس کو اپنا مالک، آقا، سرپرست، مائی باپ، اَن داتا یا خدا سمجھے بیٹھے ہو اور جن کے بھروسہ پر تم جی رہے ہو، وہ کسی طرح بھی تمھیں اللہ کی پکڑ سے نہیں بچاسکیں گے۔ ⁂ (تفسیر ماجدی)

وَمِنۡ اٰیٰتِهِ الۡجَوَارِ (۳۲) اور خدا کی نشانیوں میں

فِی الۡبَحۡرِ كَالۡاَعۡلَامِ ﴿۳۲﴾ سے دریاؤں میں وہ بڑی

بڑی اونچی کشتیاں اور جہاز ہیں جو سمندر میں پہاڑوں کی

طرح نظر آتے ہیں۔

"عَلَم" کسی چیز کی علامت کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ کسی چیز کا علم ہوسکے۔ جیسے سڑک پر نشانات راستہ بتانے کے لیے لگائے جاتے ہیں۔ سڑکوں کے نام یا چوراہوں کے پتھر مینار وغیرہ۔ اسی لیے پہاڑوں کو بھی "عَلَم" کہتے ہیں کہ ان سے بھی شہروں، بستیوں کو پہچانا جاتا ہے۔
⁂ (لغات القرآن لقمانی)

اِنۡ یَّشَاۡ یُسۡكِنِ الرِّیۡحَ (۳۳) اگر خدا چاہے تو ہوا کو روک

فَیَظۡلَلۡنَ رَوَاكِدَ عَلٰی دے، تو وہ (جہاز) سمندر کی سطح پر

www.drhasanrizvi.com

ظَهۡرِهٖ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّـكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوۡرٍۙ ﴿۳۳﴾

کھڑے کے کھڑے رہ جائیں۔ اس میں بڑی نشانیاں اور دلیلیں ہیں، ہر برداشت کرنے والے اور بہت شکر کرنے والے کے لیے۔

ہر انسان کے لیے زندگی میں دو ہی حالتیں ہیں۔ ۱:۔ غم ۲:۔ یا خوشی۔

مومن غم کے عالم میں صبر، تسلیم اور دعا سے کام لیتا ہے۔ اور خوشی کے عالم میں شکر، انکساری اور اطاعت سے کام لیتا ہے۔ مگر وہ کسی حال میں بھی خدا سے غافل نہیں ہوتا۔ دونوں حالتوں میں خدا سے اپنا تعلق جوڑے رہتا ہے کبھی صبر سے اور کبھی شکر سے۔ ⁂ (تفسیر کبیر)

صبّار شکور یعنی بہت زیادہ صبر کرنے والا۔ اور شکور یعنی بہت زیادہ خدا کا شکر ادا کرنے والا۔ صبر کرنے والے سے مراد وہ شخص ہے جو اپنے نفس پر قابو رکھے اور اچھے بُرے حالات میں بندگی کے تقاضوں یعنی خدا کی اطاعت پر ثابت قدم رہے۔ اس کی ضد غیر صبر انسان ہوتا ہے جو خوشحالی میں خدا کو بھول کر خدا سے باغی ہو کر خدا کے بندوں پر ظلم کرتا ہے اور اگر بُرا وقت آجائے تو دل چھوڑ کر دانت نکال کر خوشامد اور ذلیل سے ذلیل حرکت پر اُتر آتا ہے۔

اور بہت شکر ادا کرنے والا وہ ہوتا ہے کہ تقدیر کتنا بھی نوازے وہ اسے اپنا کمال نہیں بلکہ خدا کا احسان سمجھتا ہے۔

www.drhasanrizvi.com

ے جو کچھ ہوا، ہوا کرم سے تیرے جو کچھ ہوگا ترے کرم سے ہوگا

اور بُرے حالات میں بھی وہ خدا پر اعتراضات کرنے کے بجائے خدا کا شکر ادا کرتا ہے۔

(تفسیر کبیر۔ تفہیم۔ مجمع البیان)

اَوْ یُوْبِقْهُنَّ بِمَا (۳۴) یا اگر وہ چاہے تو وہ انھیں
كَسَبُوْا وَیَعْفُ عَنْ اُن کے اعمال کے نتیجے میں
كَثِیْرٍ ﴿۳۴﴾ تباہ کر کے رکھ دے، جب کہ
وہ بہت سی باتوں کو تو یوں ہی معاف کر دیا کرتا ہے۔

محققین نے لکھا کہ خداوند عالم نے یہاں اپنی معافیوں کو صرف خاص مومنین سے متعلق نہیں بیان کیا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ خداوند عالم کی ہنگامی سزا بہت کم دی جاتی ہے۔ اکثر یہ وقتی سزا ٹال ٹال دی جاتی ہے۔ (تفسیر تبیان)

وَّیَعْلَمَ الَّذِیْنَ یُجَادِلُوْنَ (۳۵) (لیکن ڈوبتے وقت) اُن لوگوں
فِیْٓ اٰیٰتِنَا ؕ مَا لَهُمْ کو جو ہماری نشانیوں اور
مِّنْ مَّحِیْصٍ ﴿۳۵﴾ دلیلوں میں جھگڑتے ہیں،
معلوم ہو جائے گا کہ اُن کے لیے بھاگنے یا پناہ لینے کی کوئی جگہ نہیں

www.drhasanrizvi.com

عربوں کو تجارت کے لیے حبش اور افریقہ کے ساحلوں پر جانا پڑتا تھا۔ اس لیے ان کو بادبانی کشتیوں میں بیٹھ کر بحر احمر پار کرنا پڑتا تھا۔ یہ سمندر بہت خطرناک تھا۔ یہاں اکثر طوفان آتے تھے۔ اور زیرِ آب چٹانیں بہت تھیں اس لیے کشتیاں ان سے ٹکرا ٹکرا کر بکھر جایا کرتی تھیں۔ اس لیے اس کو عرب لوگ اپنے ذاتی تجربے سے خوب اچھی طرح محسوس کر سکتے تھے۔

(تفہیم۔ تفسیر کبیر۔ مجمع البیان)

فَمَاۤ اُوۡتِیۡتُمۡ مِّنۡ (۳۶) جو کچھ بھی تم لوگوں کو دیا
شَیۡءٍ فَمَتَاعُ الۡحَیٰوةِ گیا ہے وہ تو صرف دُنیا
الدُّنۡیَا ۚ وَمَا عِنۡدَ کی چند دنوں کی زندگی کا
اللّٰهِ خَیۡرٌ وَّ اَبۡقٰی سازوسامان ہے (یعنی یہ
لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَلٰی دُنیا کی نعمت اور دولت
رَبِّهِمۡ یَتَوَکَّلُوۡنَ ﴿۳۶﴾ کوئی ایسی چیز نہیں کہ جس

پر انسان اترائے یا مطمئن ہو جائے) اور جو کچھ اللہ کے ہاں ہے وہ بہتر بھی ہے اور زیادہ پائیدار (یعنی) ہمیشہ باقی رہنے والا بھی۔ (مگر یہ) اُن کے لیے ہے جو (خدا اور رسولؐ

www.drhasanrizvi.com

یا ابدی حقیقتوں کو) دل سے مانتے بھی ہیں، اور اپنے پالنے والے مالک پر بھروسہ بھی کرتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ دنیا کی نعمتیں کچھ ایسی چیز نہیں ہیں کہ جس پر آدمی پھول جائے کیونکہ دنیا کی دولت کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو تھوڑی سی دیر کا تماشا ہے۔

حضرت علیؑ نے فرمایا: "اوّل تو یہ دنیا کی دولت رہنے والی چیز ہی نہیں ہے اور اگر رہ بھی گئی تو تو اُس کے لیے کب باقی رہے گا؟" ☼ (نہج البلاغہ)

دنیا پرست وہی اتراتا پھولتا ہے جو دنیا کی حقیقت کو نہیں سمجھتا۔ جبکہ آخرت کی نعمتیں دُنیا کی نعمتوں سے بہت اعلیٰ بھی ہیں اور ہمیشہ ہمیشہ باقی رہنے والی بھی۔

توکّل کے معنی:۔ توکّل ایمان کا لازمی تقاضا ہے

۱:۔ خدا کی مدد اور اس کی رہنمائی پر پورا پورا بھروسہ کرنا۔

۲:۔ خدا کے دیے ہوئے احکامات اور ہدایتوں کو بالکل درست سمجھ کر ان پر عمل کرنا اور اسی کو زندگی کا اصل مقصد اور کامیابی کا اصل راز سمجھنا۔

۳:۔ اپنی طاقت، دولت، اولاد، صحت، قابلیت، صلاحیت، ذرائع وسائل تدابیر یا دوسروں کی امداد پر بھروسہ نہ کرنا۔ یہ اس طرح ممکن ہے کہ آدمی اچھی طرح سے سمجھ لے کہ دنیا اور آخرت کی تمام کامیابیوں کا اصل انحصار اللہ کی توفیقات اور امداد پر ہے۔ اور خدا کی امداد اس کی اطاعت

www.drhasanrizvi.com

سے ہی حاصل ہو سکتی ہے اور کوئی شارٹ کٹ نہیں ہے۔

۴:- اللہ کے وعدوں پر مکمل یقین اور بھروسہ کرنا کہ اللہ کا ہر وعدہ بالکل سچا اور برحق ہے۔

توکّل کے معنی سمجھنے کے بعد ہم خوب سمجھ سکتے ہیں کہ توکّل ایمان کا حاصل ہے۔ توکّل کے بغیر ایمان صرف جھوٹا دعویٰ ہے۔ ☼ (تفسیر کبیر۔ مجمع البیان۔ تفہیم۔ تفسیر نمونہ)

دنیا کی حقیقت

جناب رسولِ خدا نے فرمایا: "خدا کی قسم! آخرت کے مقابلے میں دنیا کی مثال ایسے ہے جیسے تم میں سے کوئی شخص اپنی انگلی سمندر میں ڈبوئے اور پھر اسے نکال کر دیکھے کہ اس سے اسے کیا ملا؟" ☼ (تفسیر روح البیان جلد ۳)

وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ ﴿۳۷﴾

(۳۷) اور جو لوگ بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کے شرم ناک کاموں سے بچتے ہیں، اور جب انھیں غصّہ آتا ہے تو معاف کر دیتے ہیں۔

کبائر - کبیرہ کی جمع ہے جس کے معنی بڑے بڑے گناہ ہے۔ سوال یہ ہے کہ بڑے بڑے گناہ کون سے ہیں۔ اس کے کئی جواب ہیں۔

www.drhasanrizvi.com

۱ :- وہ گناہ بڑے گناہ ہیں جن پر خدا نے عذاب دینے کا وعدہ کرلیا ہے۔

(تفسیر نور الثقلین ۔ تفسیر کبیر) ٭

۲ :- وہ گناہ جو شرعی حد جاری کرنے کا سبب بنتے ہیں۔ ٭ (تفسیر نمونہ)

۳ :- امام محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ : "جو شخص نفسانی خواہشات کے وقت، خوف اور غصے کے وقت اپنے اوپر قابو رکھتا ہے خدا اس پر جہنم کی آگ کو حرام کردیتا ہے۔"

(تفسیر نور الثقلین ۔ تفسیر علی ابن ابراہیم) ٭

۴ : امام محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ : "بڑے بڑے گناہ (کبائر) درج ذیل ہیں :

(۱) شرک وکفر (۲) والدین کی نافرمانی۔

(۳) قتلِ ناحق (۴) تہمتیں لگانا خاص کر شریف عورتوں پر۔

(۵) ناحق اموال کھاجانا خاص طور پر یتیموں کے۔ (۶) زناکاری، اغلام بازی۔

(۷) سود کھانا۔ (۸) شراب پینا۔

(۹) میدانِ جہاد سے بھاگ جانا۔ (۱۰) جھوٹی گواہی دینا۔

(یاد رہے کہ نماز نہ پڑھنا کفر میں شامل ہے اور رشوت لینا ناحق مال کھانے میں شامل ہے) (الکافی)

امام محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ جناب رسولؐ خدا نے فرمایا : "جو شخص ایسے وقت میں اپنے غصہ کو روک لے جب کہ وہ بدلہ لینے پر پوری طرح قدرت رکھتا ہو تو خدا قیامت کے دن اس کے دل کو امن وایمان (سکون) سے بھر دے گا۔ اور جو شخص خوف اور مغلوب ہونے یا غالب آنے کی شکل میں اپنے نفس پر قابو رکھے گا خدا اس کے جسم پر جہنم کی آگ کو حرام کردے گا۔ ٭ (تفسیر صافی تفسیر قمی)

www.drhasanrizvi.com

خدا نے آخر میں مومنین کے لیے فرمایا کہ: "اگر ان کو غصہ آجائے تو معاف کردیتے ہیں"

یعنی مومنین غصہ میں تنے ہوئے، بپھرے ہوئے، لڑاکو، خرانٹ نہیں ہوتے۔ بلکہ نرم خو، دھیمے مزاج والے منکسر قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ ان کے مزاج میں غصہ اور انتقام بھرا ہوا نہیں ہوتا۔ ان کو اگر کبھی کبھی غصہ آبھی جاتا ہے تو اس کو پی، پی جاتے ہیں۔ جناب رسول خدا نے اس کو انسان کا بڑا اشرف قرار دیا ہے۔ جناب رسول خدا کے بارے میں عام لوگوں تک کا یہ بیان ہے کہ "وہ کبھی اپنی ذات کے نقصان پر انتقام نہیں لیتے تھے۔ البتہ جب اللہ کی حرمتوں کی ہتک کی جاتی تھی تب سزا دیتے تھے۔"

(بخاری۔ مسلم)

حضرت امام زین العابدین سے روایت ہے کہ: "اللہ کو کوئی گھونٹ اتنا پسند نہیں ہے جتنا غصہ کو پی جانا پسند ہے۔"

(الکافی)

وَالَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ (۳۸) اور جو اپنے پالنے والے مالک
وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَمْرُهُمْ کے حکم کو مانتے ہیں اور نماز
شُورَىٰ بَيْنَهُمْ وَمِمَّا کو پابندی کے ساتھ ادا کرتے
رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ﴿۳۸﴾ رہتے ہیں، اور اپنے معاملات

آپس کے مشوروں سے طے کرتے ہیں، اور اس میں سے جو ہم نے ان کو دیا ہے، خیرات کرتے ہیں۔

www.drhasanrizvi.com

خداوندِ عالم کا یہ فرمانا کہ: "وہ اپنے معاملات آپس کے مشوروں سے طے کرتے ہیں"۔ علماء نے اسلامی نظامِ حکومت میں شوریٰ کی بنیاد اسی آیت پر رکھی۔ مگر شوریٰ (مشورہ) صرف ایسے معاملات میں تو ممکن ہے جہاں خدا اور رسولؐ کا کوئی واضح فرمان موجود نہ ہو، لیکن جہاں خدا اور رسولؐ کا کوئی واضح فیصلہ موجود ہو وہاں مسلمانوں کے آپس میں مشورہ کرنے کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ کیونکہ خدا نے فرمایا ہے:

"کسی مسلمان مرد اور مسلمان عورت کے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسولؐ کوئی فیصلہ کر دے تو پھر انھیں اپنے معاملات میں اختیار نہ ہوگا۔" (الاحزاب ۳۳۔ آیت ۳۶۔ پ ۲۲)

(فصل الخطاب۔ ابوبکر جصاص)

یہاں پر مشورہ کرنا اہل ایمان کی صفت بیان کیا گیا ہے۔ اس لیے آپس میں مشورہ کر کے اہم کام انجام دینا اسلامی طرزِ زندگی کا اہم ستون ہے۔ مشوروں کے بغیر معاشی اور معاشرتی کام انجام دینا جاہلیت ہے۔ یہ اس لیے کہ:

۱:۔ اگر کسی معاملے میں ایک سے زیادہ آدمیوں کا مفاد وابستہ ہو تو اس کو ایک اکیلے آدمی کے مشورے سے کیوں حل کیا جائے؟

۲:۔ دوسرے یہ کہ انسان من مانی یا تو تکبّر کی وجہ سے کرتا ہے یا ذاتی مفاد اور دوسروں کا حق مارنے کے لیے کرتا ہے۔ یہ دونوں باتیں بُری ہیں۔

۳:۔ تیسرے یہ کہ جن چیزوں کا تعلق دوسروں کے نفع نقصان سے ہو اس پر صرف اپنا فیصلہ صادر کرنا دوسروں کا حق مارنا بھی ہے اور بہت بڑی ذمہ داری مول لینا بھی ہے۔ جو شخص خدا سے ڈرتا ہے وہ ایسی سخت ذمہ داری کبھی نہیں اٹھاتا۔

www.drhasanrizvi.com

اسی لیے اسلام کی تعلیمات یہ ہیں کہ ہر چھوٹے بڑے کام کو باہمی مشورے سے انجام دیا جائے گھر کے معاملات میاں بیوی کے مشوروں سے طے ہونے چاہئیں۔ بچے جب سمجھ دار ہو جائیں تو ان سے مشورے لینے چاہئیں، خاندان کے افراد خاندانی معاملات میں مشورے میں شریک کیے جانے چاہئیں۔ اسی طرح برادری اور ملک کے معاملات کو باہمی مشوروں سے چلانا چاہیے۔

ایسی سوسائٹی جہاں باہمی مشوروں سے کام ہوگا وہاں ہر شخص کو فکر کی آزادی ہوگی۔ لوگوں کو سربراہوں پر تنقید کرنے اور ٹوکنے کی اجازت ہوگی۔ لوگوں پر جبر نہ ہوگا۔ صحیح معنی میں اسلامی جمہوری نظام ہوگا۔ کسی ایک فرد یا ٹولے کو من مانی کی اجازت نہ ہوگی۔

اور آخر میں خدا کا فرمانا کہ: "انھیں جو خدا نے رزق دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں" اس کے تین معنی ہیں۔

۱:۔ یعنی جو رزق ہم نے دیا ہے، بس اسی میں سے خرچ کرتے ہیں۔ اسی میں اپنے اخراجات پورے کرتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر حرام پر ہاتھ نہیں مارتے۔

۲:۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ ہمارے دیے ہوئے رزق کو جمع نہیں کیے چلے جاتے۔ صرف حسب ضرورت جمع کرتے ہیں۔ باقی خرچ کرتے ہیں۔

۳:۔ جو دیا گیا ہے اس میں سے کچھ اللہ کی راہ میں بھی خرچ کرتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ انسان کو (۱) صرف حلال کی کمائی پر گزارا کرنا چاہیے۔ (۲) مال خدا نے جمع کرنے کے لیے نہیں، خرچ کرنے کے لیے دیا ہے۔ (۳) ہمیں صرف اپنی ذات اور اولاد پر

www.drhasanrizvi.com

ہی خرچ نہیں کرنا چاہیے۔ دوسرے لوگ، فقراء، مساکین، یتیموں پر بھی خرچ کرنا چاہیے۔

(تفسیر کبیر۔ مجمع البیان۔ تفہیم) ٭

مشورہ کرنے کی اہمیت

جناب رسولِ خدا نے فرمایا: "جو شخص اپنے کاموں میں کسی سے مشورہ کرتا ہے اس کو سیدھے راستے کی ہدایت کی جاتی ہے۔" ٭ (تفسیر نمونہ)

یہ حکم عام ہے۔ یعنی ہر اہم معاملے میں مشورہ کرنا چاہیے۔ حضرت علیؑ نے فرمایا: "آپس میں ایک دوسرے سے مشورے لینا جیسا کوئی کمر کو مضبوط کرنے والا سہارا نہیں ہے۔ چونکہ مشورہ لینا عین ہدایت ہے۔"

٭ (وسایل الشیعہ، جلد ۸، صـ۴۲۵)

اصل میں دوسروں سے مشورہ لینے سے ہم:

۱:۔ دوسروں کی عقل اور تجربے سے استفادہ کرتے ہیں۔

۲:۔ دوسروں کو اعتماد میں لے کر اُن کو اپنے سے قریب کرتے ہیں۔

۳:۔ دوسروں کی مدد حاصل کرتے ہیں۔

۴:۔ معاشرتی زندگی کو مضبوط بناتے ہیں۔

۵:۔ اللہ کے حکم کو پورا کر کے اللہ کی ہدایت اور ثواب حاصل کرتے ہیں۔

(مؤلف)

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ (۳۹) اور جو (صرف اُس وقت)

الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ ﴿۳۹﴾ مقابلہ کرتے ہیں یا بدلہ لیتے ہیں

جب اُن پر کوئی زیادتی کرتا ہے۔

www.drhasanrizvi.com

قرآن کا یہ حکم ہے کہ: "جب بھی دوسرے لوگ تم سے دین کی حفاظت کے لیے مدد طلب کریں تو تم پر لازم ہے کہ ان کی مدد کرو۔" ⁂ (سورہ انفال، ۷۲، پ ۱۰)

ینتصرون کا لفظ انتصار سے لیا گیا ہے۔ جس کے معنی ہیں مدد طلب کرنا۔

⁂ (مفردات امام راغب)

آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر مظلوم اکیلا ظالم کے ظلم کا مقابلہ نہیں کر سکتا تو مسلمان خاموشی اختیار نہیں کر سکتے۔ ان کو چاہیے کہ دوسرے مسلمانوں سے مدد طلب کریں۔ اور ساری ملتِ مسلمہ پر فرض ہے کہ ان کی مدد کریں کیونکہ تمام مسلمان ایک جسم اور ایک جان ہیں۔ جب ایک عضو پر کوئی بلا آتی ہے وہ دوسرے اعضاء سے مدد طلب کرتا ہے۔ تمام اعضاء اس کی مدد کے لیے دوڑ پڑتے ہیں۔ اسی طرح اگر کسی مسلمان فرد یا جماعت پر کوئی جابر ظلم کرے تو اس کو ظالم کے مقابلے پر ڈٹ جانا چاہیے۔ مسلمانوں سے مدد طلب کرنی چاہیے۔ مسلمانوں کو مدد کرنی چاہیے۔ البتہ یہ مدد عدل و انصاف پر مبنی ہو۔ اگر مسلمان ظالم ہے تو اس کی مدد نہ کی جائے۔ جناب رسول خدا نے فرمایا: "تم اپنے بھائی کی مدد کرو چاہے وہ ظالم ہو یا مظلوم ہو۔" لوگوں نے پوچھا اگر ظالم ہو تب بھی اس کی مدد کریں؟ فرمایا: "ہاں! اس وقت اس کی مدد کرنا یہ ہے کہ اس کو ظلم کرنے سے روک دو۔" ⁂ (الحدیث)

نیز یہ کہ یہ مدد انتقام اور ظلم کرنے کی نیت سے نہ ہو۔ مظلوم کو ظلم سے بچانے کی حد تک ہو۔

اہلِ ایمان، ظالموں، جابروں کے لیے نرم چارہ نہیں ہوتے ان کی نرمی ان کی کمزوری نہیں ہوتی۔ راہبوں، بھکشوؤں، فقیروں کی طرح مسکین بن کر نہیں رہتے۔ وہ جب غالب ہوتے ہیں تو معاف کرتے ہیں اور کہیں جب کوئی طاقت ان کو بے جا دبانا چاہتی ہے تو ڈٹ کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ایسے

www.drhasanrizvi.com

جابروں، ظالموں، سرکشوں، متکبروں کے لیے وہ لوہے کا چنا ہوتے ہیں کہ جن کو چبانے کی کوشش کرنے والا اپنا ہی جبڑا تڑوا بیٹھتا ہے۔ ☼ (تفسیر کبیر۔ تفہیم۔ مجمع البیان۔ تفسیر نمونہ)

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن
(اقبالؒ)

ینتصرون کا لفظ انتصار سے لیا گیا ہے جس کے معنی ہیں مدد طلب کرنا۔ مطلب یہ ہے کہ اگر مظلوم اکیلا ظالم کا مقابلہ نہیں کرسکتا تو خاموش نہ رہے دوسروں سے مدد لے۔ اور مسلمانوں کا فرض ہے کہ اس کے مدد طلب کرنے پر اس کی مدد کریں مگر یہ مدد انتقام، تجاوز یعنی حد سے نہ بڑھ جائے۔ بس برائی کی سزا برائی جیسی دی جائے اس سے زیادہ نہیں۔ اگر حد سے بڑھے تو خود ظالم ہو جاؤ گے۔ مظلوم کی مدد کرنے میں حد سے نہیں بڑھنا چاہیے۔ ☼ (تفسیر نمونہ)

وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ (۴۰) جب کہ برائی کا بدلہ تو بالکل مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۝۴۰

ویسی ہی برائی ہے۔ مگر جو معاف کر دے اور آپس کے تعلقات اچھے رکھے تو اُس کا ثواب اللہ کے ذمّہ ہے۔

(مگر) یہ حقیقت ہے کہ وہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔

www.drhasanrizvi.com

بدلہ لینے کی جائز حد بس اتنی ہے کہ جتنی بُرائی ، نقصان ، توہین کی گئی ہے اُتنی ہی بُرائی نقصان اور توہین کی جائے ۔ اس سے زیادہ بُرائی کا حق کوئی نہیں رکھتا ۔

لیکن دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ اگر معاف کردینے سے اصلاح کا امکان ہو تو اصلاح کی خاطر بدلہ لینے کے بجائے معاف کردینا بہتر ہے ۔ کیونکہ معاف کرنا مشکل کام ہے اس لیے خدا نے اس پر اجر کا وعدہ فرمایا ہے ۔ ⁂ (تفسیر کبیر ۔ تفسیر نمونہ ۔ تفہیم)

سوال یہ ہے کہ ظالم کے ظلم کو سَيِّئَةٍ (برائی) فرمایا تو درست فرمایا ۔ مگر ظلم کی سزا کو بھی سَيِّئَةٌ (ویسی ہی برائی) کیوں فرمایا ؟ اصل میں عربی میں ایک اصول ہے جسے برابر کا قرینہ کہتے ہیں ۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ سزا بھی ایک دکھ اور تکلیف ہوتی ہے ۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ سزا دینا بذاتہ ایک بُری چیز ہے ۔ اگرچہ ظلم اور جُرم کی سزا دینا اچھا کام ہے ۔ چوتھے یہ کہ سزا دینے سے اچھا معاف کرنا ہے ۔ معاف کرنے کے مقابلے پر سزا دینا بہرحال بُرا کام ہے ۔ بہرحال اگر مجرم شرمندہ ہو جائے تو معاف کرنا بہتر ہے ۔ جناب رسولؐ خدا نے فرمایا :

" جب قیامت کا دن ہو گا تو خدا کی طرف سے ایک پکارنے والا پکارے گا ۔ جس شخص کا اجر خدا پر واجب ہے وہ جنّت میں چلا جائے ۔ پوچھا جائے گا ۔ ایسا کون ہے جس کو اجر دینا خدا پر واجب ہے ؟ جواب ملے گا : " جن لوگوں نے لوگوں کو معاف کر دیا ہے ۔ "

اس طرح وہ لوگ بغیر حساب کتاب جنت میں چلے جائیں گے ۔ "

⁂ (تفسیر مجمع البیان)

www.drhasanrizvi.com

وَلَمَنِ انۡتَصَرَ بَعۡدَ (۴۱) (لیکن) جو کوئی اپنے اوپر ظلم
ظُلۡمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا ہونے کے بعد، بدلہ لے تو یہ
عَلَیۡهِمۡ مِّنۡ سَبِیۡلٍ ﴿۴۱﴾ وہ لوگ ہیں کہ جن پر کوئی الزام
نہیں ہے۔

امام زین العابدینؑ سے روایت ہے کہ جناب رسولؐ خدا نے فرمایا:

"جو شخص تمھارے ساتھ برائی کرے اس کا حق یہ ہے کہ تم اسے معاف کردو۔ ہاں اگر تمھیں یہ علم ہو کہ معاف کرنا مزید نقصان پہنچائے گا تو بدلہ لے لو۔" پھر امامؑ نے اس آیت کو تلاوت فرمایا۔

(تفسیر صافی۔ بحوالہ الخصال)

اِنَّمَا السَّبِیۡلُ عَلَی (۴۲) الزام کے مستحق تو وہ لوگ
الَّذِیۡنَ یَظۡلِمُوۡنَ ہیں جو دوسروں پر ظلم
النَّاسَ وَیَبۡغُوۡنَ فِی کرتے ہیں اور زمین میں ناحق
الۡاَرۡضِ بِغَیۡرِ الۡحَقِّ ستم ڈھاتے اور زیادتیاں کرتے
اُولٰٓئِكَ لَهُمۡ عَذَابٌ ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں کہ جن

www.drhasanrizvi.com

اَلِیۡمٌ ﴿۴۲﴾ کے لیے سخت تکلیف دینے والی سزا ہے۔

پہلے یہ حکم دیا گیا کہ اگر کوئی شخص مظلوم ہو تو اس کو دوسرے مسلمانوں سے مدد طلب کرنی چاہیے۔ کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ اس کو مدد طلب کرنے سے روکے۔ یا اس کو مدد طلب کرنے پر سزا دے۔ مظلوم کو مدد طلب کرنے کا حق ہے اور مظلوم کی مدد کرنا ہر بیدار ضمیر انسان کا فرض ہے

قابل ملامت لوگ وہ ہیں جو ظلم کریں اور کسی کا حق ماریں۔ وہ لوگ زمین پر بغاوت، فساد اور خرابی پیدا کرتے ہیں۔ ان کے لیے دنیا کی بھی سزا ہے اور آخرت میں دردناک عذاب ہے۔ کیونکہ وہ لوگ "یَظۡلِمُوۡنَ النَّاسَ" لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور "یَبۡغُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ بِغَیۡرِ الۡحَقِّ" اور زمین پر بغاوت پھیلاتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ ظلم اور بغاوت میں کیا فرق ہے؟

بعض مفسرین نے لکھا کہ: ظلم کرنے کے معنی ـــــ کسی کا حق مارنا

اور بغاوت کرنے کے معنی ـــــ تکبّر اور خود پسندی سے کام لینا۔

(تفسیر کشاف۔ تفسیر روح المعانی۔ تفسیر روح البیان)

بعض مفسرین نے لکھا کہ: ظلم کرنے کے معنی، لوگوں کا حق مارنا اور بغاوت کرنے کے معنی اسلامی حکومت کی مخالفت کرنا (تفسیر نمونہ۔ تفسیر کبیر)

www.drhasanrizvi.com

لبغی کے اصل معنی تو کسی چیز کے حاصل کرنے کے لیے کوشش کرنا ہوتا ہے۔ لیکن عام طور پر یہ لفظ کسی کے حق کو مارنے کے لیے کوشش کرنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ بغاوت کرنے والا حکومت اسلامی کے حق اختیار کو مارنا چاہتا ہے۔ نیز یہ کہ بغی کا لفظ عام طور پر اللہ کے حق کو نہ ادا کرنے اور اس سے تجاوز کرنے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے ⁂ (مفردات امام راغب)

بعض روایات کی رو سے اس آیت کے اولین مصداق امام مہدیؑ ہیں جو مفسدوں ظالموں سے خدا کے حکم پر بھرپور انتقام لیں گے مگر یاد رہے کہ اس قسم کی تفسیریں آیات کے واضح اور روشن مصداق کو بتلاتی ہیں۔ اس قسم کی حدیثوں سے آیتوں کا عمومی مفہوم اپنے مقام پر باقی رہتا ہے۔

⁂ (تفسیر نمونہ)

وَلَمَنۡ صَبَرَ وَغَفَرَ (۴۳) البتہ جو شخص صبر سے کام لے،
اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنۡ عَزۡمِ اور معاف کردے تو حقیقتاً
الۡاُمُوۡرِ ۴۳ یہ بڑی ہمت کا کام ہے۔

۴
ع۱۲
۵

محققین نے نتیجہ نکالا کہ انسان کا خود اپنا نفس اسے ظلم اور زیادتی کی طرف لے جاتا ہے کیونکہ خداوند عالم نے خود انسان کو حکم دیا ہے کہ وہ صبر سے کام لے۔ اس سے انسان کا اختیار ثابت ہوتا ہے۔ ⁂ (تفسیر ماجدی)

قصاص کا قانون قرآن میں ہے۔ مگر قرآن نے قصاص لینے کا حق دیا ہے۔ قصاص لینے کو فرض نہیں قرار دیا۔ معاف کردینا نہ صرف جائز ہے بلکہ خدا کے نزدیک بہت بڑی فضیلت کا درجہ

www.drhasanrizvi.com

رکھتا ہے جس کی تعریف بیان یوں کی گئی ہے کہ یہ بڑی ہمت کا کام ہے۔ گویا معاف کر دینے والا شاباش کا مستحق ہے جس کا نتیجہ اجرِ عظیم ہے۔ ⁂ (تغیر تبیان)

عزم ۔ کسی کام کے انجام دینے کے لیے پختہ ارادہ کو کہتے ہیں۔ یعنی محکم ارادہ کرنا، ڈٹ جانا، صبر کرنا اور کسی کو معاف کر دینا کوئی آسان کام نہیں ہوتا ۔ یہ کام بڑا زبردست اور پختہ ارادہ کرنے والوں کے بس کی بات ہوتی ہے ۔ ورنہ قدرت ہونے پر انتقام نہ لینا کمزور ارادہ والوں کے تصور میں بھی نہیں آسکتا۔ ⁂ (مؤلف)

وَمَنۡ يُّضۡلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنۡ وَّلِيٍّ مِّنۡۢ بَعۡدِهٖ ؕ وَتَرَى الظّٰلِمِيۡنَ لَمَّا رَاَوُا الۡعَذَابَ يَقُوۡلُوۡنَ هَلۡ اِلٰى مَرَدٍّ مِّنۡ سَبِيۡلٍ ﴿٤٤﴾

(٤٤) اب جسے اللہ گمراہی میں چھوڑ دے تو اللہ کے بعد پھر اُس کا کوئی سنبھالنے والا (یا) مدد کرنے والا سرپرست نہیں ہوتا۔ تم دیکھو گے ایسے ظالم جب (اللہ کی دردناک) سزا کو دیکھیں گے، تو کہیں گے کہ کیا (دنیا میں) واپس پلٹنے کا کوئی راستہ ہے؟

www.drhasanrizvi.com

مطلب یہ ہے کہ خدا نے قرآن جیسی کتاب اور محمد مصطفیٰ جیسا رسول بھیجا۔ ان کی تعلیمات کے بہترین نتائج آنکھوں سے دکھائے۔ اب کوئی شخص یہ سب کچھ دیکھ کر بھی خدا کی ہدایت سے منہ موڑے ہی رہتا ہے تو پھر اللہ اسے اس کی ہی گمراہیوں میں پھینک دیتا ہے۔ کیونکہ وہ خود ان سے نکلنا نہیں چاہتا۔ اب جسے اللہ نے اس طرح دھتکار دیا ہو پھر اسے کون سیدھے راستے پر لا سکتا ہے۔

(تفسیر کبیر۔ تفسیر نمونہ۔ تفہیم۔ مجمع البیان)

آخر میں خدا کا فرمانا کہ: "اب پلٹنے کا کوئی راستہ نہیں"۔ مطلب یہ کہ دنیا میں برائیوں سے پلٹنے کا راستہ تھا تو تم پلٹے نہیں۔ اب اپنی شامت دیکھ کر پلٹنا چاہتے ہو تو اب عقل و اختیار کا امتحان ختم ہو چکا۔ دنیا دار العمل تھی۔ یہ دار الجزاء ہے۔ اب عمل کا یا پلٹنے کا کوئی سوال نہیں۔

(تفہیم۔ مجمع البیان۔ تفسیر نمونہ)

وَتَرٰىهُمْ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا خٰشِعِيْنَ مِنَ الذُّلِّ يَنْظُرُوْنَ مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ ؕ وَقَالَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ

(۴۵) پھر تم دیکھو گے کہ وہ جہنم کے سامنے لائے جائیں گے، تو سر جھکائے ہوئے، ذلت کے عالم میں نظریں بچا بچا کر چھپی نظروں یا کن انکھیوں سے (جہنم کو) دیکھیں گے۔

www.drhasanrizvi.com

خَسِرُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ وَ اَهۡلِيۡهِمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ الظّٰلِمِيۡنَ فِىۡ عَذَابٍ مُّقِيۡمٍ ﴿۴۵﴾

اب جو لوگ خدا و رسولؐ کو دل سے مانتے تھے، وہ کہیں گے کہ واقعی بڑا نقصان اٹھانے والے وہی ثابت ہوئے جنھوں نے قیامت کے دن خود اپنے آپ کو بھی نقصان پہنچایا، اور اپنے اہل وعیال اور رشتہ داروں کو بھی (سخت نقصان پہنچایا) جان لو کہ ظالم لوگ دائمی سزا میں رہیں گے۔

انسان کا طریقہ یہ ہے کہ جب کوئی بہت سخت خطرناک منظر یا سزا سامنے ہوتی ہے تو پہلے ڈر کے مارے آنکھیں بند کر لیتا ہے۔ پھر جب اس سے رہا نہیں جاتا تو آنکھیں بھر کر تو اسے نہیں دیکھ سکتا۔ صرف کن انکھیوں سے اسے دیکھتا ہے۔ پھر ڈر کے مارے آنکھیں بند کر لیتا ہے۔ جہنم میں جانے والوں کی بس یہی کچھ کیفیت ہوگی۔ ⁂ (تفہیم)

طرف خفی ـــــ یعنی نیم باز آنکھوں سے دیکھنا۔ کن انکھیوں سے دیکھنا۔ کیونکہ جہنمی جہنم کی

www.drhasanrizvi.com

چنگھاڑ سے بری طرح گھیرلیے ہوئے خوف سے کانپ کانپ رہے ہوں گے۔ اس لیے پوری آنکھیں کھول کر جہنّم کی طرف دیکھنے کی ان میں ہمت ہی نہ ہوگی۔ اندازہ فرمائیں کہ جب جہنّم کے سامنے پہنچ کر دہشت اور خوف کا یہ عالم ہوگا تو پھر جہنّم کے اندر جاکر کیا حالتِ زار ہوگی؟ (الامان الحفیظ) ❋ (تفسیرنمونہ)

خدا کا فرماناکہ: مومنین جہنّمیوں کے لیے کہیں گے کہ "صحیح معنیٰ میں ان لوگوں نے نقصان اٹھایا" تو جہنّمیوں کا اس سے بڑا نقصان اور کیا ہوسکتا ہے کہ وہ اپنی ہستی ہی کو کھو بیٹھے۔ اپنے بیوی بچوں سے الگ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنّم جیسے خدا کی سزا میں گرفتار ہوئے۔ وہ بھی ایسی سزا جو ہر دم بڑھتی ہی چلی جائے گی اور کبھی کم نہ ہوگی۔ نہ اس کی مدت معیّن نہ وقت۔ ہر دم جسم وجاں کو پگھلاتی، جلاتی، بھسم کرتی رہے گی۔

ع "جلا کے راکھ نہ کردوں تو داغؔ نام نہیں"

ظاہر ہے کہ یہ الفاظ کامل الایمان لوگ ہی کہہ سکیں گے۔ اور کامل الایمان انبیاء کرامؑ ہیں یا ان کے اوصیاء کرام۔ یعنی ائمہ اہل بیتؑ ہیں یا پھر اولیائے خدا یعنی خدا کے خاص اطاعت کرنے والے بندے ہیں۔ وہی یہ بات کہنے کے اوّلین مستحق ہیں۔ ❋ (تفسیر نورالثقلین۔ جلد۴)

وَمَا كَانَ لَهُمۡ مِّنۡ (۴۶) اُن کے کوئی حامی یا سرپرست
اَوۡلِيَآءَ يَنۡصُرُوۡنَهُمۡ نہ ہوں گے جو اللہ کے مقابلے
مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ ؕ وَمَنۡ پر اُن کی مدد کو آئیں۔ غرض
يُّضۡلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ جسے اللہ گمراہی میں چھوڑ دے

www.drhasanrizvi.com

مِنْ سَبِيلٍ ﴿٤٦﴾ (یا) گمراہ قرار دیدے اُس کے لیے بچاؤ کا کوئی راستہ نہیں۔

یہ اُن لوگوں کی مذمت کی جارہی ہے جنھوں نے حق کو تلاش کرنے کی کوشش تک نہ کی۔ اسی لیے ان کو ان کی گمراہیوں میں چھوڑ دیا گیا۔ خدا کا کسی کو گمراہیوں میں چھوڑ دینا (یا بقول بعض مفسرین کے خدا کا گمراہ کرنا) ہمیشہ تکوینی حیثیت سے بطور مسبب الاسباب ہوتا ہے۔ ☼ (تفسیر ماجدی)

خدا گمراہ کرتا نہیں البتہ گمراہ قسم کے ضدی حق دشمنوں کو ان کی گمراہیوں میں چھوڑ دیا کرتا ہے۔ اس عمل کو "خدا کا گمراہ کرنا" کہنا کسی طرح مناسب نہیں ہے۔ نہ عقلاً، منطقاً اور نہ یہ کہنا خدا کے شایان شان ہے۔ اس لیے کہ خدا ہر عیب سے پاک ہے اور کسی کو گمراہ کرنے سے بڑا کوئی عیب تصور میں بھی نہیں آسکتا۔

☼ (مؤلف)

آخر میں خداوند عالم کا یہ فرمانا کہ:

"ان کے لیے خدا کے علاوہ ان کے اولیاء (دوست) اور مددگار نہیں ہوں گے جو ان کی مدد کو پہنچیں"

یعنی وہاں ان کا کوئی دوست، سرپرست، مددگار نہ ہوگا جن سے وہ مدد حاصل کرسکیں۔

پھر خدا کا یہ فرمانا: "جسے خدا گمراہی میں چھوڑ دے اس کے لیے کوئی نجات کا راستہ نہیں۔" گویا نہ ان کا کوئی مددگار ہوگا نہ ان کے لیے نجات ہوگی۔ مددگاروں کی بھی نفی کردی گئی اور نجات کی بھی نفی کردی گئی۔ کیونکہ مقصد تک پہنچنے کے لیے دو چیزیں درکار ہوتی ہیں

۱:- سیدھا راستہ۔ ۲:- سیدھا راستہ دکھانے والا راہنما۔

www.drhasanrizvi.com

یہ گمراہ لوگ دونوں چیزوں سے محروم ہوں گے۔ ☼ (تفسیر نمونہ)

اس سے بڑی محرومی اور کیا ہو سکتی ہے؟ ☼ (مؤلف)

ع "اس طرح تو ہوتا ہے اس طرح کے کاموں میں"

اِسْتَجِيبُوا لِرَبِّكُمْ (۴۷) اپنے پالنے والے مالک کی
مِّنْ قَبْلِ أَنْ يَّأْتِيَ بات کو مان لو، اس سے
يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهُ مِنَ پہلے کہ وہ (موت کا) دن
اللّٰهِ ط مَا لَكُمْ مِّنْ آجائے جسے اللہ کی طرف
مَّلْجَإٍ يَّوْمَئِذٍ وَّمَا سے پھر پلٹنا نہیں (یا) اس
لَكُمْ مِّنْ نَّكِيرٍ ﴿۴۷﴾ سے پہلے کہ وہ دن آجائے

جس کے ٹلنے کی کوئی صورت اللہ کی طرف سے نہیں ہے (یعنی جسے نہ تو اللہ ہی ٹالے گا اور نہ کوئی اور طاقت اُسے ٹال سکتی ہے) اس دن تمہارے لیے کوئی پناہ لینے کی جگہ نہ ہوگی۔ اور نہ تمہارے لیے (وہاں جانے سے یا اپنے بُرے کاموں سے)

www.drhasanrizvi.com

انکار اور اعتراض کی کوئی گنجائش ہوگی (یا) نہ نوعیتِ عذاب سے انکار کر کے (اس میں تبدیلی کرانا ممکن ہوگا)

اعتراض و انکار کے تین معنی

آیت کے آخری لفظ "نکیر" کا ترجمہ ہے: "اعتراض کی کوئی گنجائش نہ ہوگی۔" ❊ (مطابق تفسیر جلالین)

دوسرا مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس قسم کے عذاب کا انکار کر کے اس عذاب میں تبدیلی یا کمی کرانا ممکن نہ ہوگا۔ ❊ (مجمع البیان)

"نکیر" کے تیسرے معنی "اعتراض کرنا" بھی ہوتے ہیں۔ مطلب یہ ہوگا کہ خدا کے سامنے کوئی ایسا نہ ہوگا جو خدا کے باغیوں کی سزا پر اعتراض کر سکے ❊ (تفسیر تبیان)

آخری مطلب یہ ہے کہ خدا کی سزا ایسی سخت اور زبردست، نہ ٹلنے والی ہوگی کہ نہ تو خدا اس کو ٹالے گا اور نہ کسی دوسرے میں یہ طاقت ہوگی کہ اسے ٹال سکے۔ ❊ (تفہیم)

آیت کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ اے کافرو! خدا کے سامنے تم اپنے کرتوتوں کا انکار نہیں کر سکو گے اور نہ کہیں بھیس بدل کر چھپ سکو گے۔ اور جو کچھ سزا کے طور پر تمہارا حشر نشر کیا جائے گا اس پر نہ اعتراض کر سکو گے اور نہ ناراضگی کا اظہار کر سکو گے، نہ اپنی حالت کو بدل سکو گے۔ ❊ (مفردات امام راغب۔ تفہیم)

فَاِنۡ اَعۡرَضُوۡا فَمَاۤ (۴۸) اب بھی اگر وہ منہ موڑتے ہیں،

www.drhasanrizvi.com

اَرۡسَلۡنٰكَ عَلَيۡهِمۡ حَفِيۡظًا ؕ اِنۡ عَلَيۡكَ اِلَّا الۡبَلٰغُ ؕ وَاِنَّاۤ اِذَاۤ اَذَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنَّا رَحۡمَةً فَرِحَ بِهَا ۚ وَاِنۡ تُصِبۡهُمۡ سَيِّئَةٌ ۢ بِمَا قَدَّمَتۡ اَيۡدِيۡهِمۡ فَاِنَّ الۡاِنۡسَانَ كَفُوۡرٌ ﴿۴۸﴾

توہم نے آپؐ کو اُن کا کوئی نگہبان بنا کر تو نہیں بھیجا۔ آپؐ پر تو صرف بات کے پہنچا دینے کے سوا اور کوئی ذمّہ داری نہیں۔ (انسان کا حال تو یہ ہے کہ) جب ہم اسے اپنی رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں تو وہ اُس پر پھول جاتا ہے۔ اور اگر انھیں اُن کے اُن بُرے کاموں کے نتیجہ میں جو وہ کر چکے ہیں کوئی نقصان یا بُرائی پہنچتی ہے، تو وہ سخت ناشکرا بن جاتا ہے۔

- اس آیت میں خداوند عالم نے نعمتوں کا مزہ چکھانے کا ذکر "اِذَا" (یعنی) "جب" کے لفظ سے شروع کیا ہے کہ فرمایا: "جب ہم اسے اپنی رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں۔" اور بُرے کاموں کے نتیجہ کا ذکر "اِن" (یعنی) "اگر" کے لفظ سے شروع کیا ہے۔ فرمایا: "اگر انھیں ان کے بُرے کاموں

www.drhasanrizvi.com

کے نتیجے میں کوئی نقصان پہنچا"۔ اس سے محققین نے نتیجہ نکالا کہ نعمتوں کا ذائقہ چکھانا تو یقینی سو فیصدی ہوگا جبکہ نقصان پہنچانا ضروری نہیں ہے۔ ☼ (تفسیر صافی)

خدا اپنے رسولؐ سے کہہ رہا ہے کہ ہم نے تم پر یہ ذمہ داری نہیں ڈالی ہے کہ تم ان کافروں کو ضرور بدل دو۔ سیدھا کر کے دکھاؤ۔ اور نہ ہم تم سے یہ پوچھیں گے کہ یہ لوگ کیوں سیدھے راستے پر نہیں آئے تھے؟ تم کوئی ان کو ہدایت پر لانے کے ٹھیکیدار نہیں بنائے گئے ہو۔ بلکہ تم پر صرف اور صرف ہماری بات ان تک پہنچا دینے کی ذمہ داری ہے۔ منوانے کی ذمہ داری نہیں ہے۔

☼ (تفسیر کبیر۔ مجمع البیان۔ تفسیر نمونہ۔ تفہیم)

آخر میں خدا نے کافروں مشرکوں پر ... چوٹ نہیں کی بلکہ عام کلیہ کے طور پر بیان فرمایا ہے کہ چھچھورے قسم کے لوگ رزق ملنے پر پھولے نہیں سماتے۔ ان کو سمجھایا جاتا ہے تو سننے تک کو تیار نہیں ہوتے۔ مگر جب اُن پر اُن کے کرتوت کی وجہ سے کوئی شامت آجاتی ہے تو قسمت پر رونا شروع کر دیتے ہیں۔ نہ خوشحالی میں ان کی اصلاح ہوتی ہے اور نہ بدحالی میں۔ ☼ (تفسیر کبیر۔ تفہیم)

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ (۴۹) (خدا کی ناشکری سے کیا ہوتا

وَالْاَرْضِ ۭ يَخْلُقُ مَا ہے کیونکہ) اللہ تو زمین اور

يَشَاۗءُ ۭ يَهَبُ لِمَنْ آسمانوں کی حکومت کا مالک

يَّشَاۗءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ ہے۔ وہ جو چاہتا ہے پیدا

www.drhasanrizvi.com

لِمَنۡ یَّشَآءُ الذُّکُوۡرَ ﴿۴۹﴾ کرتا ہے۔ جسے چاہتا ہے لڑکیاں دیتا ہے، جسے چاہتا ہے لڑکے دیتا ہے۔

محققین نے نتیجہ نکالا کہ خدا کا کسی کو بیٹے اور کسی کو بیٹیاں دینا کچھ اندھا دھند اٹکل پچو نہیں ہوا کرتا بلکہ بے انتہا حکمتوں اور بے شمار مصلحتوں کی بنا پر ہو رہا ہے۔ اس لیے کہ یہ عمل ایک حکیم مطلق کے زیرِ انتظام ہو رہا ہے جس کے اختیارات محدود نہیں بلکہ لامحدود ہیں۔ آیت میں خدا کی عام قدرت کا بیان ہے کسی خاص واقعہ کا بیان نہیں ہے ❊ (تفسیر کبیر)

آیت کا پیغام یہ ہے کہ یہ کافر، مشرک، حق دشمن، منافق، بدکار لوگ اگر سمجھانے سے نہیں مانتے تو نہ مانیں۔ یہ حقیقت اٹل اور ثابت ہے کہ زمین اور آسمانوں کی بادشاہی، بادشاہوں، حکمرانوں، وڈیروں، سرمایہ داروں، سرداروں، جباروں کے حوالے نہیں کی گئی ہے۔ بلکہ زمین اور آسمانوں کی بادشاہی کی مالک صرف اور صرف اکیلی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

اللہ کی مطلق بادشاہی *Absolute authority* کا ثبوت یہ ہے کہ کوئی انسان خواہ نبی ہو یا ولی، بادشاہ ہو یا شہنشاہ اپنی خواہش کے مطابق اپنی اولاد بھی نہیں پیدا کر سکتا جسے خدا نے بانجھ کر دیا وہ کسی دوا تعویذ سے صاحب اولاد نہیں ہو سکتا۔ جسے چاہتا ہے بیٹیاں دیتا ہے جسے چاہتا ہے بیٹے دیتا ہے۔ ان تمام باتوں کے باوجود بھی اگر کوئی احمق، سرپھرا، خود کو خدا کی خدائی میں خود مختار یا دخیل سمجھے تو اس کے سمجھنے سے حقیقت میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں آسکتا۔ ❊ (تفسیر کبیر۔ تفہیم۔ تفسیر نمونہ۔ مجمع البیان)

www.drhasanrizvi.com

نتائج وتعلیمات

(۱) اس آیت میں لڑکیوں کا ذکر پہلے کیا گیا ہے۔ لڑکوں کا ذکر بعد میں کیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسلام میں عورتوں کو کتنی اہمیت دی گئی ہے۔

(۲) جو لوگ لڑکیوں کی پیدائش کو برا سمجھتے ہیں۔ انھیں بتایا جارہا ہے کہ تمہارا خیال غلط ہے۔ اور یہ بھی بتایا جارہا ہے کہ لڑکا، لڑکی پیدا کرنے کا اختیار خدا کے ہاتھ میں ہے، تمہارے ہاتھ میں نہیں۔

(۳) خداوند عالم نے "زوج" کا لفظ استعمال کیا جس کے معنی دو چیزوں کے جوڑے کے ہوتے ہیں جو ایک دوسرے کے ہم پلہ یا برابر ہوں۔ یعنی مرد عورت دونوں اللہ کے نزدیک مرد عورت ہونے کی حیثیت سے ایک دوسرے کے برابر ہیں۔ البتہ ان دونوں میں جو زیادہ متقی ہوگا وہ خدا کے نزدیک زیادہ عزت والا ہوگا۔

(تفسیر نمونہ۔ مفردات امام راغب)

اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا (۵۰) وَّاِنَاثًا ۚ وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ﴿۵۰﴾

جسے چاہتا ہے لڑکے اور لڑکیاں دونوں ملا جلا کر دیتا ہے۔ اور جسے چاہتا ہے بے اولاد رکھتا ہے۔ غرض وہ سب کچھ جاننے والا بھی ہے اور ہر طرح کی قدرت رکھنے والا بھی۔

www.drhasanrizvi.com

عقیم ـــ کا لفظ عقم کے مادے سے ہے۔ جس کے اصل معنی ایسی خشکی جو کسی کا اثر قبول نہ کرے۔

عقیم اس عورت کو کہا جاتا ہے جس کا رحم، مرد کا نطفہ قبول نہیں کرتا۔ یا بچہ کو اپنے اندر پرورش کرنے کا اثر قبول نہیں کرتا۔

ان ہواؤں کو عقیم کہا جاتا ہے جو بارش برسانے والے بادلوں کو آپس میں جوڑ نہیں سکتیں۔ اس لیے بارش نہیں برساتیں۔

اس دن کو عقیم کہتے ہیں جس میں کسی قسم کی خوشی حاصل نہ ہو۔

قیامت کے دن کو یوم عقیم اس لیے کہا گیا ہے کہ قیامت کے بعد کوئی اور دن ایسا نہ ہوگا جس میں پچھلے گناہوں کی تلافی کی جاسکے۔

(مفردات امام راغب۔ لغات القرآن نعمانی۔ تفسیر نمونہ۔ تفسیر کبیر)

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ (۵۱) اور کسی آدمی کو یہ حق حاصل
اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا نہیں کہ اللہ اُس سے آمنے
وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ سامنے ہو کر بات کرے۔
حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا اُس کی بات چیت تو وحی
فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا (یعنی خفیہ پیغام رسانی) کے
يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ عَلِيٌّ ذریعہ ہوتی ہے یا پردے

www.drhasanrizvi.com

حَكِيمٌ ۝٥١ کے پیچھے سے (ہوتی ہے)'

یا پھر وہ کوئی پیغام لے جانے والا (فرشتہ) بھیجتا ہے، تو وہ اُس کے حکم سے جو کچھ بھی خدا چاہتا ہے 'وحی' (یعنی) خُفیہ اشارے کے ذریعہ (خدا کا پیغام) پہنچا دیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ خدا بہت بلندی والا بھی ہے اور گہری حقیقتوں کی بنیاد پر دانائی کے ساتھ بالکل ٹھیک کام کرنے والا بھی ہے۔

وحی کی حقیقت

جدید مفکرین نے انسائیکلوپیڈیا کے زمانے تک پچاس بڑی بڑی کتابیں وحی کے موضوع پر لکھی ہیں اور وحی کو بہت اہم مسئلہ قرار دیا ہے۔

جدید فلسفی وحی کو "شعور و ادراک کی ایک زبردست تجلّی یا روشنی" سمجھتے ہیں۔ وہ اس کو مخفی وجدان یعنی آگاہ شعور سے بہت زیادہ طاقتور چیز سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک کیونکہ انبیاء کرام عام قسم کے آدمی نہیں تھے، ان کا وجدان اور شعور بہت زیادہ طاقتور تھا اس لیے وہ غیر معمولی پیغامات وصول کر سکتے تھے۔

اب کیونکہ یہ جدید فلسفی خدا کے وجود کو مانتے ہی نہیں ہیں اس لیے وہ یہ نہیں کہہ سکے کہ انبیاء کرام خدا کے پیغام کو وصول کر سکتے تھے۔

www.drhasanrizvi.com

جدید فلاسفر کی اصل غلطی یہ ہے کہ انھوں نے وحی کو اپنے سائنسی معیار پر جانچنے کی کوشش کی۔ اب کیونکہ وہ خدا کے پیغامات کو جو انبیاء پر آتے ہیں لیباریٹری میں چیک اور ٹیسٹ نہیں کر سکتے، اس لیے وہ اس وحی کا انکار کرتے ہیں جو انبیاء کو خدا سے وصول ہوتی ہے۔

وہ انبیاء کرام کو بس دانشوروں سے دو قدم آگے بہت زیادہ عقل مند لوگ سمجھتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ یہ فلسفہ انبیاء کا انکار ہے کیونکہ وہ خدا ہی کو نہیں مانتے اس لیے انبیاء کی حقیقت کیسے سمجھ سکتے ہیں؟

کنویں کا مینڈک صحراؤں اور آسمانوں کی باتیں کیسے جان سکتا ہے۔

ے اچھا ہے کہ بے چارے ممولوں کی نظر سے
پوشیدہ رہیں باز کے احوال و مقامات (اقبال)

ے فلسفی کو بحث کے اندر خدا ملتا نہیں ڈور کو سلجھا رہا ہے پر سرا ملتا نہیں
(اکبر)

اصل حقیقت یہ ہے کہ وحی، خدا اور بندے کے رابطے کا نام ہے۔ یہ ایک قسم کا ادراک ہے جس کا ہم ادراک نہیں کر سکتے۔ عالم وحی ہمارے لیے نامعلوم چیز ہے جس کا ادراک ہمارے لیے ناممکن ہے۔

دلیلِ عقلی یہ ہے کہ ہمارے پاس کوئی عقلی دلیل نہیں ہے کہ جو وحی کے امکان کی نفی کرسکے کیونکہ ہم اس کائنات میں بہت سے رمز، راز اور روابط ایسے دیکھتے ہیں کہ ان کی حقیقت کو نہیں سمجھ سکتے۔ اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ہمارے حواس و ادراک سے بلند کچھ اور ادراک اور روابط ضرور موجود ہیں۔ ع "کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے"

www.drhasanrizvi.com

ع "پردہ ڈالا ہے وہ اس نے کہ اٹھائے نہ اٹھے"

وحی چھٹی حس سے بھی کوئی بہت بلند چیز ہے جس کے ذریعہ انسان خدا سے رابطہ پیدا کرلیتا ہے مگر ہم کو کیونکہ اس کا تجربہ نہیں ہے اس لیے ہم اس کا ادراک نہیں کرسکتے۔ صرف اس کے آثار دیکھ کر اس پر ایمان لاتے ہیں۔ کیا ہم نے کائنات کے سارے مادی راز سمجھ لیے ہیں کہ ہم اس روحانی راز کو نہ سمجھنے پر اس کا انکار کر دیں جبکہ وحی کے آثار ہم خود دیکھ رہے ہیں؟ ❋ (تفسیر نمونہ)

شانِ نزول

یہودی رسولِ خدا کے پاس حاضر ہوئے اور کہا کہ: "آپ خدا سے براہ راست باتیں کیوں نہیں کرتے؟ خدا کو اپنی آنکھوں سے کیوں نہیں دیکھتے؟ جس طرح حضرت موسیٰؑ نے خدا سے باتیں کی تھیں، آپؐ اس طرح خدا سے باتیں کیوں نہیں کرتے؟ آپؐ موسیٰؑ کی طرح خدا کو کیوں نہیں دیکھتے؟ ہم تو آپؐ کو جب مانیں گے جب آپؐ یہ سب کچھ کرکے دکھائیں گے۔"

جناب رسولِ خدا نے فرمایا: "حضرت موسیٰؑ نے خدا کو کبھی نہیں دیکھا۔" اسی موقع پر یہ آیت اتری

❋ (تفسیر قرطبی، جلد ۸، ص۵۸۴۳)

آیت کا خلاصہ

یہ ہے کہ انبیاءِ کرام کا خدا سے رابطہ تین طریقوں سے ہوتا ہے:

(۱) دل پر القاء ہوتا ہے۔ یعنی خدا جو کہنا چاہتا ہے انبیاءِ کرام کے دل میں ڈال دیا کرتا ہے جیسے کہ خدا نے فرمایا: "ہم نے نوحؑ کو وحی کی کہ ہمارے سامنے ہمارے اشاروں پر کشتی بناؤ۔"

❋ (سورۂ مومنون ۲۳ - ۲۷ - پ۱۸)

(۲) پردے کے پیچھے سے۔ جس طرح خدا نے حضرت موسیٰؑ سے باتیں کیں۔ خواب بھی اسی

www.drhasanrizvi.com

میں آتے ہیں۔

(۳) فرشتہ کے ذریعہ۔ جس طرح خدا نے ہمارے رسولؐ سے باتیں کیں کہ فرمایا: "کہہ دیجیے کہ جو شخص جبرئیلؑ کا دشمن ہے (وہ خدا کا دشمن ہے) کیونکہ اس نے خدا ہی کے حکم پر قرآن تمہارے دل پر اتارا ہے۔" (سورہ بقرہ ۹۷، پ۱، ع۲)

☼ (تفسیر کبیر۔ تفسیر نمونہ۔ مجمع البیان)

یہاں وحی سے مراد القا کرنا، دل میں بات ڈالنا، سچے خواب میں کچھ دکھانا۔

☼ (مفردات امام راغب)

جب خدا کسی پر وحی کرتا ہے تو کبھی وہ انسان ایک آواز سنتا ہے مگر بولنے والا اسے نظر نہیں آتا جس طرح کہ حضرت موسیٰؑ کے ساتھ ہوا ☼ (تفسیر کبیر)

غرض لغت میں وحی کے معنی خفیہ اور سریع اشارے کے ہیں۔

☼ (لغات القرآن نعمانی۔ لسان العرب)

آخر میں خداوند عالم کا خود کو برتر (علی) کہنے کا مطلب یہ ہے کہ خداوند عالم کی ذات اس بات سے بہت بلند و بالا ہے کہ کسی آدمی سے روبرو کلام کرے۔ پھر یہ کہ وہ اتنا بلند ہے کہ وہ خفیہ پیغام بھی بھیج کر اپنی ہدایت کا کام انجام دے سکتا ہے۔

قرآن اور حدیث سے ثابت ہے کہ جنابِ رسولؐ خدا پر تینوں طریقوں سے وحی کی گئی۔

رسولؐ خدا پر وحی آنے کی ابتدا سچے خوابوں سے ہوئی۔ ☼ (بخاری و مسلم)

قرآن اور احادیث میں آپؐ کے سچے خوابوں کی تفصیلات ملتی ہیں۔ (سورہ فتح آیت ۲۷، پ۲۶، ع۴۸)

جناب رسولؐ خدا نے فرمایا: "فلاں بات میرے دل میں ڈال دی گئی۔ یا مجھے یہ بات بتلائی گئی

www.drhasanrizvi.com

یا مجھے حکم دیا گیا یا مجھے اس سے منع کیا گیا۔" یہ سب باتیں وحی کی پہلی قسم یعنی خدا کا اشارہ ہیں۔

پھر معراج میں وحی کی دوسری قسم سے حضورؐ کو نوازا گیا۔ یعنی خدا نے پردے کے پیچھے سے آپؐ سے کلام فرمایا۔

تیسری قسم کی وحی کی خود قرآن نے کئی بار گواہی دی کہ اس قرآن کو جبرئیلؑ کے ذریعے رسولِ خدا تک پہنچایا گیا۔ ⁂ (القرآن سورہ بقرہ ۹۷ ۔ پ ۔ شعراء ۔ ۱۹۲ ۔ پ ۱۹ ۔)

وحی کے معنی

تیزی کے ساتھ اشارہ کرنا۔ خواہ وہ رمز یہ کلام کے ذریعہ ہو یا الفاظ کے بغیر ہو۔ ⁂ (مفردات امام راغب)

معلوم ہوا کہ وحی میں دو چیزیں ہوتی ہیں (۱) اشارہ (۲) وہ بھی تیزی سے۔

قرآن میں وحی کا لفظ انبیاء کے لیے بھی استعمال ہوا ہے۔ انسانوں، شیطانوں بلکہ مکھی تک کے لیے استعمال ہوا ہے۔ ⁂ (تفسیر نمونہ)

حضرت علیؑ نے وحی کی سات قسمیں بیان فرمائی ہیں

۱:۔ وہ وحی جو انبیاء کرام اور رسولوں پر آتی ہے۔ جیسا کہ خدا نے فرمایا: "ہم نے تیری طرف ویسے ہی وحی بھیجی جیسے نوحؑ اور ان کے بعد دوسرے انبیاء کی طرف وحی بھیجی تھی (جیسے) ابراہیمؑ، اسمٰعیلؑ، اسحاقؑ، یعقوبؑ، اسباط (بنی اسرائیل) عیسیٰؑ، ایوبؑ، یونسؑ، ہارونؑ، سلیمانؑ کی طرف وحی بھیجی تھی۔ اور (اسی طرح) داؤدؑ کو ہم نے زبور عطا کی تھی۔" ⁂ (سورہ نساء / ۱۶۳ ۔ پ ۶)

۲:۔ وحی بطور الہام یا ہدایت۔ جیسا کہ خداوند عالم نے فرمایا: "اور تمہارے پالنے والے

www.drhasanrizvi.com

مالک نے شہد کی مکھی کی طرف وحی (الہام) کیا۔" (سورۂ نحل[۱۶] - ۶۸ - پ[۱۴])

یعنی اس کے دل میں یہ بات ڈال دی۔

۳:- وحی بمعنی اشارہ - جیسے کہ خدا نے فرمایا: "زکریاؑ نے محراب عبادت سے باہر نکل کر لوگوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ صبح شام خدا کی تسبیح کیا کرو۔" (سورۂ مریم[۱۹] - ۱۱ - پ[۱۶])

۴:- وحی بمعنی تقدیر - جیسا کہ خداوند عالم نے فرمایا: "خدا نے ہر آسمان میں تقدیر اور تدبیر کو لازم قرار دیا ہے۔" (سورہ حٰم سجدہ[۴۱] - ۱۲ - پ[۲۴])

۵:- وحی بمعنی امر - خداوند عالم نے فرمایا: "اس وقت کو یاد کرو جب میں نے حواریوں کو حکم دیا (وحی کی) کہ مجھ پر اور میرے رسولؑ پر ایمان لے آؤ۔" (سورہ مائدہ[۵] - ۱۱۱ - پ[۷])

۶:- وحی بمعنی جھوٹ بولنا - جیسا کہ خدا نے فرمایا: "اس طرح ہم نے ہر ہر نبی کے مقابلے پر، انسانوں اور جنوں کے شیطانوں میں سے ایک نہ ایک کو ان کا دشمن قرار دیا تاکہ وہ شیاطین جھوٹ اور فریب کی باتوں کو ایک دوسرے تک خفیہ طور پر پہنچاتے رہیں۔ (یُوحِیْ بَعْضُهُمْ اِلٰی بَعْضٍ)
(سورہ انعام[۶] - ۱۱۲ - پ[۸])

۷:- وحی بمعنی خبر - جس طرح کہ خدا نے ائمہ کے لیے فرمایا: "اور ہم نے انھیں امام (پیشوا) بنایا جو ہمارے حکم کے مطابق ہدایت کرتے تھے اور ہم نے انھیں نیک کام انجام دینے کی خبر دی۔
(وَاَوْحَیْنَاۤ اِلَیْهِمْ فِعْلَ الْخَیْرٰتِ) (سورۂ انبیاء[۲۱] - ۷۳ - پ[۱۷])

:- (ماخوذ از بحار الانوار، جلد ۱۸، صفحہ ۲۵۴)

عبد اللہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ کے پاس جبرئیلؑ ساٹھ ہزار ۶۰،۰۰۰ دفعہ آئے (بحار الانوار)

www.drhasanrizvi.com

غرض وحی کی حقیقت کے بارے میں ہم اتنا جانتے ہیں کہ عظیم لوگ آئے اور انھوں نے ہمارے سامنے ایسے ایسے مسائل اور ان کے حل پیش کیے جن کا سمجھنا اور حل کرنا انسان کی طاقت سے بالکل باہر تھا۔ اس سے ثابت ہوگیا کہ مادی کائنات سے ماورا کسی بڑی عظیم ہستی سے ان کا مستحکم رابطہ تھا

(تفسیر نمونہ)

امام جعفر صادقؑ سے پوچھا گیا کہ وہ غشی کیا تھی جو وحی کے موقع پر رسولؐ پر طاری ہوا کرتی تھی؟ امامؑ نے فرمایا: "یہ اس وقت ہوتا تھا جب آپؐ کے اور خداوندِ عالم کے درمیان کوئی واسطہ نہیں ہوتا تھا۔ اور آپؐ پر براہ راست خداوند عالم کی تجلی ہوتی تھی۔" (بحار الانوار، جلد ۸۔ توحید، شیخ صدوق)

لیکن جب جبرئیلؑ، رسولؐ خدا کے پاس تشریف لاتے تھے تو نہایت ادب و احترام کے ساتھ سامنے آتے تھے۔ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: "جب جبرئیلؑ نبیؐ کی خدمت میں آتے تھے تو آپؐ کے سامنے غلاموں کی طرح بیٹھ جاتے تھے اور آپؐ سے اجازت لیے بغیر کبھی اندر داخل نہ ہوتے تھے۔"

(بحار الانوار، جلد ۱۸۔ علل الشرائع)

نیز امامؑ نے فرمایا: "رسولؐ خدا، جبرئیلؑ کو خدا کی دی ہوئی توفیق (خاص صلاحیت) کی وجہ سے پہچان لیا کرتے تھے" (بحار الانوار، جلد ۱۸)

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ: "جب رسولِ خداؐ پر (خدا کی براہ راست) وحی اترتی تھی تو آپ کو اپنے اندر سخت درد محسوس ہوتا تھا۔ اور آپؐ زبردست بوجھ محسوس کرتے تھے۔" اسی بات کو قرآن نے یوں بیان کیا ہے۔ "ہم بہت جلد تم پر بھاری بھرکم باتیں القا کریں گے۔" (المزمل ۷۳۔ ۵۔ پ ۲۹)

(بحار الانوار۔ جلد ۱۸)

www.drhasanrizvi.com

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ	(۵۲) اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے
اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ	ایک "روح" (مراد وحی،
اَمْرِنَا ؕ مَا كُنْتَ	تعلیم، پیغام یا خدا کی ایک
تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ	خاص عظیم مخلوق) آپؐ کی
وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ	طرف بھی وحی کی ہے۔ آپؐ
جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ	نہیں جانتے تھے کہ کتاب
بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ	کیا ہے اور ایمان کس چیز
عِبَادِنَا ؕ وَاِنَّكَ	کا نام ہے۔ مگر اُس روح کو
لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ	ہم نے ایک روشنی بنا دیا
مُّسْتَقِيْمٍ ۙ﴿۵۲﴾	جس سے ہم اپنے بندوں میں

سے جسے چاہتے ہیں، راستہ دکھاتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ یقیناً آپ سیدھے راستہ کی طرف ہدایت کر رہے ہیں۔

امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے: "اللہ کی مخلوق میں روح ایسی مخلوق ہے جو

www.drhasanrizvi.com

عظمت میں جبرئیلؑ اور میکائیل سے بھی زیادہ ہے۔ وہ ہمیشہ رسولِ خدا کے ساتھ ساتھ رہی۔ اور آپؐ کو خدا کے پیغامات پہنچاتی رہی اور مشورے بھی دیتی رہی۔ جناب رسولِ خدا کے بعد یہ روح ائمہ اہلبیتؑ کے ساتھ ساتھ رہی۔ کیونکہ جب سے یہ روح خدا نے رسولِ خدا کے پاس بھیجی پھر وہ پلٹ کر واپس نہیں گئی اب بھی وہ ہم میں موجود ہے۔" ❊ (تفسیر صافی بحوالہ کافی)

خداوندِ عالم کا یہ فرمانا کہ اے رسولؐ آپ نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے؟ اور ایمان کیا ہے؟ اس کا یہ مطلب نہیں کہ جناب رسولِ خدا اعلانِ رسالت سے پہلے چالیس سال اسی عالم میں رہے۔ یہ کہنا ناروا جسارت ہی نہیں ہے بلکہ حقیقت کے بھی خلاف ہے۔ (یہ صرف ابتدائے تخلیق کے زمانے کے متعلق ہے کیونکہ بعد میں) خداوندِ عالم نے اپنے رسولؐ کو وہ علم عطا فرمایا جو نہ اوّلین میں کسی کو ملا اور نہ آخرین میں کسی کو دیا جائے گا۔

یہاں صرف یہ حقیقت بتائی جارہی ہے کہ جناب رسولؐ خدا پر خداوندِ عالم کی بارشِ کرم بہرحال کسی نہ کسی وقت شروع ہوئی۔ جو تخلیقِ عالم سے پہلے کا وقت تھا۔ اس بارشِ کرم کا مرکز خداوندِ عالم خود تھا۔ یہ بارشِ کرم عالمِ نور میں ہوئی تھی۔ اسی لیے حضرت عیسیٰؑ نے گہوارے میں فرمایا تھا: "مجھے کتاب دی گئی ہے اور مجھے نبیؐ بنایا گیا ہے۔" (سورہ مریم ۱۹ ۔ آیت نمبر ۳۰ ۔ پ ۱۶)

اس لیے ہمارے رسولؐ کے بارے میں یہ تصور کہ وہ نزولِ قرآن سے پہلے قرآن اور ایمان کی کسی بات سے بھی مطلق واقف نہ تھے، بالکل غلط ہے۔ اس کا تاریخی ثبوت یہ ہے کہ جناب رسولؐ خدا نے قرآن کے اُترنے سے پہلے بھی کوئی کام خلافِ قرآن نہ کیا، نہ فرمایا۔ دوسرے اس لیے بھی کہ ایمان

www.drhasanrizvi.com

اور آئین حیات کا علم نبی کی فطرت اور خمیر میں ہوا کرتا ہے۔ ❊ (فصل الخطاب)

حضرت علیؑ نے فرمایا: "جب سے پیغمبرؐ اسلام کی دودھ بڑھائی ہوئی تھی خدا نے ایک عظیم فرشتے کو آپؐ کا ساتھی بنا دیا تھا جو رات دن مکارم اخلاق اور نیک راستے دکھاتا رہتا تھا۔"
❊ (نہج البلاغہ خطبہ ۱۹۲ - خطبہ قاصعہ)

سوال یہ ہے کہ وہ روح جس کا اس آیت میں ذکر ہے اس سے کیا مراد ہے؟

مفسرین نے لکھا کہ (۱) روح سے مراد، دل و نگاہ، قلب و روح کی زندگی ہے۔ جیسا کہ خداوند عالم نے فرمایا: "اے ایمان دارو! خدا اور اس کے رسولؐ کے بلانے (حکم دینے) پر جواب دو (تعمیل کرو) اس لیے کہ وہ تمھیں ایسی چیزوں کی طرف بلا رہے ہیں جو تمھاری زندگی ہے۔" (القرآن سورہ انفال ۲۴ ۹)

(۲) روح سے مراد قرآن ہے۔ قرآن نے خود قرآن کے لیے کہا: "رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا"
(الشوریٰ ۴۲ آیت ۵۲ - پ ۲۵)
قرآن روح ہے ہمارے حکم سے" کیونکہ قرآن حقیقی اور اُخروی زندگی ہے۔

(۳) قرآن - وحی - نبوت - ان تینوں کو روح کہا گیا ہے۔

(۴) روح سے مراد روح القدس ہے۔ یا وہ فرشتہ ہے جو میکائیل سے بھی بڑا ہے اور ہمیشہ رسولؐ خدا کے ساتھ ساتھ رہا ہے جیسا کہ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ: "جب سے رسولؐ خدا کی دودھ بڑھائی ہوئی تھی ایک عظیم فرشتہ آپ کے ساتھ ساتھ رہتا تھا۔" ❊ (نہج البلاغہ۔ خطبہ قاصعہ)

خداوند عالم کا فرمانا کہ: "یقیناً خدا سیدھے راستے کی ہدایت کرتا ہے۔" خدا سے بہتر سیدھے راستے کی ہدایت کون کرسکتا ہے؟ اور اس راستے سے بڑھ کر سیدھا راستہ کون سا ہوگا جو ہیں خدا تک

www.drhasanrizvi.com

پہنچادے۔ اور وہ خدا ہی کا بتایا ہوا بھی ہو۔ اس لیے حقیقی سعادت، عزت، ہدایت، رہنمائی وہی ہے جو خدا کی طرف سے ہو، جس طرف خدا بلائے۔ خدا تک پہنچنے کی صرف اور صرف وہی راہ ہے جو خود خدا نے ہمیں دکھائی ہے اسی لیے آخر میں فرمایا: "سب چیزوں کو بالآخر خدا ہی کی طرف لوٹنا ہے۔

نبوت کے اعلان سے پہلے رسولؐ کس دین پر تھے؟

تمام تاریخوں سے ثابت ہے کہ رسولؐ نے کبھی کسی بت کو سجدہ نہیں کیا۔ رسولؐ تو کیا ان کے شاگرد علیؑ کو بھی آج تک ساری دنیا کرم اللہ وجہہ کہتی ہے۔ یعنی اللہ نے آپؑ کے چہرے کو یہ عزت دی کہ وہ کبھی غیر اللہ کے سامنے نہیں جھکا۔

۱:۔ بعض کا خیال ہے کہ رسولؐ نبوت کے اعلان سے پہلے دین مسیح پر تھے۔

۲:۔ بعض کا خیال ہے کہ آپ دین ابراہیمیؑ پر تھے۔

۳:۔ بعض علماء نے لاعلمی کا اظہار فرمایا ہے۔

۴:۔ آنحضرتؐ خداوند عالم کی طرف سے ایک خاص پروگرام پر عمل پیرا تھے جیسا کہ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ دودھ بڑھائی کے وقت سے حضورؐ کے ساتھ ساتھ ایک خاص فرشتہ رہتا تھا جو مکارم اخلاق اور نیک راستوں پر آپ کو ساتھ ساتھ رکھتا تھا۔

اس لیے کہ کسی تاریخ میں نہیں ملتا کہ جناب رسولؐ خدا کسی مذہب کے کسی عبادت خانے میں گئے ہوں۔ نہ کفار کے ساتھ کفر کی کوئی رسم ادا کی نہ اہل کتاب کے ساتھ عبادت کی۔ ہمیشہ راہ توحید و عدالت پر گامزن رہے۔ شروع سے آپ اعلیٰ اخلاق اور عبادت کے سخت پابند تھے۔

(تفسیر نمونہ)

www.drhasanrizvi.com

علامہ مجلسی نے لکھا کہ بچپن ہی سے فرشتے ہمارے رسولؐ سے باتیں کیا کرتے تھے۔ آپؐ اُن کی آوازیں سُنا کرتے تھے۔ سچے خوابوں کے ذریعے بھی آپؐ کو الہام ہوا کرتا تھا۔ علامہ مجلسی نے اس دعوے پر چھ دلیلیں لکھی ہیں۔ ☼ (بحار الانوار)

سوال یہ ہے کہ پھر خدا نے یہ کیوں فرمایا کہ

"مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ"

"تجھے معلوم نہ تھا کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا ہے؟"

جوابات: ۱:۔ یہ بات اس وقت کی ہے جب نورِ رسالت پیدا ہوا تھا۔ بعد میں آپؐ کو علم دیا گیا۔ جیسا کہ سورۂ رحمٰن میں ہے کہ: "اَلرَّحْمٰنُ ۙ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۞" یعنی خدائے رحمٰن نے قرآن کا علم عطا کیا۔ کیونکہ بہر حال جب نورِ محمدیؐ پیدا ہوا اس کے بعد ہی اس کو علم کتاب و ایمان دیا گیا ہوگا۔

۲:۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ نزولِ قرآن سے پہلے جنابِ رسولِ خداؐ کو دین، قرآن اور ایمان کی تمام تفصیلات و حقائق کا علم نہ تھا۔ جو قرآن اُترنے کے بعد ہوا۔ علم بہرحال بڑھتا ہے۔ جیسا کہ رسولِ خداؐ نے دعا فرمائی تھی: "قُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا" مالک میرے علم کو بڑھاتا رہ۔ (طٰہٰ ۲۰۔ آیت ۱۱۴)

۳:۔ ایمان جس کو رسولؐ نہیں جانتے تھے وہ مطلق ایمان نہ تھا۔ بلکہ آسمانی کتابوں کے تفصیلی مضامین پر ایمان مراد ہے۔

۴:۔ یہاں ایمان سے مراد تصدیق کرنا نہیں ہے۔ بلکہ یہاں ایمان سے مراد مجموعی طور پر

www.drhasanrizvi.com

دل سے ماننا، زبان سے اقرار کرنا اور تمام احکام پر عمل کرنا۔ ظاہر ہے کہ قرآنی احکامات کے اترنے سے پہلے رسولؐ نے قرآن کے سارے احکام پر عمل نہیں کیا تھا۔

۵ :۔ اس آیت میں ایک بات محذوف چھپی ہوئی ہے۔ "ما کنت تدری کیف تدعوالخلق الی الایمان" یعنی آپؐ کو یہ معلوم نہ تھا کہ ایمان کی طرف لوگوں کو کیسے اور کب بلائیں؟ ※ (تفسیر روح المعانی۔ جلد ۲۵۔ ص۵۵)

آیت میں نور سے مراد قرآن بھی ہے اور ایمان بھی۔ ※ (تفسیر نمونہ)

صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِیْ (۵۳) (یعنی) اللہ کے راستے

لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ — کی طرف، جو زمین اور

وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ اَلَاۤ — آسمانوں کی ہر چیز کا

اِلَی اللّٰهِ تَصِیْرُ — مالک ہے۔ خوب اچھی

الْاُمُوْرُ ﴿۵۳﴾ — طرح سے جان لو کہ سارے

کے سارے معاملات کو اللہ ہی کی طرف (آخری فیصلے کے لیے) لوٹنا ہے (یا) معلوم ہونا چاہیئے کہ سارے معاملات اللہ ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

www.drhasanrizvi.com

یہ کفار کو آخری تنبیہ Warning دی جارہی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اے حق دشمنو! نبی نے تم سے میرا پیغام کہا اور تم نے انھیں رد کردیا۔ اب یہ نہ سمجھ لینا کہ بات ختم ہوگئی۔ بات تو اب شروع ہوئی ہے۔ دنیا میں جو کچھ ہورہا ہے وہ سب کچھ اللہ کے سامنے پیش ہونا ہے۔ پھر خدا ہی فیصلہ کرے گا کہ کس کا کیا حشر نشر ہونا ہے یا کیسا اچھا انجام ہونا ہے۔ ❊ (تفسیر کبیر۔ تفہیم)

جس وقت امام حسینؑ کا سر ابن زیادؒ کے دربار میں پیش کیا گیا تو اس نے سونٹی سے آپؑ کے دہن مبارک کو مارنا شروع کردیا اور جناب زینبؑ سے کہا: "تو نے اپنے بھائی کا انجام دیکھا کیا؟" جناب زینبؑ نے فرمایا: "احمق! یہ انجام نہیں ہے۔ یہ تو آغاز ہے۔ انجام تو اس دن ہوگا جس دن رسولؐ خدا کا ہاتھ تیرے گریبان پر ہوگا اور خدا کی عدالت ہوگی اور خدا خود فیصلہ کرنے والا ہوگا۔"

❊ (منتہی الاعمال۔ ناسخ التواریخ۔ جلاء العیون۔ بحار الانوار)

ے انسان اس طرح اتر آئے عناد پر
لعنت خدا کی حشر تک ابن زیاد پر

"اَلَا لَعْنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الظّٰلِمِیْنَ ۝ وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْٓا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ ۝ ۲۲۷"

(ہود ۱۱، آیت ۱۸، پ ۱۲)
(الشعراء ۲۶، آیت ۲۲۷، پ ۱۹)

خبردار ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔ اور عنقریب ظلم کرنے والے جان لیں گے کہ ان کو کس کروٹ (حالت) سے (خدا کی طرف) لوٹایا جائے گا۔

ے ظلم کی ٹہنی کبھی پھلتی نہیں
ناؤ کاغذ کی کبھی چلتی نہیں

www.drhasanrizvi.com

سورۂ زخرف

(سونے چاندی کی چمک دمک کے بیان والا سورہ)

سورۂ زخرف کے فضائل و روحانی خصوصیات

جناب رسولِ خدا نے فرمایا:

☼ "جو شخص سورۂ زخرف کی تلاوت کرے گا (یعنی اس کو سمجھ کر پڑھے گا) وہ ان لوگوں میں قرار پائے گا جن کو قیامت کے دن اس طرح پکارا جائے گا "اے بندو! آج نہ تمھارے لیے کوئی خوف ہے اور نہ ہی کوئی غم۔ تم جنت میں بغیر حساب کتاب داخل ہو جاؤ۔" (ادخلوا الجنة بغیر حساب)

☼ (تفسیر مجمع البیان)

(نوٹ) ظاہر ہے صرف بے سمجھے، غور کیے الفاظ پڑھ لینے سے اس قدر عظیم ثواب کا مرتب ہونا عقل و فطرت کے عین مخالف ہے۔ البتہ اگر اس سورے کو سمجھ کر پڑھا جائے گا تو انسان کی نگاہوں کے سامنے دنیا کی چمک دمک ماند پڑ جائے گی اور پھر وہ بجائے دنیا کو زندگی کا مقصد بنانے کے، آخرت کے لیے سخت کوششیں کرے گا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کا کردار اس قدر بلند و پاک ہو جائے گا کہ وہ بغیر حساب کتاب جنت میں داخل ہوگا۔ خدا ہم سب کو ایسا بننے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین) (مؤلف)

www.drhasanrizvi.com

۴۷۱۵

آیَاتُهَا ۸۹ | سُوْرَةُ الزُّخْرُفِ مَكِّيَّةٌ | رُكُوْعَاتُهَا ۷

(سونے چاندی کی چمک دمک کے بیان والا سورہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام کی مدد مانگتے ہوئے جو سب کو فیض اور فائدے پہنچانے والا، بیحد مسلسل رحم فرمانے والا ہے۔

حٰمٓ ۝۱ (۱) حا۔میم۔

وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝۲ (۲) قسم اُس روشن واضح کتاب کی۔

خداوند عالم حامیم کی قسم کھا کر فرما رہا ہے کہ اس کتاب یعنی قرآن کے مصنف ہم ہیں محمدؐ اس کے مصنف نہیں ہیں۔ اور اس قسم کے موقع پر قرآن کو قرآنِ مبین اس لیے فرمایا کہ دیکھ لو کہ یہ واضح کھلی ہوئی کتاب تمہارے سامنے ہے۔ اسے آنکھیں کھول کر عقل کی نگاہوں سے دیکھو اس کے صاف صاف واضح غیر مبہم مضامین، ان کی زبان اور انداز بیان، اس کا ادب اور

www.drhasanrizvi.com

پیرایہ خود بتا دے گا کہ اس کتاب کا مصنف کوئی بشر ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ اسی کا کلام ہو سکتا ہے جس کا علم لامحدود ہے۔ (تفسیر کبیر۔ تفہیم۔ مجمع البیان)

إِنَّا جَعَلْنَٰهُ قُرْءَٰنًا (۳) کہ ہم نے اسے نہایت فصیح و عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿۳﴾ بلیغ (یعنی) بہترین اور مناسب ترین الفاظ اور پیرایہ بیان والا واضح، عربی زبان والا قرآن بنایا ہے۔ تاکہ تم لوگ عقل سے کام لے کر اسے سمجھو۔

خداوند عالم نے قرآن کو "قُرْءَٰنًا عَرَبِيًّا"۔ "عربی زبان والا قرآن" اس لیے فرمایا کہ اے عربو! کیونکہ تم میرے اوّلین مخاطب ہو اس لیے میں نے تمھاری خاطر قرآن کو عربی زبان میں بھیجا ہے، خود تمھاری اپنی زبان میں۔ تاکہ تم اس کو آسانی سے پڑھ، سمجھ سکو، جانچ پرکھ سکو اور اس طرح اس کی قدر و قیمت کا اندازہ لگا سکو۔ میں نے قرآن کو کسی غیر عربی زبان میں نہیں بھیجا کہ تم کہتے کہ ہم اس کو کیسے سمجھ، پرکھ سکتے ہیں۔ اب جبکہ یہ قرآن عربی میں ہے تو اب تم کیسے عذر کر سکتے ہو؟ یہ کتاب اپنی زبان، عبارت، مضمون، ہر ہر لحاظ سے بالکل روشن ہے۔ کیا ایسا اتنا بلند فصیح و بلیغ کلام کسی بھی انسان کا ہو سکتا ہے؟

(تفسیر کبیر، مجمع البیان، انوار النجف، تفہیم)

آج بھی عربوں میں عربی زبان کی سب سے بڑی اتھارٹی جاہلیت کے عرب شعراء ہیں۔

www.drhasanrizvi.com

اور انھیں جاہلیت کے تمام بڑے بڑے شعراء نے جب بعد میں سورہ کوثر کو لکھا ہوا لٹکا ہوا دیکھا تھا تو سب کے سب دنگ رہ گئے تھے اور سب نے مل کر آخر میں یہ الفاظ لکھوائے ہیں : "مَاهٰذا کلام البشر" (یہ بشر کا کلام نہیں ہو سکتا) (متفقہ تاریخ) ☼ (سیرۃ ابن ہشام ۔ طبقات)

وَاِنَّهٗ فِیۡۤ اُمِّ الۡكِتٰبِ لَدَيۡنَا لَعَلِىٌّ حَكِيۡمٌ ؕ﴿۴﴾ درحقیقت یہ (قرآن) اُمُّ الکتاب (یعنی) اصل کتاب میں لکھا ہوا ہے جو ہمارے ہاں بڑی بلند مرتبہ والی اور حکمت سے لبریز کتاب ہے۔

خداوند عالم کا ارشاد کہ : "درحقیقت یہ (قرآن) ام الکتاب میں لکھا ہوا ہے۔" ام الکتاب یعنی اصل کتاب ۔ اصل کتاب سے مراد "لوحِ محفوظ" ہے۔

☼ (تفسیر کبیر ۔ تفسیر ماجدی)

نیز یہ کہ قرآن کو "بڑی مرتبے والی حکمت و دانش سے بھری ہوئی کتاب" کہا گیا ہے۔

☼ (تفسیر جلالین ۔ ابن جریر)

لیکن "حکمت و دانش سے لبریز" کتاب بھی ہے اور وہ شخص بھی جو علم کتاب پوری طرح اپنے پاس رکھتا ہو۔

☼ (فصل الخطاب)

امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ "ام الکتاب" "اصل کتاب" حضرت علیؑ کا سینہ بھی ہے

www.drhasanrizvi.com

سورہ فاتحہ میں بھی صراطِ مستقیم کو صاحبانِ نعمت کے حوالے سے متعارف کرایا ہے۔ اور صاحبانِ نعمت کے سردار اس امت میں نبی کریمؐ اور حضرت علیؑ کی ذات ہیں۔

(تفسیر صافی بحوالہ معانی الاخبار۔ مجمع البیان۔ تفسیر علی ابن ابراہیم)

امّ الکتاب سے مراد اصل کتاب۔ یعنی تمام انبیاء کرام پر اترنے والی تمام کتابیں اسی اصل کتاب سے ماخوذ ہیں۔ اسی اصل کتاب کو "کِتٰبٍ مَّکۡنُوۡنٍ" (یعنی) "پوشیدہ محفوظ کتاب" بھی قرآن ہی نے کہا ہے۔ سورہ بروج میں اسی کتاب کو "لوح محفوظ" فرمایا ہے۔ لوح اس کو کہتے ہیں کہ جس کا لکھا مٹ نہیں سکتا اور جو ہر قسم کی دراندازی سے محفوظ ہوتا ہے۔ (سورہ الواقعہ ۵۶۔ آیت ۷۸۔ پ ۲۷۔ سورہ بروج ۸۵۔ آیت ۲۲۔ پ ۳۰)

محققین نے اس سے نتیجہ نکالا کہ خداوند عالم کی طرف سے مختلف زبانوں اور مختلف ملکوں میں جو کتابیں بھی اتری تھیں ان سب کا پیغام ایک ہی تھا۔ غرض ساری آسمانی کتابیں ایک ہی دین اور ایک ہی تعلیمات لے کر آئی تھیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ سب آنے والی کتابوں کی اصل کتاب "(ام الکتاب) ایک ہی کتاب ہے۔ سب کے معنی ایک ہی ہیں۔ وقت اور قوم کے لحاظ سے زبانیں بدلتی رہی ہیں۔ مگر پیغام اور تعلیمات ایک ہی رہی ہیں۔

ع "فانوس مختلف ہیں مگر نُور ایک ہے"

اگر خدا محمدؐ مصطفیٰ کو بفرض محال کسی اور قوم میں پیدا کرتا تو قرآن بھی اسی قوم کی زبان میں آتا۔ مگر پھر بھی قرآن کے مضامین، پیغامات، تعلیمات یہی ہوتیں۔ البتہ زبان، عبارتیں انداز بیان دوسرا ہوتا۔ یعنی قرآن یہی ہوتا۔ مگر "قُرۡءٰنًا عَرَبِیًّا" نہ ہوتا۔

(تفسیر کبیر۔ مجمع البیان۔ تفہیم۔ نمونہ)

www.drhasanrizvi.com

خداوند عالم نے فرمایا : "یہ عالمین کے پالنے والے مالک کی اُتاری ہوئی کتاب ہے، صاف صاف عربی زبان میں اور یہ اگلے لوگوں کی کتابوں میں بھی موجود ہے۔"

(سورہ شعراء ۲۶، آیات ۱۹۲ تا ۱۹۶، پ ۱۹)

زُبُرِ الْاَوَّلِیْنَ ۔ یعنی پچھلے پرانے لوگوں کی کتابیں ۔ ہندو آج بھی اپنی سب سے پچھلی پرانی کتاب کو پران کہتے ہیں۔ یعنی پرانی کتاب ۔ ہو سکتا ہے کہ اس کا اشارہ اس طرف بھی ہو۔

ان کے پران کا بڑا عالم مجھے امریکہ میں ملا جس نے مثالیں سُنا سُنا کر مجھے بتایا کہ جو کچھ قرآن میں ہے وہی پران میں ہے ۔ پران میں بھی توحید کا سبق دیا گیا ہے ۔ بعد کے پنڈتوں نے اپنی کمائی کی خاطر بت پرستی ایجاد کی ۔ (مؤلف)

خداوند عالم کا قرآن کو "بڑے مرتبہ والی کتاب" کہنے کا مطلب یہ ہے کہ کسی بھی ناقدری سے اور کیڑے ڈالنے سے کوئی بڑی چیز بے قدر نہیں ہو سکتی ۔ سورج پر تھوکنے سے سورج کی روشنی کم نہیں ہوتی البتہ تھوک خود اپنے منہ پر آکر ٹپکتا ہے ۔ اسی طرح قرآن کی ناقدری سے اس کی قدر کم نہیں کی جاسکتی۔

قرآن کی بے نظیر تعلیمات، اس کی معجزانہ فصاحت و بلاغت، بے عیب حکمت، اس کے بلند مرتبہ کتاب ہونے کا سب سے بڑا ثبوت ہے ۔ پھر آیت نمبر ۷ میں عربوں سے کہا گیا کہ جس کتاب کی تم ناقدری کر کے مذاق اڑا رہے ہو، یہ انتہائی ناشکری اور عقل دشمنی ہے ۔ خدا نے تمہیں اس قدر عزت بخشی، تم نے اس کو اس طرح گنوا دیا ۔ اس کا تمہیں جواب دینا ہوگا۔

(تفسیر کبیر ۔ مجمع البیان ۔ تفہیم ۔ تفسیر نمونہ)

نوٹ :۔ جو اصول اور معیار قرآن کے لیے ہے بعینہ وہی اصول اور معیار انبیاء کرام اور

www.drhasanrizvi.com

مطلب یہ ہے کہ خدا فرمارہا ہے کہ: اے کافرو! تم جو چاہے کرتے رہو ہم کسی طرح تمھاری ہدایت کرنے کی ذمّہ داری سے ہاتھ نہیں اٹھائیں گے تاکہ اتمام حجّت ہو جائے۔ اسی لیے ہمارے لیے لازم ہے کہ ہم ہدایت کا سامان یعنی کتابیں اور پیغمبروں کو بھیجتے رہیں۔ ٭ (مجمع البیان)

اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ کیا ہم بھی تمھاری طرح حق دشمنی پر اتر آئیں اور حق کی تعلیم دینا بند کردیں۔ یہ ہم نہیں کریں گے۔ ہم بہرحال اپنا کار ہدایت انجام دیتے رہیں گے تاکہ حساب کتاب کے وقت تم یہ نہ کہہ سکو کہ ہمیں کچھ خبر ہی نہ تھی۔

؎ "پھر نہ کہنا ہمیں خبر نہ ہوئی" ٭ (مؤلف)

وَكَمۡ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ (۶) جب کہ پہلے گزری ہوئی قوموں
نَّبِىٍّ فِى الۡاَوَّلِيۡنَ ﴿۶﴾ میں بھی ہم نے کئی کئی نبی بھیجے۔

خداوندِ عالم نے اس ایک آیت میں تمام انبیاء کرام کی پوری داستانیں سمیٹ کر رکھ دیں۔ یہ فقرہ ہمارے سامنے یہ تصویر کھینچتا ہے کہ ایک قوم صدیوں سے سخت جہالت اور پستی کی کھائی میں پڑی تھی، یکایک خدا کی نظرِ عنایت اس پر پڑی۔ خدا نے اس میں اپنے پیغمبر اور کلام کو اتارا تاکہ وہ غفلت سے بیدار ہوں، جاہلانہ طرزِ زندگی سے نکلیں، صحیح راستہ اختیار کریں مگر نادان عوام اور چالاک سردار اپنے مفادات کی وجہ سے ان انبیاء کرام کے پیچھے پڑ گئے اور ان کو ناکام کرنے کے لیے ایڑی سے چوٹی تک زور لگا دیا یہاں تک کہ نبی کو قتل کر ڈالا۔ تو اب کیا ہم تمھاری اس نالائقی، ناقدری

www.drhasanrizvi.com

عقل دشمنی کی وجہ سے تمھاری اصلاح کرنے کا کام چھوڑ دیں ؟ تمھیں تعلیم دینے کا کام روک دیں ؟ کیا ہماری رحمت ایسا کرسکتی ہے ؟ اب تم خود ہی سوچ لو کہ خدا کے سب سے بڑے فضل و کرم یعنی ہدایت کے سامان کو ٹھکرانا، حق آجانے کے بعد باطل اور جہالت پر اڑے رہنا، تمھیں کس بُرے انجام تک لے جائے گا یہ سب سے بڑی نعمت ہدایت کا کفر ہے جو تمھیں یکسر برباد کرسکتا ہے۔

(تفسیر کبیر۔ مجمع البیان۔ تفہیم۔ تفسیر نمونہ)

وَمَا يَأْتِيهِم مِّن نَّبِيٍّ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ⑦

(۷) مگر کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کوئی نبی اُن کے پاس آیا ہو، اور انھوں نے اُس کا مذاق نہ اُڑایا ہو۔

یہ آیت جناب رسولِ خداؐ کو تسلی دینے کے لیے اُتری۔ کیونکہ مشرکین آپؐ پر ہنستے تھے۔ (تفسیر صافی)

مطلب یہ کہ اگر انبیاء کرام کا مذاق اڑانے والی بے ہودگی ہی نبی یا کتاب بھیجنے کے درمیان حائل ہوتی تو پھر کسی قوم پر کوئی نبی نہ آتا نہ کوئی کتاب بھیجی جاتی (تفہیم)

خداوند عالم جاہلوں کی بے ہودگیوں کی وجہ سے ہدایت کرنے کے اپنے کام سے دستبردار نہیں ہوسکتا۔ (مؤلف)

www.drhasanrizvi.com

مقصد یہ ہے کہ جاہل عوام اور سرداروں کی بیہودگیوں کی وجہ سے کبھی ایسا نہیں ہوا کہ خداوندِ عالم نے تمام نسل انسانی کو اپنی رہنمائی سے محروم کر دیا ہو اور عام لوگوں کی رکیک حرکتوں کی وجہ سے کتاب اور نبی کا بھیجنا بند کر دیا ہو۔ البتہ لوگوں کے اس عمل کا نتیجہ یہ ضرور رہا کہ جن متکبّرین نے انبیاء کرام کا مذاق اڑایا وہ آخر کار تباہ و برباد ہوئے۔ قریش کے سرداروں کو بتایا جا رہا ہے کہ جب خدا کا قہر ٹوٹتا ہے تو تم کس کھیت کی مولی ہو تم سے ہزار گُنا زیادہ طاقت ور اور دولت مند قومیں مچھروں، پسوؤں کی طرح مسل کر رکھ دی جاتی ہیں۔ ان کی داستان تک داستانوں میں نہیں ملا کرتی۔

(تفسیر کبیر۔ مجمع البیان۔ تفسیر نمونہ) ☼

فَاَهۡلَكۡنَاۤ اَشَدَّ مِنۡهُمۡ بَطۡشًا وَّمَضٰى مَثَلُ الۡاَوَّلِيۡنَ ﴿۸﴾

(۸) پس ہم نے ان لوگوں کو ہلاک کر ڈالا جو اُن سے کہیں زیادہ طاقت ور تھے تو پہلے لوگوں کی ایسی مثالیں بہت گزر چکی ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ

ع "ہوتا آیا ہے کہ اچھوں کو بُرا کہتے ہیں"

ہمیشہ سے پیغمبروں اور مصلحین کا مذاق ہی اُڑایا جاتا رہا ہے مگر خداوندِ عالم فرما رہا ہے کہ ان نازیبا، چھچھوری حرکتوں کی وجہ سے ہم نے پیغمبروں کو بھیجنا نہیں چھوڑا تاکہ ہر شخص اپنے عمل کا خود

www.drhasanrizvi.com

ذمہ دار قرار پائے، سوچنے، سمجھنے، سنبھلنے کی پوری پوری مہلت ہر شخص اور ہر قوم کو مل جائے، تاکہ اتمامِ حجت ہو جائے اور کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ ہمیں خبر نہ ہوئی۔" ☆ (مجمع البیان)

خداوند عالم عربوں کو بتلا رہا ہے کہ تم سے کہیں زیادہ طاقت ور قومیں حق دشمنی کی وجہ سے ہلاک ہو چکی ہیں۔ جیسے فرعون، عاد و ثمود کی قومیں۔ تم جا کر ان کے کھنڈرات دیکھ لو اور ان کے حالات سن لو۔ تم کو خود معلوم ہو جائے گا کہ خدا کے مقابلے پر ہٹ دھرمی اور سرکشی کا انجام کس قدر تباہ کن ہوتا ہے۔ جب وہ طاقت ور قومیں سرکشی کر کے اللہ کے عذاب سے نہ بچ سکیں تو تم کیا حقیقت رکھتے ہو۔

☆ (تفسیر نمونہ)

عربی میں "بطش" کے معنی کسی چیز کو طاقت کے ساتھ اس طرح پکڑنا کہ وہ بالکل بے بس ہو جائے۔ پھر یہاں اَشَدَّ کا کلمہ بھی استعمال ہوا ہے، یعنی بہت زیادہ سختی کے ساتھ پکڑنا۔

☆ (مفردات امام راغب)

یہی بات سورہ قصص میں یوں فرمائی: "آیا قارون نہیں جانتا تھا کہ خدا نے اس سے پہلے کئی (افراد نہیں بلکہ پوری پوری) قوموں کو تباہ و برباد کر ڈالا جو اس سے طاقت میں بھی زیادہ تھے اور مال و دولت میں بھی زیادہ تھے" ☆ (سورہ قصص ۲۸ - آیت ۷۸، پ ۲۰)

نیز خداوند عالم نے فرمایا: "آیا انھوں نے زمین کی سیر نہیں کی تاکہ وہ دیکھتے کہ ان سے پہلے لوگوں کا کیا حشر نشر ہوا؟ وہ ان سے طاقت میں بھی کہیں زیادہ تھے اور اپنے اثرات کے لحاظ سے بھی ان سے زیادہ قوی تھے۔ لیکن خدا نے انھیں ان کے گناہوں کی وجہ سے پکڑ لیا۔ پھر انھیں خدا کی سزا سے بچانے والا کوئی نہ تھا۔" ☆ (القرآن۔ سورہ مومن)

www.drhasanrizvi.com

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُم مَّنْ (۹) اگر آپ ان سے پوچھیں کہ
خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ زمین اور آسمانوں کو کس نے
لَيَقُولُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيزُ پیدا کیا، تو یہ لوگ کہیں گے
الْعَلِيمُ ۹ کہ انھیں اُسی زبردست طاقت
والے خدا نے پیدا کیا جو ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

اکثر مشرکین خداوند عالم کی توحید ذات کے قائل ہیں کہ خدا ایک ہی ہے نیز یہ کہ مشرکین بھی خدا کی صفت خالقیت میں بہت کم کسی کو شریک قرار دیتے ہیں۔ مشرک کا سارے کا سارا زور صفتِ ربوبیت پر صرف ہوتا ہے۔ یعنی خدا کے علاوہ دوسرے ارواح، ملائکہ، جنات بھی پالنے والے مالک ہیں۔ لیکن جہاں تک خالق ہونے کا تعلق ہے مشرکین عرب بھی صرف ایک اکیلے خدا کو خالق کائنات مانتے تھے۔ (تفسیر ماجدی)

※

الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ (۱۰) وہی جس نے تمہارے لیے
الْأَرْضَ مَهْدًا وَجَعَلَ اس زمین کو گہوارہ (یعنی
لَكُمْ فِيهَا سُبُلًا آرام کی جگہ) بنایا اور تمہارے

www.drhasanrizvi.com

لَّعَلَّکُمۡ تَهۡتَدُوۡنَ ﴿۱۰﴾ لیے اس میں راستے بھی بنا دیے، تاکہ تم منزلِ مقصود تک پہنچ جاؤ۔

قرآن میں دوسرے مقامات پر زمین کو فرش فرمایا گیا ہے۔ مگر یہاں زمین کو مَهۡدًا گہوارہ، جھولا یا پالنا کہا گیا ہے۔ بچہ جھولے میں کس قدر آرام، سکون سے سوتا رہتا ہے۔ بالکل اسی طرح خدا نے اس لمبی چوڑی زمین کو تمھارے لیے آرام دہ جھولا بنا دیا ہے۔ حالانکہ ہماری زمین فضا میں معلق ہے اور ایک ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے اپنے محور کے گرد گھوم رہی ہے۔ ۶۰۰۰۰، چھ لاکھ چھ ہزار چھ سو میل فی گھنٹہ کی رفتار سے آگے بڑھ رہی ہے۔ اس کے پیٹ میں ایسی سخت وشدید آگ بھری ہے کہ جو لوہے پتھروں کو پانی کی طرح پگھلا کر رکھ دیتی ہے۔ کبھی آگ اُگل اُگل کر اپنا مزاج دکھا دیا کرتی ہے۔ اس کے باوجود اس زمین کے خالق اور مالک نے اس زمین کو ہمارے لیے اس قدر پرسکون بنا دیا ہے کہ تم بڑے آرام سے اس پر سوتے ہو، چلتے پھرتے ہو کبھی کوئی جھٹکا تک محسوس نہیں کرتے تمھیں کبھی یہ خیال تک نہیں آتا کہ تم بندوق کی گولی سے بھی کہیں زیادہ تیز رفتار گاڑی پر سوار ہو۔ پھر تم بے تکلف ہو کر اسی زمین کو کھودتے، ہل جوتتے ہو۔ حالانکہ اس کی ایک معمولی سی جھرجھری زلزلوں کی شکل میں آکر تمھیں تہس نہس کرکے رکھ دیتی ہے اور تمھیں یہ خبر بھی دیتی ہے کہ کس بلا کے خوفناک دیو کو اللہ نے تمھارے لیے مسخر کر رکھا ہے۔ (سبحان اللہ)

(تفسیر کبیر۔ مجمع البیان۔ تفسیر نمونہ۔ تفہیم)

www.drhasanrizvi.com

پھر خدا کی مہربانی مزید دیکھیے کہ اس نے تمام زمین کو بالکل ایک جیسا نہیں بنایا۔ اس میں پہاڑ کھڑے کر کے امتیازی نشانات land marks بنائے جن کی مدد سے انسان مختلف علاقوں اور شہروں کو پہچان سکتا ہے۔ اس نعمت کی قدر اس وقت ہوتی ہے کہ جب ہم کسی لق و دق صحرا یا جنگل میں چلے جا رہے ہوں اور سینکڑوں میل تک زمین پر کسی قسم کا کوئی امتیازی نشان موجود نہ ہو، تب ہمیں پتہ چلتا ہے کہ ہم آگے کیسے بڑھیں۔ نہ معلوم کہاں سے کہاں نکل جائیں۔

آخر میں خدا کا فرمانا کہ: "تاکہ تم ہدایت پاسکو" یعنی!

ا:۔ تم ان قدرتی راستوں اور نشانات کی مدد سے اپنا راستہ معلوم کرسکو۔

۲:۔ اور دوسرے یہ کہ خدا کی اس کاریگری کو دیکھ کر یہ سمجھ سکو کہ زمین کے تمام انتظامات الل ٹپ نہیں ہیں اور نہ بہت سے خداؤں نے مل کر اس کو بنایا ہے یہ خدا ہی ہے جس نے زمین کو (۱) ایسا بنایا ہے کہ جو انسان کی ضروریات کے مطابق ہو۔ (۲) اور انسان کے لیے پہاڑوں کی رکاوٹیں دیواروں کی طرح بند نہ کردیں بلکہ پہاڑوں کے درمیان کے دروں کی وجہ سے انسان اس پار کی قوموں سے تعلق تجارت پیدا کرسکے۔ اور خدا نے زمین کے ایک ایک حصے کو بے شمار طریقوں سے الگ الگ شکل دی۔ اسی لیے انسان ایک علاقے کو دوسرے علاقوں سے الگ کر کے پہچان سکتا ہے۔

(تفسیر کبیر۔ تفہیم۔ تفسیر مجمع البیان۔ تفسیر نمونہ)

گلہائے رنگ رنگ سے ہے زینتِ چمن

اے ذوقؔ اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے

(استاد ذوقؔ)

www.drhasanrizvi.com

مھد "مھاد" ایسی چیز کو کہتے ہیں جو بیٹھنے، سونے، آرام کرنے کے لیے بنائی جائے۔

پھر بعد میں یہ لفظ بچے کو سلانے والے گہوارے کے لیے استعمال ہونے لگا۔ ※ (مفردات امام راغب)

زمین جس میں کئی قسم کی حرکتیں ہیں۔ کشش ثقل ہے۔ ہوا کا دباؤ ہے۔ مگر اس کے باوجود ہمیں کسی قسم

کا اضطراب یا تکلیف نہیں ہوتی۔ یہ خداوند عالم کی عظیم نعمت ہے۔ ※ (تفسیر نمونہ)

وَالَّذِیۡ نَزَّلَ مِنَ (۱۱) اور وہی (خدا) جس نے

السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ ۚ آسمان سے پانی کو اتارا، اور

فَاَنۡشَرۡنَا بِهٖ بَلۡدَةً مَّیۡتًا ۚ اُس کے ذریعہ سے مُردہ زمین

كَذٰلِكَ تُخۡرَجُوۡنَ ﴿۱۱﴾ کو زندہ کر اُٹھایا (یا) اُس

بے جان زمین میں زندگی پیدا کر دی۔ اسی طرح تم لوگ بھی

(زندہ کرکے) زمین سے باہر نکالے جاؤ گے۔

مطلب یہ ہے کہ خداوند عالم نے ہر ہر علاقے کے لیے بارش کی ایک اوسط مقدار

معین کر دی ہے جو ہزاروں سالوں سے چلتی چلی آ رہی ہے۔ دوسرے یہ کہ خدا نے ایسا بندوبست فرمایا

ہے کہ بارش کو پھیلا پھیلا کر برسایا جاتا ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ زمینیں سیراب اور زندہ ہو جائیں۔

اس کے علاوہ ہمارے سمجھانے کے لیے بعض زمینوں پر بالکل بارش ہی نہیں ہوتی یا برائے نام ہوتی ہے

www.drhasanrizvi.com

اس لیے وہاں بے آب وگیاہ صحرا بن گئے ہیں تاکہ انسان سمجھ سکے کہ بارش خدا کی کتنی بڑی نعمت ہے ۔

پھر کسی میں یہ طاقت بھی نہیں ہے کہ کسی ملک کی بارش کے عام اوسط تک کو بدل سکے یا بادلوں کی تقسیم میں فرق ڈال سکے یا روٹھے ہوئے بادلوں کو منا کر اپنے ملک کی طرف کھینچ سکے یا ان کو برسنے یا نہ برسنے پر مجبور کر سکے ۔ یا کسی آنے والے طوفان کو روک سکے ۔ یہ سب باتیں بتا رہی ہیں کہ کوئی بڑی زبردست طاقت ہے جو یہ سب کام اپنی قدرت اور حکمت کے بل پر انجام دے رہی ہے ۔ (سبحان اللہ)

(تفسیر کبیر ۔ تفسیر مجمع البیان ۔ تفسیر نمونہ ۔ تفہیم)

ع "کوئی تو ہے جو نظامِ ہستی چلا رہا ہے، چلا رہا ہے"

آخر میں خداوند عالم کا یہ فرمانا کہ ہم نے بارش کے ذریعہ مُردہ زمین کو زندہ کر دیا ۔ بس اسی طرح تم بھی زمین سے باہر نکالے جاؤ گے ۔ اس طرح فرما کر خداوند عالم نے دو باتوں کو ثابت کر دیا :

۱ :۔ اوّل یہ کہ یہ سارے کام جیسے بارشوں کا برسنا، مُردہ زمینوں کا زندہ ہونا، صرف اور صرف ایک خدا کی قدرت اور حکمت سے ہو رہے ہیں، کوئی دوسرا خدا شریک نہیں ہے ورنہ یہ باضابطگی اور ارتباط Coeclution نہ ہوتا ۔

۲ :۔ دوسرے یہ کہ مرنے اور دفن ہو جانے کے بعد ہم دوبارہ زندہ کر کے زمین سے نکالے جا سکتے ہیں جس طرح مُردہ زمین بارش کے چند قطروں سے زندہ ہو کر دفن شدہ بیجوں کو زندگی بخش کر باہر نکال لاتی ہے ۔

(تفسیر کبیر ۔ کشاف ۔ تفہیم)

وَالَّذِیۡ خَلَقَ الۡاَزۡوَاجَ (۱۲) وہی (خدا) جس نے یہ تمام

www.drhasanrizvi.com

كُلَّهَا وَجَعَلَ لَكُمۡ مِّنَ الۡفُلۡكِ وَالۡاَنۡعَامِ مَا تَرۡكَبُوۡنَ ۝۱۲

جوڑے اور تمام قسم کی چیزوں کو پیدا کیا۔ اور تمہارے لیے کشتیوں اور جانوروں کو سواری بنایا جن پر تم سوار ہوتے ہو۔

محققین نے لکھا کہ مخلوقات جتنی بھی ہیں سب جوڑے جوڑے ہیں۔ مثلاً ذات وصفات، دائیں بائیں کا ہونا، اوپر نیچے کا ہونا، اچھے برے کا ہونا، ماضی مستقبل کا ہونا۔ یہی جوڑے جوڑے ہونا دلیل ہے کہ یہ سب حادث بھی ہیں (یعنی بعد میں خلق ہوئے ہیں) اور ممکن الوجود بھی ہیں۔

(تفسیر کبیر، امام رازی)

ہر چیز میں جوڑے ہیں مثلاً بجلی کے تاروں میں منفی اور مثبت بجلیاں ایک دوسرے کا جوڑ ہیں اور ان کی باہمی کشش کی وجہ سے عجیب وغریب کرشمے وجود میں آتے ہیں۔ اسی طرح خداوند عالم نے ان گنت جوڑے بنائے ہیں، ہر جانور، چرند پرند، انسان، حیوان میں جوڑے بنائے ہیں۔ ان سب کے باہمی عمل اور ملنے جلنے سے اس قدر عجیب وغریب نتائج سامنے آتے ہیں کہ اگر ان پر انسان غور وفکر کرے تو اس کا دل گواہی دینے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ یہ پورا کارخانۂ عالم کسی زبردست صانع جو حکیم بھی ہے اور قادر مطلق بھی ہے، اسی کے انتظامات اور تدبیر سے چل رہا ہے۔ صرف ایک عقل کا اندھا ہی یہ فرض کر سکتا ہے کہ یہ سب کچھ کسی حکیم وعلیم وتدبیر کے بغیر ہو رہا ہے۔ یا یہاں کئی خداؤں کا عمل دخل ہے۔

(تفسیر مجمع البیان۔ انوار النجف۔ تفہیم)

www.drhasanrizvi.com

لِتَسْتَوٗا عَلٰی ظُهُوْرِهٖ (۱۲) تاکہ جب تم اُن پر سوار ہو کر
ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ پوری طرح بیٹھ جاؤ، تو اپنے
رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَيْتُمْ پالنے والے مالک کی نعمت
عَلَيْهِ وَتَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ اور احسان کو یاد کرو۔ اور کہو
الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا کہ ہر عیب اور نقص سے پاک
كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ (۱۳) ہے وہ (خدا) جس نے اِس
کو ہمارے قبضے میں دے دیا۔ ورنہ ہم اسے قابو میں لانے کی طاقت
نہ رکھتے تھے۔

ہمیں کبھی سوچنا ضرور چاہیے کہ ٹنوں مشینوں اور غلے کی بوریوں سے لدے ہوئے جہاز کس نے بنائے اور کس نے یہ قانون بنائے کہ اس طرح ہم جہازوں پر یا جانوروں پر سوار ہو کر جہاں چاہیں جا سکتے ہیں؟ کس نے ان سب کو ہمارے تابع کر رکھا ہے؟

اسی لیے جب جناب رسولِ خدا کسی سواری پر سوار ہوتے تھے تو سب سے پہلے تین مرتبہ اللہ اکبر فرماتے (یعنی اللہ کی بڑائی کا اعتراف فرماتے) پھر یہ دعا مانگتے:

"مالک میرے اس سفر میں مجھے نیکی، بُرائی سے بچنے اور ایسے ایسے کام کرنے کی توفیق عطا فرما جو تجھے

www.drhasanrizvi.com

پسند ہوں۔ مالک ہمارے سفر کو آسان کر دے اور لمبی لمبی مسافتوں کو لپیٹ دے۔ خدایا تو ہی سفر کا ساتھی ہے۔ ہمارے پیچھے ہمارے گھر والوں کی حفاظت فرما اور ہمارے ساتھیوں کی بھی حفاظت فرما۔"

(مسند احمد ابن حنبل۔ مسلم۔ ابوداؤد۔ نسائی۔ ترمذی۔ دارمی)

حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ جناب رسولِ خداؐ نے بسم اللہ فرما کر رکاب میں پاؤں ڈالا، پھر سوار ہو جانے کے بعد فرمایا: "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا" یعنی تمام تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے اس سواری کو ہمارے قبضے میں دے دیا۔ پھر تین مرتبہ "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" اور تین دفعہ اَللّٰهُ اَكْبَرُ فرمایا۔ پھر فرمایا: سُبْحَانَكَ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ قَدْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْ لِیْ (یعنی) مالک تو ہر عیب سے پاک ہے، تیرے سوا کوئی اللہ نہیں ہے میں نے اپنے اوپر بڑے ظلم (گناہ) کیے ہیں تو مجھے معاف کر دے۔" اس کے بعد جناب رسولِ خداؐ ہنس دیے۔ حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ میں نے پوچھا یارسول اللہ! آپ کس بات پر ہنسے؟ فرمایا: "جب خدا کا کوئی بندہ خدا سے رب اغفرلی (مالک مجھے معاف کر دے) کہتا ہے تو خدا کو یہ بات بہت پسند آتی ہے۔ وہ فرماتا ہے کہ میرا بندہ جانتا ہے کہ میرے سوا معاف کرنے والا کوئی نہیں (یا) میرے سوا رحمتوں سے ڈھک لینے والا کوئی نہیں۔"

(احمد ابن حنبل۔ ابوداؤد۔ ترمذی)

ایک صاحب ابو مجلی فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں کسی جانور پر سوار ہوا اور میں نے یہ آیت پڑھی "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا" (یعنی) "تمام تعریف اس اللہ کے لیے ہے جس نے اس کو ہمارے قبضے میں دے دیا ہے۔" حضرت امام حسنؑ نے یہ سن کر فرمایا یوں بھی کہا کرو کہ: شکر ہے اس خدا کا جس نے ہمیں اسلام کی ہدایت عطا کی۔ شکر ہے اس خدا کا کہ جس نے محمد مصطفےٰؐ کو بھیج کر

www.drhasanrizvi.com

ہم پر احسان فرمایا، شکر ہے اس کا کہ اس نے ہمیں اس بہترین گروہ (امت) میں سے قرار دیا جو خلق خدا کے لیے نکالی گئی، پھر اس کے بعد یہ آیت پڑھا کرو (یعنی سواری سے کہیں بڑی نعمتوں کا بھی پہلے شکر ادا کیا کرو) ⁂ (ابن جریر۔ احکام القرآن از ابوبکر جصاص۔ تفسیر کبیر، امام رازی)

آخری الفاظ "وَكُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ"۔ یعنی اگر خدا کا لطف و کرم نہ ہوتا تو ہم ان سواریوں پر قابو حاصل نہ کر سکتے تھے۔ یعنی اگر خدا نے جانوروں میں فرمانبرداری کی روح نہ پھونکی ہوتی، پانی کو تیرنے کی صلاحیت ودلیعت نہ فرمائی ہوتی تو جہاز، کشتیاں سمندروں کے سینوں پر کیسے تیرتے؟ پٹرول گیس نہ بنایا ہوتا تو موٹریں، ہوائی جہاز کیسے اڑتے؟

نعمتوں کے موقع پر خدا کی یاد

محققین نے نتیجہ نکالا کہ نعمتوں کے استعمال کرتے ہوئے خاص طور پر خدا کو یاد کرنا چاہیے، اس سے شکر کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور کبر کی کیفیت زائل ہوتی ہے۔ اسی لیے خدا نے حضرت نوحؑ کو حکم دیا تھا:

"جب تم اور تمھارے ساتھی کشتی پر سوار ہو جاؤ تو کہو اس خدا کی تعریف ہے جس نے ہمیں ظالم لوگوں سے نجات دی۔" ⁂ (سورۂ مومنون ع ۲۳، آیت ۲۸، پ ۲۳)

جناب رسولِ خدا جب کبھی کسی بھی سواری پر بیٹھتے تھے تو فرماتے تھے:

"اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ سُبْحٰنَ الَّذِىْ سَخَّرَ لَنَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ وَاِنَّا اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ۔"

www.drhasanrizvi.com

(یعنی) "اللہ کے لیے تمام تعریفیں ہیں ہر حال میں۔ پاک ہے وہ اللہ جس نے ہمارے لیے اس سواری کو قابو میں دے دیا ورنہ ہم اس کو قابو میں لانے کے قابل نہ تھے اور ہم یقیناً اپنے پالنے والے مالک کی طرف لوٹنے والے ہیں۔"

☼ (تفسیر کبیر۔ امام رازی)

امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ: "جو شخص سواری پر سوار ہوتے ہوئے یہ کلمات پڑھتا ہے وہ ہر قسم کی مصیبتوں سے محفوظ ہوجاتا ہے۔"

☼ (تفسیر نور الثقلین جلد ۴۔ اصول کافی)

نیز یہ کہ اس طرح کے کلمات کہنے سے انسان کے اندر یہ شعور بیدار ہوتا ہے کہ:

ع
جو کچھ ہوا، ہوا کرم سے تیرے
جو کچھ ہوگا ترے کرم سے ہوگا

اس طرح اس کے اندر (۱) احساسِ شکر پیدا ہوتا ہے۔

جس کی وجہ سے (۲) جذبۂ اطاعت پیدا ہوتا ہے۔

اور نتیجتاً (۳) کبر، فخر اور غرور کے گھٹیا جذبات ختم ہوجاتے ہیں۔

(۴) آخرت کی یاد تازہ ہوجاتی ہے اور اس طرح انسان کی زندگی کا قبلہ بھی درست ہوجاتا ہے۔

(۵) ان کلمات کو پڑھ کر وہ کسی بھی حرام کام کے لیے جانے سے رُک جائے گا۔

☼ (تفسیر نمونہ۔ تفہیم)

www.drhasanrizvi.com

وَاِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۴﴾ (۱۴) اور یہ حقیقت ہے کہ ہمیں اپنے پالنے والے مالک کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔

آیت کا پیغام یہ ہے کہ سفر پر جاتے ہوئے یہ بات بھی یاد کرو کہ آگے ایک بہت لمبا سفر بھی درپیش ہے۔ اب ذرا غور فرمائیں کہ جو شخص سواری پر بیٹھتے ہی اپنی موت اور خدا کی طرف لوٹنے کو یاد کرے گا کیا وہ کسی پر ظلم کرنے یا کوئی گناہ کرنے کے لیے سفر کر سکے گا؟ کیا وہ کسی بے گناہ کا خون بہانے یا کسی کی عزت سے کھیلنے کے لیے سفر کر سکے گا؟ کوئی سپاہی اگر ہوائی جہاز یا ٹینک پر قدم رکھتے ہوئے یہ آیت پڑھے گا تو کیا اس کے قدم ظلم اور بے گناہ کے قتل کی طرف اُٹھ سکیں گے؟

(تفسیر کبیر۔ مجمع البیان۔ تفہیم)

وَجَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا ۭ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾ (۱۵) مگر اُن لوگوں نے خدا کے کچھ بندوں کو اس کا جزو (یعنی اولاد) قرار دے رکھا ہے۔ واقعی انسان بڑا کھلا ہوا ناشکرا ہے۔

خداوند عالم کا فرمانا کہ: ان لوگوں نے خدا کے کچھ بندوں کو خدا کا "جزو" قرار دے دیا۔ یہاں جزو سے مراد اولاد ہے۔

(تفسیر کبیر۔ شاہ ولی اللہ)

www.drhasanrizvi.com

کیونکہ اولاد باپ کا جُزو ہوتی ہے۔ ☼ (جلالین)

قریش کہتے تھے کہ ملائکہ خدا کی بیٹیاں ہیں۔ ☼ (تفسیر علی ابن ابراہیم)

عیسائی کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ خدا کے بیٹے ہیں۔ ☼ (تفسیر مجمع البیان)

یہاں دلیل یہ دی جارہی ہے کہ خداوند عالم کی ذات ناقابل تقسیم ہے اور اولاد باپ کی جزو ہوتی ہے اس لیے خدا کے اولاد نہیں ☼ (فصل الخطاب)

پرانے فرسودہ فلسفہ کی رو سے :- (۱) جب خداوند عالم کو خالق مان لیا تو لازم ہوگیا کہ اس کو قدیم بھی مانا جائے کیونکہ تخلیقات سے پہلے خدا نہ تھا تو اس نے مخلوق کو کیسے پیدا کیا ؟

(۲) اب جب خدا کو قدیم (جو ہمیشہ سے تھا) مان لیا تو پھر لازم ہوگیا کہ وہ ایسی ذات ہے جو تقسیم نہیں ہوسکتی۔ یعنی عدم ترکیب اس پر لازم آئی۔ کیونکہ جو بھی قدیم ہوگا وہ مرکب نہیں ہوسکتا۔

(۳) اب جو غیر مرکب ذات ہے اس کے لیے کوئی جزو تسلیم کرنا گویا خدا کو حادث (جو بعد میں پیدا ہوا) قرار دینا ہے۔ ☼ (تفسیر کبیر۔ امام رازی)

اللہ کا جزو بنانے کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ کسی انسان یا دیوتا، جن یا روح کو خدا کی ذات و صفات و اختیارات میں شریک مان لیا جائے۔ یا اس کے آگے عبودیت کے مراسم ادا کیے جائیں یا اس کو حلال کو حرام اور حرام کو حلال بنانے کا اختیار دے دیا جائے۔

☼ (تفہیم۔ تفسیر کبیر)

اَمِ اتَّخَذَ مِمَّا يَخۡلُقُ بَنٰتٍ ﴿۱۶﴾ کیا اس (خدا) نے ان چیزوں

www.drhasanrizvi.com

وَّاَصْفٰىكُمْ بِالْبَنِيْنَ ﴿۱۶﴾ میں سے جنھیں اُسی نے پیدا کیا ہے، اپنے لیے بیٹیاں منتخب کیں اور تمھیں بیٹوں سے نوازا؟

وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ (۱۷) جبکہ حالت یہ ہے کہ جب اُن
بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمٰنِ میں سے کسی کو اُس چیز کی
مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا (یعنی بیٹی پیدا ہونے کی) خوشخبری
وَّهُوَ كَظِيْمٌ ﴿۱۷﴾ دی جاتی ہے، جسے وہ خدائے رحمٰن کی طرف منسوب کرتے ہیں، تو اُن کا مُنہ کالا پڑ جاتا ہے اور وہ رنج و غم سے بھر جاتا ہے (یہ مشرکینِ عرب کی انتہائی جہالت کا بیان ہے)

اَوَمَنْ يُّنَشَّؤُا فِى (۱۸) (کیا اللہ کے حصّے میں وہ اولاد

www.drhasanrizvi.com

الۡحِلۡيَةِ وَهُوَ فِى الۡخِصَامِ آئی) جو زیوروں میں پالی جاتی
غَيۡرُ مُبِيۡنٍ ﴿۱۸﴾ ہے، اور بحث مباحثہ کے وقت
(شدّتِ جذبات کی وجہ سے) اپنا مطلب بھی پُوری طرح واضح
نہیں کرسکتی (یعنی نرم ونازک اور کمزور اولاد کو تو تم نے اللہ کے
حصّہ میں ڈال دیا، اور خم ٹھونک کر میدان میں اُترنے والی اولاد
کو خود لے اُڑے)

آیت کا مقصد عورتوں کی مذمت یا کمتری کا اظہار ہرگز نہیں ہے۔ اس کے برعکس مشرکوں کی پست ذہنیّت کا بیان ہے کہ وہ جاہل مشرک عرب، بیٹی ہونے کو اپنی شان بان کے خلاف سمجھتے تھے۔ کیونکہ اگر بیٹی ہوگی تو داماد بھی ہوگا اور جاہل عرب، داماد کو اپنے لیے کلنک کا ٹیکہ سمجھتے تھے، ذلت اور رسوائی کی علامت سمجھتے تھے کیونکہ داماد بیٹی کا شوہر ہوتا ہے جو ان کے خیال میں ان کی شان کے خلاف تھا اور ناک کٹنے کے مترادف تھا۔

مگر اس کے باوجود اسی چیز کو جسے وہ اپنی جہالت کی وجہ سے سب سے بڑا عیب سمجھتے تھے یعنی بیٹی کا ہونا، اسی عیب کو خدا کے لیے ثابت کرتے تھے کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں۔ ان سے کہا جارہا ہے کہ اُفّفو! ایک طرف تو تم بیٹی کا ہونا اپنے لیے عیب سمجھتے ہو، دوسری طرف اسی عیب کو (جسے تم عیب سمجھتے ہو) خدا کے لیے ثابت کرتے ہو، جبکہ تم یہ بھی مانتے ہو کہ خدا وہ ذات ہے جو ہر عیب سے پاک ہے۔ اس طرح آیت مشرکوں کی دونوں غلط ذہنیتوں کی نفی کر رہی ہے۔ ایک اُس بات کی نفی کر رہی ہے کہ بیٹی کو

www.drhasanrizvi.com

عیب سمجھنا بھی تمھاری جہالت ہے اور خدا کے لیے بیٹیوں کو ثابت کرنا بھی تمھاری جہالت ہے۔ ورنہ بیٹی کا ہونا ہرگز ہرگز عیب نہیں ہوتا۔ اگر بیٹیوں کا ہونا عیب ہوتا تو خدا اپنے سب سے محبوب رسولؐ کو بیٹی سے نہ نوازتا اور اس کی اولاد اسی کی بیٹی سے نہ چلاتا اور بیٹی کو "کوثر" نہ قرار دیتا۔ ※ (فصل الخطاب)

امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے: "کہ بیٹا خدا کی نعمت ہوتا ہے اور بیٹی عمل ہوتا ہے۔ نعمت پر حساب دینا ہوگا مگر عمل پر ثواب ملے گا۔" (الحدیث)

آیت کا حاصل

یہ ہے کہ جو نرم و نازک، ضعیف اور کمزور اولاد ہے یعنی لڑکیاں، وہ تو تم نے اللہ کے حصے میں ڈال دی اور جو اولاد خم ٹھونک کر میدان میں اترنے والی ہے اسے خود لے اڑے۔

نتیجہ

محققین نے اس بات سے عورتوں کے زیور کا جواز ثابت کیا ہے۔ حضرت علیؑ سے روایت ہے کہ جناب رسولؐ خدا نے ایک ہاتھ میں ریشم اور دوسرے ہاتھ میں سونا لے کر فرمایا: "یہ دونوں چیزیں بطور لباس کے استعمال کرنا میری امت کے مردوں پر حرام ہے۔"

※ (امام احمد ابن حنبل، ابو داؤد، نسائی)

ایک دفعہ دو عورتیں جناب رسولؐ خدا کے پاس آئیں جو سونے کے کنگن پہنے ہوئے تھیں۔ رسولؐ خدا نے فرمایا: "کیا تم اس کو پسند کرتی ہو کہ اللہ تمھیں اس کے بدلے آگ کے کنگن پہنائے؟" انھوں نے عرض کیا: نہیں۔ آپ نے فرمایا: اس کا حق ادا کرو۔ یعنی زکوٰۃ نکالو۔" ※ (احکام القرآن۔ ابوبکر جصاص)

وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ (۱۹) پھر انھوں نے فرشتوں کو بھی

www.drhasanrizvi.com

اَلَّذِیۡنَ ہُمۡ عِبٰدُ الرَّحۡمٰنِ اِنَاثًا ؕ اَشَہِدُوۡا خَلۡقَہُمۡ ؕ سَتُکۡتَبُ شَہَادَتُہُمۡ وَ یُسۡـَٔلُوۡنَ ﴿۱۹﴾

جو خدائے رحمان کے بندے ہیں، عورتیں قرار دے دیا ہے۔ کیا اُن کے جسم کی ساخت اُنھوں نے دیکھی ہے؟ (یا) کیا وہ اُن کی پیدائش کے وقت موجود تھے؟ اُن کی یہ گواہی لکھ لی جائے گی اور اُن سے (اس کے بارے میں) سوال بھی کیا جائے گا۔

مطلب یہ ہے کہ خدا کی ذات مذکر مؤنث ہونے سے بہت بلند ہے۔ آیت کا دوسرا ترجمہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ "کیا ان کی پیدائش کے وقت یہ لوگ موجود تھے؟"

☼ (تفسیر کبیر)

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ لوگوں کو یہ احساس کیوں ہوا کہ فرشتے لڑکیاں (مؤنث) ہیں۔

۱:- شاید یہ خیال اس لیے پیدا ہوا کہ فرشتے نگاہوں سے پوشیدہ ہیں اور عورتیں بھی پوشیدہ رہتی ہیں۔

۲:- یا اس لیے کہ انھیں خیال تھا کہ فرشتے خوبصورت ہوتے ہیں اور عورتیں بھی خدا کے حُسن کا ایک جلوہ ہوتی ہیں۔

۳:- یا اس لیے کہ ان کا خیال تھا کہ فرشتے لطیف ہیں اور عورتیں بھی نرم و نازک ہوتی ہیں۔

☼ (تفسیر نمونہ)

www.drhasanrizvi.com

وَقَالُوۡا لَوۡ شَآءَ الرَّحۡمٰنُ (۲۰) پھر وہ کہتے ہیں کہ "اگر سب
مَا عَبَدۡنٰہُمۡ ؕ مَا لَہُمۡ کو فیض اور فائدے پہنچانے والا
بِذٰلِکَ مِنۡ عِلۡمٍ ٭ اِنۡ خدا چاہتا (کہ ہم اُن کی عبادت
ہُمۡ اِلَّا یَخۡرُصُوۡنَ ﴿۲۰﴾ نہ کریں) تو ہم کبھی اُن کی پُوجا
پاٹ یا بندگی نہ کرتے۔ یہ اس معاملے کی حقیقت کو بالکل نہیں
جانتے (کہ خدا نے اُن کو عمل کا اختیار دے کر اُن کا امتحان لیا
ہے) وہ بس اٹکل پچّو بات کرتے ہیں۔

مشرکوں کا استدلال یہ تھا کہ اگر شرک اتنی ہی بری چیز ہے جتنی قرآن اور رسولؐ بتلا رہے ہیں تو پھر خدا نے ہمیں شرک کرنے کی قدرت اور اختیار ہی کیوں دیا؟ اب کیونکہ خدا نے خود ہمیں شرک کرنے کی قدرت اور اختیار دیا ہے اس لیے وہ ہمارے شرک کرنے سے راضی ہے۔

وہ احمق یہ نہ سمجھے کہ انسان کو جو اختیار ملا ہے وہ اصل میں اس کے امتحان لینے کے لیے ملا ہے۔ اس لیے کہ امتحان بغیر اختیار دیے ہو ہی نہیں سکتا۔ اگر انسان کو اختیار نہ ملتا تو وہ بالکل روبوٹ یا مشین کی طرح ہو جاتا پھر حساب کتاب، ثواب عتاب کا کوئی جواز ہی باقی نہ رہتا۔ ☼ (تفسیر ماجدی)

خدا نے فرعون، ہامان، نمرود اور ظالم افراد و اقوام کو عمل کا اختیار دیا۔ اس کا مطلب ہرگز

www.drhasanrizvi.com

یہ نہیں ہے کہ خدا ان کے ظلم و جبر پر راضی بھی تھا۔ ⁂ (مؤلف)

"یخوصون" کے معنی اٹکل پچو باتیں کرنا ہوتا ہے۔ اصل میں خرص کے عربی میں معنی پھلوں کی پیداوار کے بارے میں اندازہ لگانے کو کہتے ہیں۔ اسی لیے جو بات اندازوں سے کی جاتی ہے اس کو بھی خرص کہتے ہیں، خواہ وہ اندازے صحیح ہوں یا نہ ہوں۔ عام طور پر خرص کا لفظ غلط اندازوں کے لیے استعمال ہوتا ہے اس لیے خرص کرنے والا عربوں کے نزدیک جھوٹا آدمی ہوتا ہے چاہے اس کی بات سچی ہی کیوں نہ ہو۔ ⁂ (لغات القرآن نعمانی۔ جلد ۴)

گمراہ لوگ اپنی گمراہیوں کا جواز، تقدیر کے حوالے سے پیش کیا کرتے ہیں کہ ہم کیا کریں ہم نے قتل اس لیے کیا کہ یہ ہماری تقدیر میں لکھا ہوا تھا کہ ہم کو قتل کرنا ہے۔ اسی طرح مشرک کہتے تھے کہ ہم کیا کریں ہم بتوں کی پوجا اس لیے کرتے ہیں کہ خدا نے یہ کام ہماری تقدیر میں لکھ دیا ہے۔ اگر خدا یہ کام ہم سے کرانا پسند نہ کرتا تو ہم اگر بتوں کو پوجنا بھی چاہتے تو بھی نہ پوج سکتے۔

دوسرا استدلال یہ تھا کہ ہم صدیوں سے ان بتوں کو پوج رہے ہیں۔ اگر خدا کو یہ کام پسند نہ ہوتا تو کب کا وہ ہم پر عذاب نازل کر دیتا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ خدا کو ہماری بت پرستی بہت پسند ہے۔

⁂ (تفسیر کبیر۔ مجمع البیان۔ تفہیم۔ نمونہ)

اَمۡ اٰتَيۡنٰهُمۡ كِتٰبًا (۲۱)	کیا ہم نے انھیں اس سے
مِّنۡ قَبۡلِهٖ فَهُمۡ بِهٖ	پہلے کوئی کتاب دی تھی جس
مُسۡتَمۡسِكُوۡنَ ﴿۲۱﴾	کی کوئی سند (بت پرستی

www.drhasanrizvi.com

کے لیے) یہ اپنے پاس رکھتے ہوں ؟

قرآن نے مشرکوں، کافروں، دہریوں کی یہ دکھتی رگ بار بار دبائی ہے کہ ان سے بار بار یہ مطالبہ کیا ہے کہ تم شرک، کفر اور دہریت پر کوئی بھی عقلی، نقلی دلیل لاکر دکھاؤ۔

(تفسیر ماجدی۔ تفسیر کبیر)

نتائج

امام رازی نے اس آیت سے یہ نتائج نکالے کہ:

۱:۔ باپ دادا کے راستوں پر اندھا دھند چلنے یعنی آباپرستی اور اندھی جامد تقلید کی مذمت میں اگر پورے قرآن میں کوئی اور آیت بھی نہ ہوتی تو یہ ایک آیت ہی بہت کافی تھی۔ "سو سنار کی اور ایک لوہار کی"۔

۲:۔ دوسرا نتیجہ یہ نکالا کہ کسی عقیدے پر بھی بلا عقلی دلیل کے قائل ہونا قابل ملامت ہے۔ آنکھیں بند کر کے اصولِ دین کو مان لینا یا کسی بھی عقیدے کو مان لینا، آباپرستی کے مترادف ہے۔ اور اس پر خدا کا سزا دینے کا وعدہ ہے۔

(تفسیر کبیر)

اصل میں بغیر عقل استعمال کیے کوئی عقیدہ بنا لینا اور بغیر عقل کے قائل ہوئے کسی عقیدے کو دل میں جگہ دینا، عقل کی نعمت کا کفر ہے۔ اور کیونکہ عقل سب سے بڑی نعمت ہے اس لیے خلافِ عقل عقیدہ رکھنا سب سے بڑا کفر نعمت ہے اور کفر نعمت پر خدا کا سزا کا وعدہ ہے۔

(مؤلف)

مشرکوں اور تقدیر سے جواز ڈھونڈنے والوں کو خداوند عالم کی طرف سے جواب دیا جا رہا ہے کہ یہ تمھاری جہالت ہے کہ تم یہ سمجھتے ہو کہ جو کچھ دنیا میں ہو رہا ہے وہ کیونکہ اللہ کی مشیت کے تحت ہو رہا ہے۔ اس لیے

www.drhasanrizvi.com

خدا اس سے راضی بھی ہے۔ اگر یہ استدلال صحیح ہے تو پھر چوری، ڈاکہ، قتل، فساد، ظلم، زنا، رشوت، جھوٹ ہر قسم کے جرائم سے خدا کا راضی ہونا ثابت ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اگر یہ بات طے ہے کہ جو کچھ دنیا میں ہو رہا ہے خدا اس سے راضی ہے تو پھر کتابوں اور رسولوں کو بھیجنے کی خدا کو کیا ضرورت تھی؟ حلال حرام بتانے کی کیا ضرورت تھی؟ حشر نشر، حساب کتاب سب باطل ہو جاتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ خدا کی مشیت اور چیز ہے اور خدا کی رضامندی اور چیز ہے۔ خدا کی مشیت یہ تھی کہ ہر شخص کی عقل کا امتحان اس طرح لیا جائے کہ ان کو اچھے بُرے کا اختیار دیا جائے اور انبیاء کرام کے ذریعہ ان کو بتا دیا جائے کہ خدا کس عمل سے راضی ہوتا ہے اور کس عمل سے ناراض ہوتا ہے تاکہ ان کو ان کے اعمال کے مطابق جزا سزا دی جاسکے۔

(تفسیر کبیر۔ مجمع البیان۔ تفسیر نمونہ۔ تفہیم)

بَلۡ قَالُوۡۤا اِنَّا وَجَدۡنَاۤ اٰبَآءَنَا عَلٰۤی اُمَّۃٍ وَّ اِنَّا عَلٰۤی اٰثٰرِہِمۡ مُّہۡتَدُوۡنَ ﴿۲۲﴾

(۲۲) (نہیں) بلکہ یہ تو بس یہ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقہ پر پایا ہے، اور ہم انہیں کے نقشِ قدم پر چل کر منزلِ مقصود تک پہنچ جائیں گے۔

مشرکوں، کافروں کے کہنے کا مطلب یہ تھا ہمارے پاس شرک اور کفر کے ثابت کرنے کے لیے

www.drhasanrizvi.com

نہ کوئی عقلی دلیل ہے اور نہ نقلی دلیل ہے۔ نہ ہمارے پاس خدا کی کتاب کی کوئی سند ہے۔ بس ہم بتوں کو صرف اس لیے پوجے چلے جا رہے ہیں کہ ہمارے باپ دادا کے زمانے سے یونہی ہوتا چلا آیا ہے۔ ہم نے انھیں کی تقلید میں فرشتوں کو دیویاں بنا رکھا ہے۔ اور بس۔ ٭ (تفسیر کبیر۔ مجمع البیان۔ تفہیم)

رہا یہ سوال کہ مراجع عظام کی تقلید کرنا بھی اسی ضمن میں آتا ہے تو وہ اس لیے غلط ہے کہ تقلید اصولِ دین میں نہیں ہوتی صرف فروعِ دین میں ہوتی ہے۔

۲:۔ اور فقہائے کرام قرآن و حدیث کی بنیاد پر سوچ سمجھ کر فتوی دیتے ہیں۔ الل ٹپ فتوے نہیں دیتے۔

۳:۔ تقلید کرنا ائمہ اہلبیتؑ کی احادیث سے ثابت ہے جبکہ باپ دادا کی اندھی تقلید کرنے کی قرآن میں واضح مذمت موجود ہے ٭ (تفسیر نمونہ)

وَكَذٰلِكَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ (۲۳) اسی طرح ہم نے آپؐ سے
قَبْلِكَ فِيْ قَرْيَةٍ پہلے کسی بستی میں کوئی
مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ پیغمبر نہیں بھیجا، مگر یہ کہ
مُتْرَفُوْهَآ ۙ اِنَّا وَجَدْنَآ وہاں کے خوش حال دولتمند
اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ لوگوں نے یہی کہا کہ "ہم نے
وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ اپنے باپ دادا کو ایک طریقے

www.drhasanrizvi.com

مُّقْتَدُوْنَ ﴿۲۳﴾ پر دیکھا ہے۔ اور ہم اُنھیں کے نقش قدم کی پیروی کرتے رہیں گے۔"

محققین نے نتیجے نکالے کہ:

۱:۔ یہ آیت رسولؐ خدا کی تسلی کے لیے نازل ہوئی۔

۲:۔ اندھی تقلید بہت بڑی گمراہی ہے۔

۳:۔ دولتمندوں کی تخصیص یہ بتاتی ہے کہ نازو نعمتوں میں پلنے والے لوگ اکثر اپنے مفادات میں اس طرح پھنسے ہوتے ہیں کہ وہ باطل چیزوں کی محبت میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔ پھر باطل کی محبت میں اس قدر کشش ہوتی ہے کہ باطل باتوں کو بغیر سوچے سمجھے مان لیا جاتا ہے اور پھر عوام بھیڑ چال کی وجہ سے اس کی اندھی تقلید کرنے لگتے ہیں۔ ☼ (تفسیر صافی)

ہمیشہ حق کی آواز کو دبانے کے لیے امیر دولت مند طبقہ سب سے آگے آگے ہوا کرتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ:

۱:۔ امیر طبقہ دنیا بنانے اور اس کے مزے اڑانے میں اس قدر مشغول ہوتے ہیں کہ ان کے پاس حق و باطل کی بحث میں سر کھپانے کے لیے وقت ہی نہیں ہوتا۔

۲:۔ دوسری وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ اس قدر کاہل، بے فکر، غافل ہو جاتے ہیں کہ وہ کسی تبدیلی کی زحمت برداشت کرنا نہیں چاہتے۔

۳:۔ تیسرے یہ کہ ان کا مفاد اسی میں ہوتا ہے کہ حالات جیسے ہیں ویسے ہی چلتے رہیں۔ معاشی،

www.drhasanrizvi.com

معاشرتی نظام جوں کا توں رہے۔ تاکہ ان کی چودھراہٹ جیسی چل رہی ہے ویسی ہی چلتی رہے تاکہ وہ گلچھرّے اڑاتے رہیں۔

۴:- چوتھے یہ کہ اکثر دولت مند لوگ حرام کام کرتے ہیں۔ زنا کاری، فحاشی، رشوت لینا اور دینا، قتل کرنا، ظلم کرنا، مزدور یا مزارع کا حق مارنا ہی ان کو دولت مند سرمایہ دار یا وڈیرہ بناتا ہے۔ شریعت یا انبیاء حرام کاموں سے روکتے ہیں، عیاشیوں، بدمعاشیوں پر خدا کی سزائیں سناتے ہیں اس لیے امراء طبقہ سب سے زیادہ انبیاء کرام کا دشمن ہوا کرتا ہے۔

(تفسیر کبیر۔ مجمع البیان۔ تفہیم)

قٰلَ اَوَلَوۡ جِئۡتُكُمۡ بِاَهۡدٰى مِمَّا وَجَدۡتُّمۡ عَلَيۡهِ اٰبَآءَكُمۡ‌ؕ قَالُوۡۤا اِنَّا بِمَاۤ اُرۡسِلۡتُمۡ بِهٖ كٰفِرُوۡنَ ﴿۲۴﴾

(۲۴) ہر نبیؑ نے اُن سے پوچھا کیا تم اسی غلط راستے پر چلتے چلے جاؤ گے) "چاہے اس راستے سے جس پر تم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے، کہیں زیادہ صحیح راستہ میں تمھیں دکھاؤں ؟ " (وہ بولے یقیناً) آخر کار اُنھوں نے سارے

www.drhasanrizvi.com

کے سارے سوالوں کا بس یہی (ایک) جواب دیا کہ: "جس پیغام کے ساتھ تم بھیجے گئے ہو، ہم اس کو نہیں مانتے"۔

فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ (۲۵) تو ہم نے اُن سے اِس کا بدلہ لے لیا۔ اب دیکھ لو کہ جھٹلانے

فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ﴿۲۵﴾ ع النصف — والوں کا کیا انجام ہوا۔

پچھلی دونوں آیتوں سے محققین نے یہ نتیجے نکالے کہ:

۱:۔ پیغمبروں کے ساتھ ہمیشہ عقلی دلیل حق اور برہان (دلیل قاطع) رہی ہے۔ جبکہ پیغمبروں کے مخالفوں کے پاس ہمیشہ تعصب، ہٹ دھرمی، کج بحثی، حق دشمنی، رسم و رواج پرستی، آبا پرستی اندھی تقلید اور عقل دشمنی رہی ہے۔

۲:۔ اس کج بحثی اور حق دشمنی میں رؤسا ہمیشہ آگے آگے رہتے ہیں کیونکہ حق بات مان لینے میں ان کے مفادات پر ضرب پڑتی ہے اور ان کی چودھراہٹ تہس نہس ہو جاتی ہے۔

۳:۔ اسی کج بحثی اور حق دشمنی کی وجہ سے قومیں تباہ و برباد ہو جایا کرتی ہیں۔

www.drhasanrizvi.com

ع "اس طرح تو ہوتا ہے اس طرح کے کاموں ہیں"

۴ : - آیت سے اندھی تقلید کی پوری پوری مذمت ثابت ہے۔

(احکام القرآن از ابوبکر جصاص - تفسیر ماجدی)

وَاِذۡ قَالَ اِبۡرٰهِيۡمُ (۲۶) یاد کرو وہ وقت جب لِاَبِيۡهِ وَقَوۡمِهٖۤ اِنَّنِىۡ ابراہیمؑ نے اپنے چچا اور اپنی بَرَآءٌ مِّمَّا تَعۡبُدُوۡنَ ۲۶ قوم والوں سے کہا کہ: "جس کی تم بندگی یا پوجا پاٹ کرتے ہو میرا اُن سے کوئی تعلّق نہیں۔

اِلَّا الَّذِىۡ فَطَرَنِىۡ فَاِنَّهٗ (۲۷) (میرا تعلّق تو صرف اُس ذات سَيَهۡدِيۡنِ ۲۷ سے ہے) جس نے مجھے پیدا کیا ہے، کہ وہی مجھے منزلِ مقصود تک پہنچائے گا۔

حضرت ابراہیمؑ نے اپنا عقیدہ بھی بیان فرمایا اور اس پر دلیل بھی دی کہ میں دوسرے خداؤں سے اس لیے کوئی تعلق نہیں رکھتا کہ نہ تو انھوں نے مجھے پیدا کیا ہے اور نہ میری صحیح رہنمائی کی ہے اور نہ کر سکتے ہیں۔ میں نے ایک اللہ سے تعلق اس لیے جوڑا ہے کہ اسی نے مجھے پیدا کیا ہے اور وہی تمام

www.drhasanrizvi.com

انسانوں کی صحیح رہنمائی کرتا ہے اور کر سکتا ہے۔

(تفسیر کبیر۔ تفہیم۔ مجمع البیان۔ تفسیر نمونہ)

وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِي عَقِبِهِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿٢٨﴾ (۲۸) اور ابراہیمؑ یہی 'باقی رہنے والا کلمہ' (مراد توحید اور منصب امامت) اپنے پیچھے اپنی اولاد میں بھی چھوڑ گئے 'تاکہ وہ بھی خدا ہی کی طرف رجوع کیے رہیں۔

حضرت امام زین العابدینؑ نے فرمایا: "یہ آیت ہم (ائمہ اہلبیتؑ) کی شان میں اتری ہے۔ اس آیت کا اصل مطلب یہ ہے کہ امامت کا منصب قیامت تک اولاد امام حسینؑ میں باقی رہے گا۔" (جو اولادِ ابراہیمؑ کا تسلسل ہے) (تفسیر صافی بحوالہ الاکمال، علل الشرائع، معانی الاخبار، نور الثقلین)

باقی رہنے والی بات "کلمہ باقیہ" سے مراد منصب امامت ہے جو نسل ابراہیمیؑ میں قیامت تک باقی رہے گا۔ (تفسیر مجمع البیان)

اہلسنّت کے اکابرین نے بھی ذرّیت ابراہیمیؑ کے تحت آلِ محمدؐ کا ذکر فرمایا ہے (مثلاً سدی، حسن از تفسیر کبیر و تبیان) لیکن شاہ ولی اللہ صاحب نے لکھا ہے کہ: "باقی رہنے والے کلمے سے مراد کلمہ توحید تو ہے ہی۔" (شاہ ولی اللہ)

کلمہ باقیہ سے مراد کلمۂ توحید تو ہے ہی۔ لیکن ائمہ اہلبیتؑ کی امامت اور ولایت کلمہ توحید ی

www.drhasanrizvi.com

کا لازمی منطقی نتیجہ ہے۔ اس لیے کہ کلمۂ توحید کا تقاضا خدا کی اطاعت اور معرفت ہے اور خدا کی اطاعت و معرفت رسولؐ کے بغیر نہیں ہو سکتی اور امامت کا کام رسولؐ کے پیغام کی حفاظت اور وضاحت کرنا ہوتا ہے۔ گویا امامت کلمۂ توحید کی امین اور محافظ ہوتی ہے۔ امامؑ کے بغیر ہم خدا کی اطاعت نہیں کر سکتے۔ کیونکہ امامؑ ہی قرآن اور احادیث رسولؐ کا امین ہوتا ہے۔ اس لیے امامؑ کی ہدایت کے بغیر ہم خدا کی اطاعت نہیں کر سکتے۔

(تفسیر نمونہ) ☼

اسی لیے قرآن میں فرمایا: "يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ۔"

"قیامت کے دن ہم ہر شخص کو اس کے امام کے ذریعے بلائیں گے۔" (بنی اسرائیل ۱۷، آیت ۷۱، پ۱۵)

اور جناب رسول خدا نے فرمایا: "من مات ولم يعرف امام زمانه فقد مات ميتة الجاهلية۔" "جو مرا اور اس نے اپنے زمانے کے امام کو نہ پہچانا وہ جاہلیت کی موت مرا۔" ☼ (الحدیث متفق علیہ)

قریش عرب کی چودھراہٹ صرف اس بنیاد پر چل رہی تھی کہ وہ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد تھے اور ان کے بنائے ہوئے کعبے کے مجاور تھے۔ ان سے کہا جا رہا ہے کہ تمھیں حضرت ابراہیمؑ کی پیروی کرنی چاہیے۔ شرک اور بت پرستی کے بجائے توحید کا علمبردار بننا چاہیے۔

(تفسیر کبیر۔ تفہیم) ☼

بَلْ مَتَّعْتُ هٰٓؤُلَآءِ (۲۹) (لیکن جب لوگوں نے ابراہیمؑ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى کی تعلیم کو بھلا دیا تو میں نے

www.drhasanrizvi.com

جَآءَهُمُ الْحَقُّ وَ اُن کو فوراً سزا نہ دی) بلکہ
رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ﴿۲۹﴾ میں اُن کے باپ دادا کو وقتی
دنیوی فائدے دے کر عیش اڑانے کا موقع دیتا رہا۔ یہاں تک
کہ اُن کے پاس "حق" (مُراد قرآن) بھی آیا اور (حقیقتوں کو)
کھول کھول کر بیان کرنے والا "رسول" بھی آیا۔

رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ یعنی کھول کھول کر بیان کرنے والا رسول ۔ یا ۔ جس کا رسول ہونا بالکل ظاہر باہر اور ثابت ہے۔ جس کی چالیس سال، پاک صاف زندگی، اس کی امانت، دیانت، صداقت کا واضح ثبوت ہے۔ اس کی لائی ہوئی کتاب قرآن، اپنے الفاظ معنی کے اعتبار سے واضح ثبوت ہے کہ بقول مشرکین عرب: "ماھذا کلام البشر" یہ آدمی کا کلام ہو ہی نہیں سکتا۔

(تفسیر کبیر)

کھول کر بیان کرنے والا (رسول مبین) کے معنی ایسا رسول جس کا اللہ کا پیغامبر ہونا بالکل ظاہر اور واضح ہے۔ جس کی نبوت کے اعلان سے پہلے کی زندگی بالکل صاف شفاف Transparent ہے اتنی پاک کہ "دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں"۔ جس کے خون کے پیاسے بھی اس کی پاکیزگی کردار کا کلمہ پڑھیں۔

(تفسیر مجمع البیان ۔ انوار النجف ۔ تفہیم)

وَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ (۳۰) توجب اُن کے پاس حق آیا

www.drhasanrizvi.com

قَالُوۡا هٰذَا سِحۡرٌ وَّ اِنَّا بِهٖ كٰفِرُوۡنَ ﴿۳۰﴾ تو اُنھوں نے کہا: یہ تو جادو ہے۔ اور ہم اس کو نہیں مانتے۔

وَقَالُوۡا لَوۡلَا نُزِّلَ هٰذَا الۡقُرۡاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الۡقَرۡيَتَيۡنِ عَظِيۡمٍ ﴿۳۱﴾ (۳۱) اور اب وہ کہنے لگے کہ یہ (قرآن مکّہ اور طائف کے) دونوں شہروں کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں اُتارا گیا؟

دونوں بستیوں سے مراد مکّہ اور طائف کے دولتمند لوگوں کی بستیاں ہیں۔

(تفسیر علی ابن ابراہیم)

یہ محاورہ دورِ جاہلیت سے چل رہا ہے اور چلتا ہی رہے گا کہ دولتمندوں کو "بڑا آدمی" کہا جاتا ہے۔

؎ خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد جو چاہے آپ کا حُسنِ کرشمہ ساز کرے

اس آیت میں خداوندِ عالم نے مشرکوں، کافروں، حق دشمنوں کو یہ جواب دیا ہے کہ رسالت (نبوت اور امامت) کا تعلق دولت اور حکومت سے قطعاً نہیں ہوا کرتا۔ اس کا تعلق علم، تقویٰ، طہارت اور نفس کی بلندی سے ہوا کرتا ہے۔

دوسری بات یہ بھی خداوندِ عالم نے ثابت کر دی کہ کسی کے پاس دولت یا حکومت کا ہونا، خدا کے نزدیک

www.drhasanrizvi.com

اس کے بڑے آدمی ہونے کا ثبوت نہیں ہوا کرتا اور اس لیے کہ وہ دولت، حکومت والا ہے اس لیے اس کو نبوت، رسالت (امامت) جیسی عظیم چیز نہیں دی جا سکتی۔

(تفسیر ماجدی۔ تفسیر کبیر) ☼

اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ؕ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ رَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا ؕ وَ رَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۳۲﴾

(۳۲) تو کیا اب تیرے پالنے والے مالک کی رحمت کو یہ لوگ تقسیم کریں گے؟ حالانکہ وہ ہم ہیں جس نے دُنیوی زندگی میں بھی اُن کے اسبابِ معاش اُن میں تقسیم کیے ہیں۔ اور اُن میں سے کچھ لوگوں کو کچھ دوسرے لوگوں پر کئی درجے بلندی بھی دی ہے۔ تاکہ یہ ایک دُوسرے کو اپنے قبضے میں لا کر اُن سے کام لیں۔ غرض تیرے پالنے والے مالک کی 'رحمت' (مُراد ہدایت) اُس مال و دولت سے کہیں

www.drhasanrizvi.com

بہتر ہے جو (اُن کے دولتمند لوگ) جمع کر رہے ہیں۔

خداوند عالم کا فرمانا کہ: "کیا اب تیرے پالنے والے مالک کی رحمت کو یہ لوگ تقسیم کریں گے؟" یعنی کیا احمقوں کا یہ خیال ہے کہ اللہ نے ان کے مشورے کے بغیر روزی کیسے بانٹ دی؟ جب اللہ نے روزی جیسی چیز کو ان کی تجویز پر نہیں بانٹا تو پیغمبری جیسی عظیم چیز کو ان کی تجویز (مشورے) پر کیوں دینے لگا؟

(موضح القرآن) ☼

بعینہ یہی اصول نبی کی وصایت کا بھی ہوتا ہے کہ خدا نے آج تک کسی نبی کے وصی کو لوگوں کی خواہش پر یا مشورے پر نہیں بنایا۔ ہمیشہ نبی بھی خود بنایا اور نبی کا وصی بھی خود بنایا۔

(فصل الخطاب) ☼

خدا کو لوگوں کے مشورے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ کیونکہ خدا کا علم لامحدود ہے، بندوں کے علم کی طرح ناقص اور محدود نہیں۔ جیسے قرآن میں خود فرمایا:

"اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ"

"اللہ خوب جانتا ہے کہ اپنی پیغام رسانی کا کام کہاں قرار دے۔" (الانعام، آیت ۱۲۴، پ ۸)

رحمت کے ویسے تو عام معنی ہوتے ہیں مگر یہاں رحمت کے خاص معنی نبوت مراد ہیں۔

(مدارک) ☼

مگر جس طرح نبوت خدا کی خاص رحمت ہے اسی طرح امامت، خلافت، ولایت اور رسولؐ کی وصایت بھی خدا کی خاص رحمت سے ملتی ہے۔ ☼ (مؤلف)

؎ ایں سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

www.drhasanrizvi.com

(یعنی) "یہ سعادت زورِ بازو سے حاصل نہیں ہوتی۔ یہ اس وقت تک نہیں ملتی جب تک بخشنے والا خدا اسے نہ بخشے۔"

خداوندِ عالم فرما رہا ہے کہ نبوّت تو خیر بہت بڑی چیز ہے دنیا کی معمولی سی زندگی میں گزر اوقات کے کرنے کے وسائل تک کو تقسیم کرنا ہم نے خود اپنے ہاتھ میں رکھا ہے۔ کسی کے حوالے نہیں کیا۔ ہم جس کو چاہتے ہیں خوبصورت، جس کو چاہتے ہیں بدصورت۔ جس کو چاہتے ہیں ذہین، جس کو چاہتے ہیں کند ذہن۔ کسی کو صحت مند تنومند، کسی کو کمزور بناتے ہیں۔ اس میں کسی کو عمل دخل نہیں۔ گویا لوگوں کے درمیان رزق، مال، طاقت، عزت، شہرت، حُسن، حکومت ہم تقسیم کرتے ہیں۔ اب ہماری حکومت و اقتدار میں یہ مشرکین چلے ہیں خدا کا نبی بنانے، نبوت، رسالت (امامت) کے عہدے تقسیم کرنے۔ یہ احمق چاہتے ہیں کہ جس کو وہ چاہیں خدا کا نبی بنائیں۔ "چہ پدّی چہ پدّی کا شوربہ۔"

(تفسیر کبیر۔ مجمع البیان۔ نمونہ۔ تفہیم) ☼

تیرے رب کی رحمت سے مراد نبوّت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تم اپنے جن سرداروں کو دولت، اولاد قبیلے کی طاقت کی وجہ سے بڑی چیز سمجھ رہے ہو وہ اس دولت کے ہرگز لائق نہیں ہیں جو محمد مصطفیٰ کو دی گئی ہے کیونکہ دولتِ نبوّت و رسالت، خدا کی عظیم ترین رحمت ہے۔ تمھارے یہ چودھری، سیٹھ، وڈیرے، سرمایہ دار، نبی بننے کے قطعاً اہل نہیں۔ نبی، ہر ایرا غیرا نہیں بن سکتا۔ نبی کے لیے بہت ہی اعلیٰ خصوصیات اور پاکیزہ ترین کردار درکار ہوتا ہے۔ ☼ (تفہیم)

اصل میں انسانوں کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ خدائی اختیارات انھیں مل جائیں اور ساری کائنات کی طاقتیں ان کے اشارے پر چلنے لگیں۔ مگر یہ ذہنیت شاعرانہ بلکہ احمقانہ ہے۔ اس کائنات کا مالک

www.drhasanrizvi.com

خدا ہے۔ اس لیے اس کو حق ہے جسے جو چاہے دے۔ اس لیے پوری کائنات کا نظام اسی کے اشاروں پر چل رہا ہے اور چلتا رہے گا۔ دنیا کا بھی، آخرت کا بھی۔ اس نظامِ تقسیم رحمت کو اور نظام کائنات کو اپنے زیر فرمان کر لینے کی خواہش صرف شاعرانہ سوچ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔ بقول شاعر:

ے اے ابرِ کرم اتنا نہ برس، اتنا نہ برس کہ وہ آ نہ سکیں
اور آجائیں تو جم کے برس، اتنا تو برس کہ وہ جا نہ سکیں

شاعر چاہتا ہے کہ نظامِ عالم اس کی مرضی کا پابند ہو جائے۔ مگر نظامِ عالم اس طرح چلے گا تو تضادات کا شکار ہو کر بے کار ہو جائے گا۔ میری خواہش کچھ اور ہوگی اور آپ کے مفادات کا تقاضا کچھ اور ہوگا۔ اس لیے نظام عالم کو خدا نے خود اپنے ہاتھ میں رکھا ہے وہ اپنی رحمتوں کو حسب مصلحت اپنے بندوں میں خود تقسیم فرماتا ہے۔ (مؤلف)

اعتراض کیا جاتا ہے کہ خدا نے اس آیت میں طبقاتی نظام کی تائید فرمائی کہ اعلیٰ طبقہ ادنیٰ طبقے سے کام لے۔ لیکن اعتراض کرنے والے یہ نہیں سمجھتے کہ اگر تمام لوگوں کی تمام جسمانی، روحانی، دماغی صلاحیتیں برابر ہوتیں تو اجتماعی نظام چل ہی نہ سکتا۔ اسی لیے خدا نے کسی کو کوئی چیز دی ہے تو کسی دوسرے آدمی کو کوئی اور صلاحیت زیادہ دی ہے۔ اسی لیے عدالت کے معنی کامل مساوات نہیں ہوتے بلکہ عدالت کے معنی ہر شخص کو اس کا حق ادا کرنا ہوتا ہے۔ مساوات کا نعرہ اس معنی میں ضرور درست کہ سب کے ساتھ مساوی طور پر عدل و انصاف کیا جائے۔ یعنی ہر شخص کو اس کا جو حق بنتا ہے ادا کیا جائے۔ مگر مساوات کے معنی سب کو برابر تنخواہ دیا جانا سوشلسٹ ملکوں میں بھی قبول نہیں ہو سکا۔ البتہ مساوات

www.drhasanrizvi.com

یہ ہونی چاہیے کہ ہر شخص کو مساوی طور پر آزاد ہونا چاہیے کہ اپنی صلاحیتوں کو استعمال کرے اور ان کے نتائج سے پورا پورا فائدہ حاصل کرے۔

رہا دوسرا سوال کہ جب خدا نے رزق مقرر کر دیا ہے تو پھر کوششوں کی کیا ضرورت ہے؟ خدا نے رزق دینے کا وعدہ ضرور فرمایا ہے مگر یہ وعدہ کوششوں کے ساتھ مشروط ہے۔ اگر انسان کوشش نہ کرے گا تو اس کو رزق نہ ملے گا۔

البتہ مساوات کا مطلب یہ بھی ہے کہ تمام پہلوؤں کے اعتبار سے کسی انسان کو دوسرے پر فوقیت نہیں۔ کسی میں کوئی صلاحیت زیادہ ہے تو کسی میں کوئی اور۔ کوئی کسی لحاظ سے دوسرے سے بہتر ہے تو دوسرا کسی اور لحاظ سے پہلے سے بہتر ہے۔ ہر فرد اور طبقے کو دوسرے سے کام لینے کا حق ہے۔ مگر کام لے کر اس کا جو حق بنتا ہے اس کا ادا کرنا عدل ہے۔ (تفسیر نمونہ)

وَلَوْلَآ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ ﴿۳۳﴾

(۳۳) اگر یہ نتیجہ نہ ہوتا کہ سب کے سب لوگ ایک ہی طریقے کے (گمراہ) ہو جائیں گے، تو ہم خدائے رحمان (یعنی) سب کو فیض اور فائدے پہنچانے والے خدا کا انکار کرنے والوں کے

www.drhasanrizvi.com

گھروں کی چھتوں اور اُن کی سیڑھیوں تک کو جن پر وہ چڑھتے ہیں، (سونے) چاندی کے کر دیتے۔

حاصل مطلب یہ ہے کہ لوگ کافروں کی دولت کی فراوانی کو دیکھ کر دنیا کی محبت کی وجہ سے کفر و انکارِ حق کی طرف راغب ہو جاتے ہیں۔ اصل وجہ یہ ہوتی ہے کہ مال دولت کی کثرت دماغ میں تکبر کا نشہ پیدا کرتی ہے اسی نشہ کی وجہ سے انسان خدا اور آخرت سے غافل ہوتا چلا جاتا ہے اور آخر کار انکار پر اُتر آتا ہے۔

زخرف، ایسے سجے ہوئے مکان کو کہتے ہیں جو سونے چاندی سے سجایا گیا ہو۔

(تفسیر ماجدی)

امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ: "اگر خدا نے کافروں کے گھروں کی چھتوں اور سیڑھیوں تک کو سونے چاندی کا بنا دیا ہوتا تو پھر کوئی خدا، رسولؐ، آخرت پر ایمان نہ لاتا۔ اسی لیے خدا نے کچھ مومنین کو بھی امیر بنا دیا اور کچھ کافروں کو بھی فقیر بنا دیا۔ پھر اپنے احکامات صادر فرما کر صاحبان ایمان کے صبر کا امتحان لیا۔"

(الحدیث)

لیکن اگر خداوند عالم کافروں کو بے پناہ دولت دے دیتا تو لوگ یہ سمجھتے کہ خدائی مقبولیت کفر و شرک ہی سے حاصل ہو سکتی ہے۔ اور پھر سب کے سب کفر و شرک پر جھک جاتے۔

(تفسیر کبیر امام رازی)

وَلِبُيُوتِهِمْ أَبْوَابًا وَسُرُرًا (۳۴) اور (صرف یہی نہیں) اُن کے گھروں کے دروازوں کو بھی

عَلَيْهَا يَتَّكِئُونَ ﴿۳۴﴾

www.drhasanrizvi.com

اور وہ تخت جن پر وہ تکیے لگا کر بیٹھتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ اے دنیا والو! یہ سونا چاندی جس کا مل جانا تم لوگوں کے لیے عظمت کی معراج ہے اللہ کی نگاہ میں اتنی معمولی چیز ہے کہ اگر ہمیں یہ خطرہ نہ ہوتا کہ تمام کے تمام انسان کفر کی طرف جھک جائیں گے تو ہم ہر ہر کافر کا گھر سونے چاندی کا بنا دیتے۔ تم کتنے احمق ہو کہ مالِ دنیا کو انسان کی عظمت و طہارت و نبوت و رسالت کا معیار بنا بیٹھے ہو۔ یہ مال تو ان خبیث ترین لوگوں کے پاس بھی کثرت سے پایا جاتا ہے جن کے گھناؤنے کردار نے ساری دنیا کو فساد اور ظلم کی آماجگاہ بنا رکھا ہے۔ دنیا کا ہر فرعون و نمرود، ابن زیاد اور یزید دولتمند اور حکمران ہے۔ تم نے اسی مال کو انسان کی بڑائی کا معیار بنا رکھا ہے اور اب تم یہ کہتے ہو کہ مالداروں میں سے خدا نے کسی کو رسول کیوں نہیں بنایا؟ ع : "فکرِ ہر کس بقدرِ ہمتِ اوست"

(تفسیر کبیر۔ مجمع البیان۔ تفہیم۔ انوار النجف)

وَزُخْرُفًا ۚ وَإِن كُلُّ (۳۵) اور طرح طرح کی آرائشیں (دے

ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ کہ ان سب کو سونے چاندی کا

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَالْاٰخِرَةُ بنا دیتے) مگر یہ سب ہوتا اسی

عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۵﴾ دنیا کی زندگی سے عارضی یا

وقتی فائدہ اٹھانے کا ساز و سامان۔ لیکن آخرت کی دوسری زندگی تمہارے پالنے والے مالک کے ہاں صرف (اور صرف)

www.drhasanrizvi.com

بُرائیوں سے بچنے والے 'مُتّقین' کے لیے ہے۔

جناب رسولؐ خدا نے فرمایا: "اگر خدا کے نزدیک دنیا کی قیمت مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو دنیا سے کافر (خدا کے دشمن) کو پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ پلاتا"

(تفسیر کشاف جلد ۴ - اصول کافی)

حضرت علیؑ سے روایت ہے کہ: "اگر خدا چاہتا تو اپنے نبیوںؑ پر سونے کے خزانوں کے منہ کھول دیتا۔ .....اگر خدا ایسا کرتا تو عقلوں کا امتحان نہ ہو سکتا۔ پھر جزا و سزا بے کار ہو جاتی۔"

حضرت علیؑ نے فرمایا کہ: "اگر خدا چاہتا تو اپنا محترم گھر ایسی جگہ بناتا جس کے گرد باغ و چمن کی قطاریں، بہتی ہوئی نہریں، نرم و ہموار زمین ہوتی ...... لیکن اگر خدا ایسا کرتا تو کعبہ جانے کا ثواب کم کر دیتا جس قدر تکلیف میں کمی آئی ہوتی۔ پھر یہ کہ لوگ دلفریب حسین مناظر سے مانوس ہو جاتے اور خدا سے غافل ہو جاتے۔"

(نہج البلاغہ خطبہ ۱۹۰ - خطبہ قاصعہ)

انھیں پتھروں پہ چل کے اگر آسکو تو آؤ
مرے گھر کے راستے میں کوئی کہکشاں نہیں ہے

آیت کا مقصد یہ ہے کہ ہم دنیا کے حسن و زینت میں کھو کر خدا کو بھول نہ جائیں۔ ہمیں ہمیشہ نعمتوں کے ساتھ ساتھ نعمتوں کا عطا کرنے والا یاد رکھنا چاہیے۔

کھویا نہ جا صنم کدۂ کائنات میں
محفل گداز! گرمیٔ محفل نہ کر قبول

(اقبالؔ)

www.drhasanrizvi.com

آیت کا مقصد جھوٹی اقدار کی نفی کرنا ہے۔ صرف دُنیوی دولت کے حصول کو کامیابی کا معیار سمجھنا نہیں چاہیے یعنی کسی کے پاس مال و دولت کی کثرت دیکھ کر اس کو کامیاب انسان نہ سمجھا جائے۔ کیونکہ ان تمام وسائل کی حیثیت صرف اور صرف وسائل زندگی کی ہے۔ یعنی یہ وسائل زندہ رہنے کا ذریعہ ہیں، زندگی کا مقصد نہیں ہیں۔ زندگی کا مقصد خدا کی اطاعت اور آخرت کی کامیابی ہے۔ مادی وسائل کو صرف مادی وسائل سمجھنا چاہیے۔ ان کو انسان کی عظمت اور کامیابی کا معیار نہیں بنالینا چاہیے۔ اس لیے اگر کافر کے پاس مال دنیا بہت زیادہ ہو تو یہ اس کی کامیابی کی دلیل نہیں ہے اور مومنین کا مال دنیا سے محروم ہونا ان کی تذلیل نہیں ہے۔ البتہ دنیا کی حلال نعمتوں کو خدا کی عطا سمجھ کر استعمال کرنا عین سعادت اور عبادت ہے۔

(تفسیر نمونہ)

جیسا کہ خدا نے فرمایا: (اے رسولؐ) فرمادیجیے کہ اللہ نے جو زینت (خوبصورت چیزیں) اپنے بندوں کیلئے پیدا فرمائی ہیں ان اچھی اچھی چیزوں کو کس نے حرام کیا ہے؟ فرمادیجیے کہ یہ تمام چیزیں دنیوی زندگی میں ان لوگوں کے لیے ہیں جو دل سے اللہ رسولؐ کو مانتے ہیں (اگرچہ دنیا میں اور لوگ بھی ان نعمتوں میں ان کے شریک ہیں) لیکن قیامت میں خاص طور پر یہ سب انھیں (مومنین) کے لیے ہوں گی۔ ہم ان آیتوں کو سمجھ دار لوگوں کے لیے اسی طرح تفصیلات کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔"

(سورۂ اعراف ۷، آیت ۳۲، پ ۸)

غرض ثابت ہوا کہ دنیا کا ٹھاٹھ باٹھ اور نعمتیں خدا کی عطا سمجھ کر عاجزی اور انکساری کے ساتھ استعمال کرنا بُری چیز نہیں ہے۔ لیکن ان نعمتوں کو سب کچھ سمجھ کر انھیں کو اصل کامیابی کا معیار سمجھ لینا سب سے بڑی حماقت ہے۔ (مؤلف)

www.drhasanrizvi.com

ع
توُ ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا
ورنہ گلشن میں علاجِ تنگیٔ داماں بھی تھا
(اقبالؔ)

نتائج و تعلیمات

(۱) خداوند عالم مومنین پر بے حد مہربان ہے کہ انھیں صرف گمراہی ہی سے نہیں بچاتا بلکہ گمراہی کے اسباب تک سے بچاتا ہے۔

(۲) آخرت صرف ان لوگوں کے لیے جو آخرت کو دل سے مانیں اور اس کے لیے کام کریں۔

(۳) دنیا خدا کی نظر میں بہت معمولی چیز ہے۔

(۴) سونا چاندی ناپسندیدہ چیزیں ہیں۔ دولتِ دنیا خدا کی نگاہ میں اس قدر ناپسندیدہ اور معمولی چیز ہے کہ خداوند عالم اپنے منکروں اور دشمنوں کو یہ چیزیں کثرت سے عطا کردیا کرتا ہے۔ لیکن اگر اس سے بھی کہیں زیادہ دے دیتا تو شاید کوئی بھی ایمان کے راستے پر باقی نہ رہتا۔ اس لیے حکمتِ الٰہی کا تقاضا یہ ہوا کہ کبھی کفار بھی غریب اور پریشان حال دکھائی دیں اور اہل ایمان بھی کبھی دولتمند اور خوش حال دکھائی دیں۔ تاکہ کفر، شرک، نفاق اور الحاد کو یقینی طور پر دنیا کی کامیابی یا خدا کی رضامندی کا معیار نہ سمجھا جائے۔ ٭ (تفسیر ماجدی)

امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا: "اللہ نے مومنین میں بھی دولتمند رکھے اور کافروں میں بھی فقرا رکھے۔ اگر خدا ایسا نہ کرتا تو پھر کوئی ایمان نہ لاتا۔ ایسا کرنے کے بعد خدا نے ان کا امتحان لیا، کچھ چیزوں کے کرنے کا اور کچھ چیزوں کے نہ کرنے کا۔ اس طرح خدا نے نعمتیں دے کر شکر کا امتحان لیا اور نعمتیں نہ دے کر صبر کا امتحان لیا۔" ٭ (تفسیر علی ابن ابراہیم)

www.drhasanrizvi.com

وَمَنْ يَعْشُ عَنْ ذِكْرِ (۳۶) اور جو خدا کی یاد سے اندھا
الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهُ رہتا ہے، اُس پر ہم ایک
شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهُ شیطان کو مسلّط کر دیتے
قَرِيْنٌ ﴿۳۶﴾ ہیں۔ اور وہ اُس کے ساتھ
ساتھ رہتا ہے۔

حضرت علیؑ سے روایت ہے کہ جناب رسولؐ خدا نے فرمایا: "جس شخص نے کسی گناہ کا ارتکاب کیا گویا اُس نے خدا کی یاد سے آنکھیں بند کر لیں۔ اور جس شخص نے خدا کے احکامات کو سیکھنا (اور اس پر عمل کرنا) چھوڑ دیا اس پر خدا نے شیطان کو مقرر کر دیا پھر بس وہی اس کا ساتھی رہے گا۔" (جیسی روح ویسے فرشتے)

☼ (تفسیر صافی بحوالہ الخصال)

؎ کند ہم جنس با ہم جنس پرواز کبوتر با کبوتر باز با باز

اب جبکہ یہ اچھی طرح معلوم ہو گیا کہ خدا کو یاد کرنا بھول جانا شیطان کے مسلّط ہونے کا سبب ہوا کرتا ہے تو اب شیطان کے مسلّط ہونے سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ نماز اور قرآن کی تلاوت (قرآن کو سمجھ کر پڑھنا) باقاعدگی اور پابندی سے انجام دیا جائے اور مجالسِ ذکر میں کثرت سے لازمی طور پر شریک ہوا جائے۔ (مدارک)

امام صادقؑ سے روایت ہے کہ: "سنّت اعمال میں سب سے زیادہ ثواب خدا کی آیات پر غور و فکر کرنا ہے اور مجالس ذکر میں شریک ہونا ہے۔" ☼ (الحدیث)

www.drhasanrizvi.com

رحمان کے ذکر سے مراد خدا کی یاد ہے اور خدا کی آئی ہوئی نصیحت یعنی قرآن کو سمجھ کر پڑھنا ہے۔ ☼ (تفسیر کبیر۔ تفہیم۔ مجمع البیان)

وَإِنَّهُمْ لَيَصُدُّونَهُمْ عَنِ السَّبِيلِ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ مُهْتَدُونَ ﴿٣٧﴾

(۳۷) اور وہی (شیاطین) ایسے لوگوں کو سیدھے راستے پر آنے سے روکتے رہتے ہیں، جبکہ وہ لوگ اپنی جگہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ہی صحیح راستے پر ہیں۔

حَتَّىٰ إِذَا جَاءَنَا قَالَ يَا لَيْتَ بَيْنِي وَبَيْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ فَبِئْسَ الْقَرِينُ ﴿٣٨﴾

(۳۸) آخر کار جب یہ شخص ہمارے پاس آتا ہے تو اپنے شیطان سے کہتا ہے: "کاش میرے اور تیرے درمیان مشرق اور مغرب کا فاصلہ ہوتا۔ تو کتنا برا ساتھی ہے۔"

اس آیت کی تمام ضمیریں اور حوالے عقل کے اندھے بن جانے والوں کی طرف پھرتی ہیں (مدارک)

www.drhasanrizvi.com

جناب رسولِ خدا نے فرمایا: "کافروں کا ہر شیطان سوتے جاگتے، کھاتے پیتے ان کے بالکل ساتھ ساتھ رہتا ہے۔ مگر مومن کا شیطان انتظار کرتا رہتا ہے کہ مومن کب خدا یا آخرت سے غافل ہو تو اسے دبوچ لے"

اور کافر کا قیامت کے دن اپنے شیطان سے یہ کہنا کہ: "کاش میرے اور تیرے درمیان مشرق اور مغرب کا فاصلہ ہوتا۔" یعنی بے حد دوری ہوتی۔

(کشاف۔ تفسیر کبیر)

امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ جناب رسولؐ خدا نے فرمایا:

"جس وقت انسان پیدا ہوتا ہے اسی وقت شیطان کے ہاں ایک بچہ پیدا ہوتا ہے جیسے جیسے انسان کا بچہ بڑا ہوتا جاتا ہے شیطان کا بچہ بھی بڑا ہوتا جاتا ہے۔ جب انسان کا بچہ باشعور ہو جاتا ہے تو شیطان کا وہی بچہ اس کے ساتھ ساتھ رہنے لگتا ہے اور اس کو بہکاتا رہتا ہے۔"

(الکافی)

www.drhasanrizvi.com

غافل اور بے فکر انسان اسی شیطان کے گمراہ کرنے پر اس کے اشاروں پر ناچنے لگتا ہے۔
مگر جو شخص خدا کو یاد رکھتا ہے یعنی قرآن اور احادیث کو سمجھ کر پڑھتا رہتا ہے، وہ شیطان کے چکروں میں نہیں پھنستا۔ وہ ہر قدم پھونک پھونک کر رکھتا ہے۔ لیکن جو شخص خدا رسولؐ اور آخرت سے غافل ہو جاتا ہے خدا اس پر اس کے شیطان کو مسلّط کر دیتا ہے۔ وہ شیطان اُسے خدا کی راہ سے روکتا ہی رہتا ہے یہاں تک کہ موت آجاتی ہے۔ پردے ہٹ جاتے ہیں، نتائج واضح ہو جاتے ہیں اس وقت وہ انسان شیطان کی کارستانی دیکھ کر پکار پکار کر کہتا ہے: "اے کاش مجھ میں اور تجھ میں مشرق مغرب کا فاصلہ ہوتا تو کتنا برا ساتھی ہے۔" (القرآن)

مگر!

"اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چُگ گئیں کھیت"

www.drhasanrizvi.com

وَلَنۡ یَّنۡفَعَکُمُ الۡیَوۡمَ (اس وقت ان سے کہا جاتا
اِذۡ ظَّلَمۡتُمۡ اَنَّکُمۡ فِی ہے) "جب تم ظلم کر چکے" تو
الۡعَذَابِ مُشۡتَرِکُوۡنَ ۝۳۹ آج (تمھارا یہ کہنا) تمھیں کوئی
فائدہ نہ دے گا۔ اب تم اور تمھارے یہ شیاطین سب (کے سب)
خدائی سزا میں مشترک ہیں۔"

محققین نے نتیجے نکالے (۱) قیامت میں کافروں، مشرکوں، منافقوں، بدکاروں، ظالموں کو اس بات سے بھی ذرا سی تسکین حاصل نہ ہوگی کہ دوسرے بہت سے لوگ بھی ان کے ساتھ جہنم میں جھونکے جارہے ہیں۔

(۲) شیطان کا بھی جہنمی کے ساتھ عذاب میں شریک ہونے کا مطلب یہ نکلا کہ خدا نے شیطان کو گمراہ کرنے پر مامور نہیں کیا تھا۔ بس خدا اس کے شیطانی کام میں رکاوٹ نہ بنا۔ خدا نے اسے گمراہ کرنے دیا۔ یعنی خدا نے اس کو گمراہ کرنے کے لیے خود اس کی گمراہی میں اسے چھوڑ دیا وہ بھی اس لیے کہ شیطان کو یہ ضد تھی کہ دوسروں کو گمراہ کرے اور دوسرے یہ کہ خدا نے اس کو اس لیے گمراہی میں چھوڑ دیا کہ وہ خدا سے سرکش ہو گیا تھا۔ ☼ (فصل الخطاب)

www.drhasanrizvi.com

ظالموں، کافروں، حق دشمنوں سے کہا جارہا ہے کہ آج تمھارے لیے کوئی تسلی نہیں ہے۔ آج تمھیں بھی سزا مل رہی ہے اور ان کو بھی سزا مل رہی ہے جنھوں نے تمھیں گمراہ کیا تھا۔ ان کو گمراہ کرنے کی سزا مل رہی ہے تم کو ان کی باتیں جان بوجھ کر اختیاراً قبول کرنے کی سزا مل رہی ہے۔

(تفسیر کبیر۔ تفہیم۔ مجمع البیان)

اَفَاَنۡتَ تُسۡمِعُ الصُّمَّ (۴۰) تو کیا آپؐ بہروں کو آواز
اَوۡ تَهۡدِی الۡعُمۡیَ وَ سُنوائیے گا؟ اور اندھوں کو
مَنۡ کَانَ فِیۡ ضَلٰلٍ راستہ دکھائیے گا؟ اور اُن کو
مُّبِیۡنٍ ﴿۴۰﴾ جو کھلی گمراہی میں پڑے ہیں
(ہدایت فرمائیے گا)؟

جناب رسولؐ خدا سے فرمایا جارہا ہے کہ جو لوگ حق بات کو سننے کے لیے تیار ہوں اور جنھوں نے حقائق کی طرف سے آنکھیں بند نہ کرلی ہوں آپؐ صرف ان کی طرف توجہ فرمائیں۔ عقل کے اندھوں، حق بات سننے سے بہروں کو اپنی بات بار بار سناتے رہنے کی کوششوں میں اپنی جان نہ کھپائیں۔ اپنی جان کو اس غم میں نہ گھلائیں کہ یہ حق دشمن سیدھے راستے پر کیوں نہیں آجاتے؟ اور کیوں یہ لوگ اپنے آپ کو خداوندِ عالم کی سخت ترین سزا کا مستحق بنارہے ہیں۔

(تفسیر کبیر۔ مجمع البیان۔ تفہیم)

www.drhasanrizvi.com

خاص بات یہ ہے کہ پچھلی آیات میں حق دشمنوں اور منکروں کو ان لوگوں سے تشبیہ دی گئی تھی جن کی آنکھیں کمزور ہوتی ہیں۔ مگر ان آخری آیتوں میں ان کو اندھا، بہرا کہا جا رہا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان جب دنیا میں مشغول ہو جاتا ہے اس وقت وہ اس شخص کی مانند ہوتا ہے جس کی آنکھیں تھوڑی بہت دیکھتی ہیں لیکن جوں جوں دنیا کے ساتھ اس کی مشغولیت بڑھتی اور گہری ہوتی چلی جاتی ہے اسی قدر وہ خدا، موت اور آخرت سے غافل ہوتا چلا جاتا ہے۔ آخر کار نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ پھر اسے کچھ دکھائی سنائی، سجھائی نہیں دیتا۔ یعنی وہ بُری طرح دنیا اور اس کی لذتوں میں کھو جاتا ہے اور پھر اسے اس کے علاوہ کچھ یاد ہی نہیں آتا نہ کچھ دکھائی دیتا ہے نہ سنائی دیتا ہے۔ پس پھر آنکھ اسی وقت کھلتی ہے جب موت کا فرشتہ پوری طرح دبوچ چکا ہوتا ہے۔ (الامان الحفیظ)

(تفسیر نمونہ) ☼

فَاِمَّا نَذۡهَبَنَّ بِكَ فَاِنَّا مِنۡهُمۡ مُّنۡتَقِمُوۡنَ ۙ﴿۴۱﴾

(۴۱) ہمیں تو اُن سے بدلہ ضرور لینا ہے، چاہے ہم آپؐ کو دُنیا سے لے ہی (کیوں نہ) جائیں۔

اَوۡ نُرِيَنَّكَ الَّذِىۡ وَعَدۡنٰهُمۡ فَاِنَّا عَلَيۡهِمۡ مُّقۡتَدِرُوۡنَ ﴿۴۲﴾

(۴۲) یا ہم آپؐ کو اُن کا وہ بُرا انجام آنکھوں سے دکھا دیں، جس کا ہم نے اُن سے وعدہ کیا ہے۔

www.drhasanrizvi.com

(کیونکہ) ہم اُن کے مقابلے میں پُوری پُوری قدرت رکھتے ہیں۔

مکّہ کے لوگ یہ سمجھ رہے تھے کہ محمدؐ کی ذات ہی ان کے لیے سب سے بڑی مصیبت بنی ہوئی ہے اس لیے رات دن ان کو ختم کرنے کے مشورے کرتے رہتے تھے۔ اس لیے خدا ان سے رخ موڑ کر اپنے رسولؐ سے فرما رہا ہے کہ تمھارے زندہ رہنے یا نہ زندہ رہنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اگر تم زندہ رہے تو تمھاری آنکھوں کے سامنے ان کا تیا پانچا ہو جائے گا اور اگر تم میری طرف بلا لیے گئے تو تمھارے پیچھے ان کی خبر لی جائے گی۔ کیونکہ ان کی بدمعاشیوں کی وجہ سے ان کا حشر نشر تو ہونا ہے ہی۔ اب یہ ہماری سزا سے کسی طرح بچ نہیں سکتے۔ (بُرے کام کا بُرا انجام)

آخر میں خداوند عالم کا یہ فرمانا کہ: "تم سیدھے راستے پر ہو۔" کا مطلب یہ ہے کہ اے رسولؐ تم حق دشمنوں کی فکر نہ کرو کہ وہ کب سزا پاتے ہیں۔ سزا کب دی جائے اور کیا سزا دی جائے یہ ہمارا کام ہے۔ کتنی مہلت دی جائے اس کا فیصلہ ہم کرتے ہیں۔ تمھارے اطمینان کے لیے بس یہ بہت کافی ہے کہ تم حق پر ہو۔ اس لیے نتائج کی فکر کیے بغیر تم اپنا فرض ادا کیے چلے جاؤ۔ نتائج کو خدا پر چھوڑ دو کہ خدا کب باطل کا سر نیچا کرتا ہے۔ تمھارے سامنے یا تمھارے بعد۔

(تفسیر کبیر۔ مجمع البیان۔ انوار النجف۔ تفہیم)

فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِيٓ (۴۳) تو آپؐ اس کتاب (قرآن)

اُوْحِيَ اِلَيْكَ ۚ اِنَّكَ کو مضبوطی سے تھامے رہیئے

www.drhasanrizvi.com

عَلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ﴿٤٣﴾ جو وحی کے ذریعے سے آپؐ کے پاس بھیجی گئی ہے۔ حقیقتاً آپؐ سیدھے راستے پر ہیں۔

وَاِنَّهٗ لَذِكۡرٌ لَّكَ وَ لِقَوۡمِكَ ۚ وَسَوۡفَ تُسۡــَٔلُوۡنَ ﴿٤٤﴾ (۴۴) حقیقت یہ ہے کہ یہ کتاب آپؐ کے لیے اور آپؐ کی قوم کے لیے ایک بہت بڑا شرف اور اعزاز ہے۔ اور تم سب سے اس کے متعلق پوچھا جائے گا۔

مطلب یہ ہے کہ اس سے بڑھ کر کسی شخص کی خوش قسمتی نہیں ہو سکتی کہ اللہ اس پر اپنی کتاب اُتارے اور کسی قوم کے لیے اس سے بڑی عزت کیا ہو سکتی ہے کہ خدا ان کے درمیان اپنا نبی اور کتاب بھیجے اور اس قوم کو دنیا میں اپنا پیغام لے کر اُٹھنے کا موقع عطا فرمائے۔ اب اگر مسلمانوں کو خدا کے اس عظیم ترین احسان کا احساس نہیں ہے تو ایک وقت آئے گا جب ان کو اس ناقدری کا خدا کے سامنے جواب دینا ہو گا۔

(تفسیر کبیر۔ تفہیم۔ مجمع البیان)

ذکر سے مراد

(۱) "اللہ کو یاد رکھنا" ہے۔ جس کا عملی نتیجہ خدا کے مقرر کیے ہوئے فرائض کو ادا کرنا اور جن چیزوں کو خدا نے حرام قرار دیا ہے ان سے بچنا ہوتا ہے۔

www.drhasanrizvi.com

(۲) ذکر کا لفظ خود قرآن نے قرآن کے لیے استعمال فرمایا ہے۔ اس لیے ذکر سے مراد قرآن بھی ہے کیونکہ ذکر کے معنی یاد دہانی اور نصیحت کے ہوتے ہیں۔ قرآن ان دونوں معنوں میں ذکر ہے۔ جیسا کہ خود خداوند عالم نے فرمایا: "وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ" ہم نے قرآن کو یاد آوری اور نصیحت حاصل کرنے کے لیے بالکل آسان بنا دیا ہے۔ تو ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا۔؟" ❊ (سورۂ قمر ۵۴، پ ۲۷)

سورۂ قمر میں یہ آیت بار بار دہرائی گئی ہے۔ اس کے علاوہ اسی سورت کی ۱۷، ۲۲، ۳۲ اور ۴۰ آیتوں میں بھی قرآن کو ذکر فرمایا گیا ہے۔

آخر میں خداوند عالم کا یہ فرمانا کہ "وَسَوْفَ تُسْأَلُونَ" یعنی عنقریب تم سے باز پرس ہوگی۔ یعنی عنقریب تم سے پوچھا جائے گا کہ تم نے آسمانی وحی، قرآن اور خدا کی بھیجی ہوئی تعلیمات اور ہدایات کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ ان کی قدر کی یا نہ کی؟ ان پر عمل کیا یا انھیں توجہ دینے کے قابل تک نہ سمجھا؟ تم نے خدا کے بھیجے ہوئے پروگرام کو عملی جامہ پہنایا کہ نہیں؟ ❊ (تفسیر نمونہ)

اس پر باز پرس اس لیے ہوگی کہ یہی قرآن اور خدا کی بھیجی ہوئی ہدایات خدا کی سب سے بڑی نعمت ہے کیونکہ انھیں پر عمل کر کے ہم دنیا اور آخرت کی تمام کامیابیاں حاصل کر سکتے ہیں۔ اسی لیے ہر مسلمان ہر نماز میں اسی نعمت کا سوال کرتا ہے جب وہ کہتا ہے: "اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ" مالک! مجھے سیدھے راستے کی ہدایت فرما دے۔ (مؤلف)

غرض آیت کا حاصل کلام یہ ہے کہ خداوند عالم اپنے رسولؐ سے فرما رہا ہے کہ یہ قرآن تیرے اور تیری پوری قوم کے لیے سرمایۂ ہدایت اور سبب عزت و شرف ہے۔ تیری پوری امت کے لیے اس سے بڑھ کر عزت

www.drhasanrizvi.com

اور دولت کیا ہو سکتی ہے کہ خدا خود ان کے پاس اپنی سب سے بہترین کتاب اور ہدایات بھیج رہا ہے۔ اس نعمت کے بارے میں تیری پوری قوم سے عنقریب سوال کیا جائے گا کہ انھوں نے اس عظیم ترین نعمت کے ساتھ کیا سلوک کیا؟

٭ (تفسیر مجمع البیان۔ تفسیر کبیر۔ تفسیر قرطبی۔ تفسیر مراغی۔ تفسیر ابوالفتوح رازی۔ انوار النجف)

ائمہ اہلبیتؑ کی بہت سی روایات سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہاں قوم سے اولین مراد ائمہ اہلبیتؑ ہیں۔

یعنی خدا کا یہ فرمانا کہ "یقیناً یہ قرآن تمھاری قوم کے لیے نصیحت اور یاد دہانی ہے۔" تو یہاں قوم سے عام طور پر مراد تو پوری امت مسلمہ ہے لیکن خاص مراد ائمہ اہلبیتؑ ہیں۔ کیونکہ وہ قرآن کے اصل وارث ہیں۔

٭ (تفسیر نور الثقلین۔ تفسیر تبیان۔ تفسیر انوار النجف)

وَسْـَٔلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ (۴۵) اور آپ اُن پیغمبروں سے
قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا پُوچھیے جنھیں ہم نے آپ سے
مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً پہلے بھیجا تھا، کہ کیا ہم نے
يُّعْبَدُوْنَ ع (۴۵) خدائے رحمان کے علاوہ کوئی
دُوسرے خدا بھی مقرّر کیے تھے جن کی عبادت کی جائے؟

ع ۱۰

امام محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ: "اس آیت کے بارے میں جناب رسولِ خداؐ سے پوچھا گیا کہ آپؐ نے یہ بات حضرت عیسیٰؑ سے کیسے پوچھی جبکہ حضرت عیسیٰؑ تو پانچ سو سال پہلے تشریف لائے تھے؟"
حضرت امامؑ نے فرمایا: "خدا کی وہ آیتیں (نشانیاں) جو خدا نے شب معراج رسولِ خداؐ کو

www.drhasanrizvi.com

دکھائی تھیں اُن میں یہ بھی تھا کہ خدا نے تمام انبیاء کرام کو ایک جگہ جمع فرمایا ۔حضرت جبرئیلؑ نے اذان واقامت کہی ۔جناب رسولؐ خدا نے سارے انبیاء کرامؑ کی نماز کی امامت فرمائی ۔اس وقت خداوند عالم نے رسولؐ پر یہ آیت نازل فرمائی کہ آپؐ خود حضرت عیسیٰؑ سے پوچھیے ۔اس پر جناب رسولِ خدا نے حضرت عیسیٰؑ سے پوچھا کہ آپؑ کس کی عبادت کرتے رہے تھے ؟ حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا : " میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی اللہ نہیں ہے اور یہ حقیقت ہے کہ آپؐ اللہ کے رسولؐ ہیں ۔ہم سے اسی بات عہد وپیمان لیے گئے تھے اور ہم اس کے پابند ہیں ۔"

☼ (تفسیر صافی بحوالہ کافی ۔تفسیر قمی ۔نور الثقلین)

(۱) خداوند عالم کا یہ فرمانا کہ : " تم اپنے سے پہلے بھیجے ہوئے پیغمبروں سے (توحید کے پیغام کے بارے میں) پوچھ لو " اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ تمام پچھلے انبیاء کرامؑ کی تعلیمات میں دیکھ لو کہ سوائے توحید کے اور کوئی دوسرا پیغام نہیں دیا گیا ۔مثلاً آج بھی عیسائی اگرچہ تثلیث کے گیت ضرور گاتے ہیں مگر ساتھ ساتھ یہ دعوے بھی کرتے ہیں کہ ہماری تثلیث توحید کے عقیدے کے خلاف نہیں ہے ۔یعنی تثلیث کے ماننے کے باوجود توحید سے اپنا دامن چھڑا نہیں سکتے ۔یہ اس لیے کہ ان کی اصل تعلیمات میں توحید کا نمبر سب سے اوّل ہے ۔اسی طرح یہودی اور تمام آسمانی مذاہب کے ماننے والے چاہے دبے الفاظ میں ہی کیوں نہ سہی مگر توحید کا ضرور دم بھرتے ہیں ۔

(۲) اس آیت کی دوسری تفسیر یہ کی گئی کہ جناب رسولِ خدا نے معراج کے موقع پر انبیاءؑ سے یہ پوچھا کہ آپ لوگوں نے توحید کے سوا بھی کیا شرک کی کوئی تعلیم دی تھی جس کا سب نے انکار فرمایا ۔

(۳) شب معراج کے علاوہ بھی رسولؐ اکرم کے لیے یہ کوئی مشکل بات نہ تھی کہ وہ انبیاء کرامؑ کی ارواح سے تعلق پیدا کرسکیں اور بات چیت کرسکیں ۔

☼ (تفسیر نمونہ)

www.drhasanrizvi.com

آج مغربی دنیا میں Spritual Societies بہت عام ہو چکی ہیں۔ امریکہ میں نے خود کئی پروگرام ٹی۔وی پر دیکھے جس میں Mediam سارے مجمع کے سامنے ارواح کو بلا کر ان سے بات کرتے ہیں۔ میں نے خود لندن میں Mediam ڈاکٹر مارگن کے ذریعہ اپنے والد کی روح سے بات چیت کی اور پوری طرح اطمینان حاصل کیا کہ وہ میرے والد ہی کی روح تھی۔ جب عام لوگ آج ارواح سے تعلق پیدا کر سکتے ہیں تو جناب رسولؐ خدا کے لیے کون سی بڑی بات ہو گی کہ وہ انبیاء کرام کی ارواح مقدسہ سے یہ بات پوچھ لیں۔ (مؤلف)

ضروری نوٹ مگر یہ بات خوب اچھی طرح سے واضح ہو جانی چاہیے کہ آیت کا مقصد مشرکین کی نفی ہے رسولؐ خدا کو اطمینان دلانا مقصود نہیں ہے۔ اس لیے کہ وہ رسولؐ جو صاحب معراج ہو اس کو بھلا کہیں شک ہو سکتا ہے کہ انبیاء کرام نے (معاذ اللہ) توحید کا پیغام چھوڑ چھاڑ کر شرک کی تعلیم دی ہو گی۔ یہ ناممکن ہے۔

☼ (تفسیر نمونہ۔ تفسیر کبیر)

وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا مُوۡسٰی بِاٰیٰتِنَاۤ اِلٰی فِرۡعَوۡنَ وَ مَلَا۠ئِهٖ فَقَالَ اِنِّیۡ رَسُوۡلُ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۴۶﴾

(۴۶) ہم نے موسیٰؑ کو اپنی نشانیوں معجزوں اور دلیلوں کے ساتھ فرعون اور اُس کے سرداروں کی طرف بھیجا۔ اُنھوں نے جا کر کہا: "میں تمام جہانوں کے پالنے والے مالک کا

www.drhasanrizvi.com

(بھیجا ہوا) رسولؐ ہوں۔"

حالانکہ حضرت موسیٰؑ بنی اسرائیل کی طرف بھیجے گئے تھے مگر کیونکہ خود بنی اسرائیل، فرعون اور اس کے سرداروں کے زیرِ اقتدار تھے اس لیے فرمایا کہ ہم نے موسیٰؑ کو فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف بھیجا۔

(تفسیر تبیان)

مگر یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت موسیٰؑ بنی اسرائیل کی طرف بھی بھیجے گئے ہوں اور فرعونیوں کی طرف بھی۔ یہ اور بات ہے کہ فرعونیوں نے حضرت موسیٰؑ کی ایک نہ سُنی اور بالآخر غرق بھی ہوئے اور فی النار بھی۔ (مؤلف)

خداوندِ عالم نے یہاں پر حضرت موسیٰؑ کا قصہ اس لیے بیان فرمایا ہے کہ:

۱:۔ تم خود دیکھ لو کہ فرعون نے اس نبیؑ کی قدر نہ کی جسے خدا نے اس کی طرف بھیجا تھا۔ اسی طرح اے قریشِ مکہ! تم بھی محمد مصطفیٰؐ کی قدر نہیں کر رہے ہو۔

۲:۔ دوسرے یہ کہ فرعون نے اپنی دولت و اقتدار کے بل پر موسیٰؑ کو حقیر سمجھا تھا۔ بالکل اسی طرح قریشِ مکہ بھی اپنی دولت و اقتدار کی وجہ سے رسولؐ کو حقیر سمجھ رہے ہیں۔

۳:۔ تیسری بات یہ بتانی مقصود ہے کہ خدا کے انبیاء، پیغام اور آیتوں کے سامنے ہیکڑی دکھانا کوئی سستا سودا نہیں ہوا کرتا۔ یہ سخت مہنگا سودا ہوا کرتا ہے۔ فرعون کا حشر دیکھ لو، تیا پانچا ہو جایا کرتا ہے فرعون کی طرح تم بھی اپنے تکبّر کا خمیازہ بھگت کر ہی رہو گے۔

اس طرح تو ہوتا ہے اس طرح کے کاموں میں

(تفسیر کبیر۔ مجمع البیان۔ تفسیر نمونہ۔ تفہیم)

www.drhasanrizvi.com

فَلَمَّا جَآءَهُمۡ بِاٰيٰتِنَاۤ (۴۷) پھر جب اُنھوں نے ہماری
اِذَا هُمۡ مِّنۡهَا يَضۡحَكُوۡنَ ﴿۴۷﴾ نشانیاں اُن کے سامنے پیش
کیں، تو وہ اُن کا مذاق اُڑانے
لگے۔

وَمَا نُرِيۡهِمۡ مِّنۡ اٰيَةٍ (۴۸) ہم اُنھیں جو بھی نشانی دکھاتے
اِلَّا هِیَ اَكۡبَرُ مِنۡ اُخۡتِهَا ۡ تھے، وہ دوسری نشانی سے
وَاَخَذۡنٰهُمۡ بِالۡعَذَابِ لَعَلَّهُمۡ بڑھی چڑھی ہوتی تھی۔ آخرکار
يَرۡجِعُوۡنَ ﴿۴۸﴾ ہم نے اُن کو اپنی سزا میں پکڑ
لیا تاکہ وہ اپنے (غلط) راستے سے پلٹیں۔

مطلب یہ ہے کہ خدا کی ہر نشانی بڑی ہی ہوتی ہے۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ ایک نشانی دوسری نشانی سے بڑی تھی۔ اصل میں یہ ایک محاورہ ہے کہ جب کئی چیزوں کی بڑائی بیان کرنا مقصود ہوتی ہے تو کہا جاتا ہے ایک چیز دوسری چیز سے بڑھ چڑھ کر تھی۔

(مرشد تھانوی)

نشانیوں سے مراد وہ نشانیاں بھی ہیں جو حضرت موسیٰؑ نے فرعون کے دربار میں دکھائیں اور

www.drhasanrizvi.com

وہ نشانیاں بھی ہیں جو فرعون کے غرق ہونے کے بعد حضرت موسیٰؑ نے دکھائیں۔ وہ یہ تھیں:

۱:۔ جادوگروں کا ایمان لانا۔

۲:۔ حضرت موسیٰؑ کے پیشگی اعلان کے مطابق پورے مصر میں قحط پڑنا اور پھر دوسری دعا کے بعد قحط کا دور ہو جانا۔

۳:۔ حضرت موسیٰؑ کے پہلے سے اعلان کے مطابق پورے ملک مصر میں بارش، ژالہ باری کے طوفان آنا جس نے بستیوں، کھیتوں کو تباہ کر ڈالا۔ پھر انھیں کی دعا سے دفع ہوئے۔

۴:۔ پورے ملک مصر پر ان کے اعلان پر ٹڈی دَل کا خوفناک حملہ اور اس وقت تک نہ ٹلنا جب تک موسیٰؑ نے ٹلنے کی دعا نہ کی۔

۵:۔ حضرت موسیٰؑ کے پہلے سے اعلان کرنے پر پورے ملک مصر میں جوئیں اور سرسریوں کا پھیل جانا، غلّوں کے گوداموں کا تباہ ہو جانا۔ اور اس عذاب کا بھی اسی وقت ٹلنا جب موسیٰؑ نے ٹلنے کی دعا کی۔

۶:۔ موسیٰ کی دعا پر پورے ملک مصر میں مینڈکوں کا سیلاب اُمنڈ آنا اور اللہ کی یہ فوج بھی موسیٰؑ کی دعا کے بغیر واپس نہ گئی۔

۷:۔ موسیٰؑ کی دعا پر تمام نہروں، کنوؤں، چشموں، تالابوں، حوضوں کا پانی خون بن جانا۔ تمام مچھلیوں کا مَر جانا اور پورے ایک ہفتے تک مصریوں کا پانی کے لیے تڑپنا۔ اور اس آفت کا بھی موسیٰؑ کی دعا پر ٹلنا۔

(تفسیر کبیر۔ مجمع البیان۔ انوار النجف۔ تفسیر نمونہ۔ تفہیم)

www.drhasanrizvi.com

وَقَالُوا يَاأَيُّهَ السَّاحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ إِنَّنَا لَمُهْتَدُونَ ﴿۴۹﴾

(۴۹) مگر اُنھوں نے کہا: "اے جادوگر! اپنے پالنے والے مالک کی طرف سے جو عہدہ تجھے حاصل ہے، اُس کی بِنا ہمارے لیے اُس سے دُعا کر (کہ یہ عذاب ٹل جائے تو) ہم اب سیدھے راستے پر آجائیں گے۔"

فرعونیوں نے حضرت موسیٰؑ کو ساحر (جادوگر) اس لیے کہا کہ (۱) حضرت موسیٰؑ تند مزاج تھے اور اکثر جادوگر تند مزاج ہوتے ہیں (۲) دوسرے یہ کہ ان کے ہاں بڑے تعلیم یافتہ ماہر کامل کو ساحر ہی کہا جاتا تھا۔ (جیسے آج ماہر کامل عالم کو سائنس دان کہتے ہیں) ☼ (تفسیر صافی۔ تفسیر قمی)

ان کا مطلب یہ تھا کہ اے موسیٰؑ! تم اپنا انتر منتر پڑھ کر جو جادو کے کمالات دکھاتے ہو ایسا ہی کوئی منتر پڑھ کر دعا کرو۔ ☼ (فصل الخطاب)

اصل بات یہ تھی کہ فرعونی لوگ حضرت موسیٰؑ کی نبوت کو تو نہیں مانتے تھے بلکہ ان کو ایک بہت بڑا ماہر عامل جادوگر سمجھتے تھے۔ کیونکہ حضرت موسیٰؑ ۷۰۰ بڑے جادوگروں کو شکست دے چکے تھے۔ اس لیے وہ یقین رکھتے تھے کہ موسیٰؑ دنیا پر مصیبتیں بھی بھیج سکتے ہیں اور ان کو ٹال بھی سکتے ہیں ☼ (تفسیر ماجدی)

www.drhasanrizvi.com

توراۃ میں ہے کہ: "تب فرعون نے موسیٰؑ اور ہارونؑ کو بلوایا اور کہا کہ خداوند سے شفاعت کرو کہ مینڈک کو مجھ سے اور میری رعیت سے دفع کرے۔"

(توراۃ - خروج ۸ : ۸)

فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ إِذَا هُمْ يَنْكُثُونَ ﴿۵۰﴾

(۵۰) مگر جوں ہی ہم اُن سے عذاب کو دُور کرتے، تو ایک دَم سے وہ اپنے عہد کو توڑ کر اپنی بات سے پھر جاتے۔

توراۃ میں ہے: پھر جب فرعون نے دیکھا کہ مہلت مل گئی تو اس نے اپنا دل سخت کر لیا اور جیسا خداوند نے کہا تھا ان کی نہ سُنی۔" (توراۃ - خروج ۸ : ۱۵)

"تو پھر فرعون کا دل سخت ہوا اور اس نے ان لوگوں کو (بنی اسرائیل کو مصر سے) جانے نہ دیا۔"

(توراۃ - خروج ۹ : ۷)

فرعون اور اس کے سرداروں کی بدمعاشی کی انتہا ملاحظہ فرمائیں کہ جب بھی موسیٰ کی دعا سے ان پر خدا کا عذاب آتا اور وہ بالکل تنگ آجاتے تو موسیٰؑ کے پاس آکر اس کے ٹلنے کی دعا کرنے کی درخواست کرتے تو حضرت موسیٰؑ کو جادوگر کہہ کر خطاب کرتے تھے۔ حالانکہ وہ خوب سمجھ چکے تھے کہ اتنے بڑے بڑے عذاب جادو کے کرشمے نہیں ہوسکتے۔ جادو کا اثر اتنا وسیع نہیں ہوسکتا۔ اور نہ اس قدر ذہنوں کو متاثر کرسکتا ہے کہ سارے کا سارا پانی خون بن جائے، ہر طرف سے مینڈک اُبل پڑیں۔ جادوگر کا مینڈک اگر آپ پکڑ کرے جائیں اور

www.drhasanrizvi.com

کچھ دُور چلیں اور اس کے جادو کے دائرے سے نکل آئیں تو آپ کے ہاتھ میں بینڈک کے بجائے صرف ہوا ہو گی۔ جادوگر کا ٹڈی دل صرف خیالی ٹڈی دل ہو گا وہ کسی کھیت کو چاٹ نہ سکے گا۔ اتنے بڑے بڑے کام جادو کے بل پر کبھی نہیں ہو سکتے۔ اگر جادوگر اتنے طاقت ور ہوتے تو لوگوں سے بھیک نہ مانگتے پھرتے، پوری دنیا پر حکومت کرتے بادشاہوں کی خوشامدیں نہ کرتے۔ ※ (تفسیر کبیر۔ مجمع البیان۔ تفہیم۔ تفسیر نمونہ۔ انوار النجف)

وَنَادٰی فِرۡعَوۡنُ فِیۡ قَوۡمِهٖ (٥١) (ایک دن) فرعون نے پکار کر قَالَ یٰقَوۡمِ اَلَیۡسَ لِیۡ مُلۡكُ مِصۡرَ وَهٰذِهِ الۡاَنۡهٰرُ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِیۡ ۚ اَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَ ﴿٥١﴾

اپنی قوم میں کہا: "اے میری قوم والو! کیا مصر کی حکومت میرے قبضے میں نہیں ہے؟ اور یہ نہریں جو میرے نیچے بہہ رہی ہیں؟ کیا تم لوگوں کو نظر نہیں آتا؟

فرعون نے پکارنے اعلان کرنے والوں سے یہ اعلان کرایا۔ کیونکہ موسیٰؑ کی زبردست کامیابیوں پر فرعون کے پاؤں تلے کی زمین نکلی جا رہی تھی۔ حضرت موسیٰؑ کی تقریروں اور معجزوں نے عوام کا عقیدۂ فرعون اور دیوتاؤں پر متزلزل کر دیا تھا۔ فراعنہ کی حکومت کی جڑیں ہلنے لگی تھیں۔ ان جھوٹے خداؤں کی ہوا اکھڑ چکی تھی جن کے نام پر فرعون حکومت کر رہا تھا۔ ایسی بگڑتی ہوئی صورت حال میں فرعون بلبلا اٹھا، اور

www.drhasanrizvi.com

چیخ پڑا کہ کم بختو! تمہیں نظر نہیں آتا کہ بادشاہی کس کی ہے؟ سکہ کس کا چل رہا ہے؟ نہریں جن پر تمہاری زراعت اور روزی کا دارومدار ہے کس کے حکم اور انتظام کی وجہ سے بہہ رہی ہیں؟ یہ سارے ترقیاتی کام Developments تو میں نے کیے ہیں اور تم اس ملنگ فقیر کے مرید ہوتے چلے جارہے ہو جو صرف ایک ڈنڈا لیے کھڑا ہوا ہے۔ ❊ (تفسیر کبیر۔ مجمع البیان۔ تفسیر نمونہ۔ تفہیم)

حضرت موسیٰؑ کی تابڑ توڑ کامیابیوں سے تنگ آکر فرعون اوچھی حرکتوں پر اتر آیا۔ اور اس نے اپنی پوری قوم (کے سرداروں) کو پکار کر کہا اے میری قوم کیا یہ مصر کی اتنی لمبی چوڑی مملکت پر میری حکومت نہیں ہے؟ کیا یہ بڑا دریائے نیل میری حکومت میں نہیں بہہ رہا ہے؟ یا میرے حکم سے نہیں بہہ رہا ہے؟ یہ دریا میرے محلوں، کھیتوں اور باغوں کے نیچے سے نہیں بہہ رہا ہے؟ کیا تم دیکھتے نہیں ہو؟ اُدھر موسیٰؑ کے پاس کیا دھرا ہے؟ ایک لاٹھی اور اون کا بنا ہو کھردرا لباکرتہ؟ اب بتاؤ وہ بڑا آدمی ہے یا میں؟ اس کی شخصیت بڑی ہے یا میری؟ میں سچ کہتا ہوں یا کہ یہ فقیر؟ اپنی آنکھیں کھول کر دیکھو اور سمجھو۔

اس طرح فرعون نے مصنوعی، جھوٹی اقتدار کو بالکل اسی طرح اپنی صداقت کی دلیل بنایا جس طرح جاہلیت کے بت پرست، رسولِ خدا کے مقابلے پر اپنی مالی برتری ثابت کرتے تھے کہ دیکھو ہماری محفلیں زیادہ شاندار ہیں یا تم مسلمانوں کی؟ تم زیادہ دولت مند ہو یا ہم؟ یہ باطل کے پاس اپنی صداقت کو ثابت کرنے کی آخری دلیل ہوا کرتی ہے جس کو اردو محاورہ میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ: "کھسیانی بلی کھمبا نوچے" (تفسیر نمونہ)

اَمۡ اَنَا خَیۡرٌ مِّنۡ هٰذَا (۵۲) (بتاؤ) کیا میں بہتر ہوں یا یہ

www.drhasanrizvi.com

اَلَّذِیۡ هُوَ مَهِیۡنٌ ۙ۬ وَّ شخص جو ذلیل و حقیر ہے

لَا یَكَادُ یُبِیۡنُ ﴿۵۲﴾ اور جو اپنی بات بھی کھول کر بیان نہیں کرسکتا۔

فرعون نے جو حضرت موسیٰؑ پر یہ طنز کیا کہ: "جو اپنی بات بھی کھل کر بیان نہیں کرسکتا۔" یہ اس لیے کیا کہ موسیٰؑ کی زبان میں لکنت تھی۔ لیکن یہ لکنت بعثت سے پہلے تھی۔ بعد میں حضرت موسیٰؑ کی دعا کی وجہ سے یہ لکنت دور ہو گئی تھی۔ ☆ (مجمع البیان)

فرعون کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ میں شہنشاہ اعظم، اتنی بڑی توپ، مال و دولت سے لدا ہوا جہاز بہتر ہے یا یہ فقیر ملنگ جس کے پاس نہ مال، نہ دولت، نہ اختیار، نہ اقتدار، نہ فوج، نہ سپاہی، نہ حشم نہ خدم؟

بالکل یہی دلیل مکہ کے قریش، رسولؐ اکرم کے مقابلے پر دیا کرتے تھے۔ ملاحظہ فرمائیں کہ انھیں کیسا منہ توڑ جواب دیا گیا ہے۔

بعض مفسّرین کا خیال ہے کہ فرعون کا اشارہ حضرت موسیٰؑ کی لکنت کی طرف تھا جو بچپنے میں آگ منہ میں رکھنے کی وجہ سے پیدا ہو گئی تھی۔ لیکن یہ خیال اس لیے غلط ہے کہ حضرت موسیٰؑ کی قرآن ہی میں یہ دعا موجود ہے جو انھوں نے اس وقت کی تھی جب خدا نے ان کو فرعون کے مقابلے پر جانے کے لیے حکم دیا تھا کہ

" رَبِّ اشۡرَحۡ لِیۡ صَدۡرِیۡ ۙ وَ یَسِّرۡ لِیۡۤ اَمۡرِیۡ ۙ وَ احۡلُلۡ عُقۡدَۃً

www.drhasanrizvi.com

مِّنۡ لِّسَانِىۡ ۙ يَفۡقَهُوۡا قَوۡلِىۡ ۖ ‘‘

’’ مالک میرے سینے کو کھول دے، میرے کام کو آسان کر دے، میری زبان کی گرہ کو کھول دے (تاکہ) وہ لوگ میری بات خوب اچھی طرح سمجھ سکیں۔‘‘ (القرآن۔ سورہ طٰہٰ ۲۰ آیت ۲۵-۲۸، پ ۱۶)

پھر جو خطبات حضرت موسیٰؑ نے فرعون اور عوام کے سامنے دیے ہیں وہ کمال درجے کی طلاقت، فصاحت، بلاغت، روانی اور زور بیان و کلام کا زبردست ثبوت ہیں جو قرآن اور بائیبل دونوں میں نقل ہوئے ہیں۔ اس لیے یہ کہنا غلط ہے کہ فرعون نے (معاذ اللہ) ہکلا کہا۔ بلکہ فرعون کا اصل کہنے کا مقصد یہ تھا کہ موسیٰؑ کی الجھی الجھی باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں۔ اصل میں وہ یہ کہہ کر موسیٰ کی استدلال اور زور بیان کے اثر کو کچھ کم کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ (کھسیانی بلی کھمبا نوچے کا مصداق تھا)

(تفسیر کبیر۔ تفہیم)

فَلَوۡلَاۤ اُلۡقِىَ عَلَيۡهِ (۵۳) کیوں ایسا نہیں ہوا کہ اس
اَسۡوِرَةٌ مِّنۡ ذَهَبٍ پر سونے کے زیور اترتے‘ یا
اَوۡ جَآءَ مَعَهُ الۡمَلٰٓئِكَةُ پھر اس کے ساتھ ساتھ فرشتے
مُقۡتَرِنِيۡنَ (۵۳) اترتے جو اس کے آگے پیچھے چلتے۔

اصل بات یہ تھی کہ پرانے زمانے میں جب بادشاہ کسی کو کسی منصب پر فائز کرتے تھے یا کسی کو اپنا سفیر بنا کر بھیجتے تھے تو اس کو سونے کے کنگن پہنائے جاتے تھے۔ سپاہیوں، نوکروں چاکروں کے

www.drhasanrizvi.com

دستے دیے جاتے تھے تاکہ ان کا رعب داب، دبدبہ قائم ہو اور ساتھ ساتھ بادشاہ کی شان و شوکت بھی ثابت ہو جائے۔ اس لیے فرعون کا مطلب یہ تھا کہ اگر خدا نے موسیٰؑ کو اپنا سفیر بنایا ہے تو اس کا خلعتِ شاہی کہاں ہے؟ فرشتوں کے دستے اس کے آگے پیچھے کیوں نہیں ہیں؟ نہ کوئی حشم ہے نہ خدم۔ بھلا یہ کیسا اللہ کا سفیر ہے کہ نہ کوئی لشکر، نہ کوئی سونے کے زیور، بس ایک لمبا چوڑا فقیر نما ملنگ، رنگ برنگ کے پھٹے پرانے پیوند لگے کپڑے پہنے، ہاتھ میں بس ایک لاٹھی گھماتا ہوا سامنے آکھڑا ہوا ہے اور کہہ رہا ہے کہ میں پوری کائنات کے خالق اور مالک کا سفیر ہوں! رب العالمین کا بھیجا ہوا رسولؑ ہوں! واہ بھئی واہ!

(تفسیر کبیر۔ تفہیم)

فَاسۡتَخَفَّ قَوۡمَهٗ فَاَطَاعُوۡهُ ؕ اِنَّهُمۡ كَانُوۡا قَوۡمًا فٰسِقِيۡنَ ﴿۵۴﴾

(۵۴) غرض اُس نے اِس طرح اپنی قوم کو بہکایا، ورغلایا اور بے وقوف بنا دیا۔ تو اُنھوں نے فرعون کی اطاعت کی۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ سب بدکار لوگ تھے۔

فرعونیوں کی اصل خرابی یہ بتائی گئی ہے کہ: "درحقیقت وہ تھے بڑے فاسق فاجر لوگ"۔

اصل میں جو لوگ بدکردار، عیاش، بدمعاش ہوتے ہیں ان کو صرف اور صرف اپنی بدمعاشیوں اور عیاشیوں کی فکر ہوتی ہے۔ ان کو اس کی قطعاً کوئی فکر نہیں ہوتی کہ حق بات کیا ہے؟ انصاف کیا ہے؟ سچائی

www.drhasanrizvi.com

کا تقاضا کیا ہے؟ شرافت کسے کہتے ہیں؟ ان کے نزدیک یہ ساری باتیں بے کار، بے وقت، فضول اور تضیعِ اوقات ہوتی ہیں۔ ان کو صرف اپنے ذاتی مفادات عزیز ہوتے ہیں۔ اس لیے ایسے لوگ ہر ظالم، جابر، خونی، سرکش، حق دشمن، باطل پرست، حق کو دبانے والے، امیروں، دولت مندوں، سرمایہ داروں اور بادشاہوں کے حمایتی اور ساتھی ہوتے ہیں۔ جیسی رُوح ویسے فرشتے۔

(تفسیر کبیر، مجمع البیان، تفسیر نمونہ، تفہیم)

فَلَمَّآ اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا (۵۵) (آخرکار) جب انھوں نے ہمیں مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ تکلیف دے کر صدمہ پہنچایا اَجْمَعِيْنَ ﴿۵۵﴾ (یا) غُصّہ دلایا، تو ہم نے بھی اُن سے بدلہ لے لیا، اور اُن سب کو ڈبو کر رکھ دیا۔

امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ: "خداوندِ عالم اس طرح غصّہ نہیں فرمایا کرتا جس طرح ہم لوگ غصّہ کرتے ہیں۔ بلکہ خداوندِ عالم نے اپنے کچھ خاص دوست پیدا کیے ہیں جو غصّہ بھی ہوتے ہیں اور راضی بھی ہوتے ہیں۔ خداوندِ عالم نے ان لوگوں کے راضی ہونے کو اپنی رضامندی اور ان کے غصّہ کو اپنا غصّہ قرار دیا ہے۔ اسی لیے خداوندِ عالم نے خود فرمایا "جس نے میرے دوست کو ذلیل کیا گویا وہ مجھ سے لڑنے کے لیے میدانِ جنگ میں اُترا اور اس نے مجھے جنگ کے لیے بلایا۔" اور اسی لیے خداوندِ عالم نے یہ بھی فرمایا کہ "جس نے رسولؐ کی اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی۔" (القرآن النساء ۴، آیت ۸۰، پ۵)

www.drhasanrizvi.com

نیز خداوندِ عالم نے یہ بھی فرمایا: "جس نے آپؐ کی بیعت کی اس نے خدا کی بیعت کی۔"
(سورہ الفتح ۴۸ ۔ آیت ۱۰ ۔ پ ۲۶)
پورا قرآن اسی انداز میں اُترا ہے۔ اصل میں خدا کو کوئی رنج، غم نہیں پہنچ سکتا (وہ ان کیفیتوں سے بلند ہے)
کیونکہ وہ ان کیفیتوں کا خالق ہے۔" (تفسیر صافی بحوالہ کافی ۔ التوحید)

ع

؎ گفتۂ اُو گفتۂ اللہ بود گرچہ از حلقومِ عبداللہ بود
(مولانا روم)

ع "ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ" (اقبالؔ)

فَجَعَلۡنٰهُمۡ سَلَفًا وَّ (۵۶) اور اُن کو ایک گزری ہوئی
مَثَلًا لِّلۡاٰخِرِیۡنَ ﴿۵۶﴾ نسل، اور بعد میں آنے والوں
کے لیے ایک 'مثالی نمونہ عبرت'
بنا کر رکھ دیا۔ ع

وَلَمَّا ضُرِبَ ابۡنُ مَرۡیَمَ (۵۷) اور جب مریمؑ کے بیٹے کی مثال
مَثَلًا اِذَا قَوۡمُكَ مِنۡهُ پیش کی گئی، تو تمھاری قوم
یَصِدُّوۡنَ ﴿۵۷﴾ والوں نے اُس پر غل مچا کر
تالیاں بجائیں (یا) اُس سے مُنہ موڑنے لگے۔

www.drhasanrizvi.com

مشرکوں نے جب رسولِ خدا کی زبانی حضرت عیسیٰؑ کی تعریف سُنی تو اپنی حماقت کی وجہ سے خوشی سے اُچھلنے لگے جیسے ان کو جناب رسولِ خدا کی کوئی بہت بڑی کمزوری یا غلطی (معاذاللہ) ہاتھ آگئی ہو۔ کہنے لگے جب عیسیٰؑ عیسائیوں کے خدا ہیں پھر بھی قابل مدح ہیں تو پھر ہمارے بتوں، دیوتاؤں، ٹھاکروں کو بھی قابلِ تعریف سمجھا جائے۔ مگر وہ احمق یہ نہ سمجھے کہ مسلمان یا جناب رسولِ خدا حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بندہ اور نبیؑ سمجھتے ہیں۔ وہ حضرت عیسیٰؑ کو خدا یا اس کا بیٹا نہیں مانتے۔

(تفسیر ماجدی) ※

وَقَالُوْٓا ءَاٰلِهَتُنَا خَيْرٌ (۵۸) کہنے لگے: "ہمارے خدا اچھے

اَمْ هُوَ ۭ مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ ہیں یا وہ؟" اُنھوں نے یہ

اِلَّا جَدَلًا ۭ بَلْ هُمْ مثال صرف آپ سے بحثا بحثی

قَوْمٌ خَصِمُوْنَ ﴿۵۸﴾ اور جھگڑنے کے لیے کہی ہے۔

بلکہ وہ لوگ ہیں ہی بڑے جھگڑالو۔

جس وقت جناب رسولِ خدا نے پچھلے رسولوں کا ذکر کرتے ہوئے حضرت عیسیٰؑ کی تعریف فرمائی تو مکّہ والوں نے بڑا زوردار قہقہہ بلند کیا۔ ہر طرف سے نعرے لگنے شروع ہوگئے کہ وہ مارا۔ پکڑے گئے! اب بولو کیا جواب ہے؟ کیونکہ ایک شخص نے جس کا نام عبداللہ تھا یہ اعتراض جڑ دیا کہ اگر عیسیٰؑ خدا کے بیٹے ہو کر بھی اچھے ہیں تو پھر ہمارے بت اچھے کیوں نہیں ہو سکتے؟ ان میں کیا عیب ہے؟ بس اس احمقانہ

www.drhasanrizvi.com

استدلال پر سارے کے سارے والے خوشی سے ناچنے لگے، دھمال ڈالنے لگے کہ ہم جیت گئے، ہم جیت گئے! وہ احمق یہ نہ سمجھے کہ اوّل تو حضور اکرمؐ، حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا یا خدا مانتے ہی نہیں۔ دوسرے یہ کہ جو لوگ حضرت عیسیٰؑ کو خدا یا خدا کا بیٹا مانتے ہیں وہ حضرت عیسیٰؑ کے کہنے پر ایسا نہیں مانتے بلکہ یہ ان کی اپنی ایجاد ہے۔ حضرت عیسیٰؑ نے کبھی نہ خود کو خدا کہا تھا نہ خدا کا بیٹا کہا تھا۔ بلکہ وہ ان کے اس قول سے قطعاً بیزار ہیں۔

☼ (تفسیر کبیر۔ تفہیم۔ مجمع البیان۔ نمونہ)

دوسری اہم بات یہ ہے کہ بت پرست عام طور پر نیک ارواح یا ملائکہ کی نہیں بلکہ شیطانوں کی عبادت کیا کرتے تھے۔ اسی لیے جب رسولؐ خدا سے پوچھا گیا کہ جن جن کی لوگ عبادت کرتے ہیں وہ سب کے سب جہنم میں جائیں گے؟ جناب رسولؐ خدا نے فرمایا: "جی ہاں! جسے خدا بننا پسند ہو گا وہ اپنی عبادت کرنے والوں کے ساتھ ساتھ جہنم واصل ہوگا۔" ☼ (سیرۃ ابن ہشام جلد اوّل صفحہ ۳۸۵)

کیونکہ بت پرست شیطانوں کی عبادت کیا کرتے تھے اس لیے مراد وہی شیاطین ہیں جو اپنے بتوں کے ساتھ جہنم واصل ہوں گے۔ ☼ (تفسیر نمونہ)

رہے وہ لوگ کہ جو اپنی عبادت پر راضی نہ تھے ان کے لیے تو خود (قرآن) واضح طور پر فرما دیا "جن لوگوں سے ہم نے اس سے پہلے ہی نیکی کا وعدہ کیا تھا (یعنی وہ ایمان دار لوگ جو خدا بننے پر راضی نہ تھے) وہ جہنم سے دور رکھے جائیں گے۔"

☼ (القرآن۔ سورہ انبیاء ۲۱، آیت ۱۰۱، پ۱۷)

اِنۡ ھُوَ اِلَّا عَبۡدٌ اَنۡعَمۡنَا (۵۹) مریمؑ کے بیٹے اِس کے سوا کچھ

www.drhasanrizvi.com

عَلَیۡہِ وَجَعَلۡنٰہُ مَثَلًا نہ تھے کہ وہ ہمارے ایک بندے
لِّبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ ﴿۵۹﴾ تھے۔ جن پر ہم نے انعام کیا(دیا)

جنھیں ہم نے اپنی نعمت سے نوازا، اور انھیں بنی اسرائیل کے لیے ایک مثالی شخصیّت، (یا) اپنی قدرت کا ایک نمونہ بنایا۔

خداوند عالم کا حضرت عیسیٰؑ کے تعارف میں سب سے پہلے یہ فرمانا کہ: "مریمؑ کے بیٹے اس کے سوا کچھ نہ تھے کہ وہ ہمارے ایک بندے (غلام، عبد) تھے۔" اس سے محقّقین نے یہ نتیجہ نکالا کہ اسلام میں تمام تر بلندیوں کا راز کمالِ عبدیت ہے ☼ (تفسیر ماجدی)

انسان جس قدر اپنے دل کی گہرائیوں میں یہ احساس پیدا کرتا ہے کہ وہ خدا کا ایک ادنیٰ غلام ہے اور پھر خدا کی عاجزانہ غلاموں کی طرح عبادت اور اطاعت کرتا ہے اسی قدر وہ خداوند عالم کی نگاہ میں بلند مقامات و درجات پاتا چلا جاتا ہے۔ (مؤلف)

خداوند عالم کا یہ فرمانا کہ: "ہم نے عیسیٰؑ کو اپنی قدرت کا ایک نمونہ بنایا۔" یہ اس لیے فرمایا کہ حضرت عیسیٰؑ بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے۔ اس لیے وہ خدا کی قدرت کی ایک نشانی تھے۔
☼ (تفسیر کبیر)

اس کے علاوہ حضرت عیسیٰؑ کے تمام معجزات بھی خدا کی قدرت کی نشانیاں تھے۔ کیونکہ وہ سارے معجزات حضرت عیسیٰؑ نے خدا ہی کی دی ہوئی طاقت اور اجازت سے دکھائے تھے۔ (مؤلف)

www.drhasanrizvi.com

خداوند عالم نے حضرت عیسیٰؑ کو "مثلاً" یعنی اپنی قدرت کا نمونہ اس لیے فرمایا کہ :

۱ :۔ حضرت عیسیٰؑ بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے ۔

۲ :۔ پھر انھوں نے زبردست معجزے دکھائے تھے ۔ وہ مٹی کا پرندہ بناتے تھے اور پھونک مارتے تھے ، وہ پرندہ زندہ جیتا جاگتا پرندہ بن کر اڑ جاتا تھا ۔ قبر پر ٹھوکر مار کر فرماتے : "قُمْ بِاِذْنِ اللّٰہ" ۔ (اللہ کی اجازت سے کھڑا ہو جا) مُردہ سر کی مٹی جھاڑتا ہوا کھڑا ہو جاتا تھا ۔

خدا نصرانیوں کو بتلا رہا ہے کہ یہ سب معجزات اور ان کی پیدائش خداوند عالم کی قدرت کا نمونہ اور ثبوت ہے ۔ حضرت عیسیٰؑ کے خدا ہونے یا خدا کا بیٹا ہونے کا ثبوت نہیں ہے ۔ کیونکہ وہ نہ تو خود اپنی قدرت سے اپنے آپ بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے اور نہ ان کے یہ تمام معجزات خود ان کی اپنی ذاتی طاقت یا قدرت کی بنا پر ظاہر ہوئے تھے ۔ ان کی بغیر باپ کی پیدائش اور ان کے تمام معجزات صرف اور صرف خدا کی قدرت اور عطا کا نتیجہ تھے ۔ اسی لیے انھوں نے پیدا ہوتے ہی فرمایا تھا : "اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہ" میں اللہ کا غلام ہوں اور ہر معجزہ دکھانے سے پہلے فرماتے تھے بِاِذْنِ اللّٰہ یعنی اللہ کی اجازت سے ایسا ہو جا ۔

(تفسیر کبیر ۔ مجمع البیان ۔ تفسیر نمونہ ۔ تفہیم) ☼

اس لیے ان کو خدا کا بیٹا بنا کر ان کی عبادت کرنا بالکل غلط ہے ۔

اکثر شیعہ سنی روایات میں آتا ہے کہ جناب رسولؐ خدا نے حضرت علیؑ سے فرمایا تھا کہ : "اے علیؑ ! تمھارے اندر عیسیٰؑ کی علامتیں موجود ہیں ۔ حضرت عیسیٰؑ سے کچھ لوگوں نے تو اس قدر زیادہ محبت میں غلو کیا کہ انھیں خدا کہنے لگے اور وہ ہلاک ہوئے ۔ جب کہ یہودیوں نے ان کو قتل کرنے کی کوششیں کیں ، وہ بھی ہلاک ہوئے ۔ اے علیؑ ! اسی طرح کچھ لوگ تمھیں بھی خدا سمجھیں گے اور کچھ لوگ تمھاری دشمنی پر کمر باندھ لیں گے" ۔

www.drhasanrizvi.com

(مناقب از ابوبکر مردویہ ۔ کشف الغمہ ص۹۵ ۔ مناقب مرتضوی میر محمد صالح کشفی ترمذی، احقاق الحق جلد ۲ ۔ تفسیر نور الثقلین جلد ۴ ۔ مجمع البیان ۔ انوار النجف)

حضرت علیؑ نے خود فرمایا: "میرے بارے میں دو قسم کے لوگ ہلاک و برباد ہوئے ۔ ایک وہ دوست جنہوں نے مجھے خدا جانا (یعنی خدا کی ذات و صفات میں شریک جانا) اور دوسرے تہمت لگانے والے دشمن جنہوں نے مجھ پر طرح طرح کے الزامات لگائے۔" (نہج البلاغہ، کلمات قصار ۱۱۷)

وَلَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا (۶۰) اور اگر ہم چاہتے تو تمہارے
مِنْكُمْ مَّلٰٓئِكَةً فِي بجائے فرشتے پیدا کر دیتے جو
الْاَرْضِ يَخْلُفُوْنَ ﴿۶۰﴾ زمین میں متمکن ہوتے ۔

خداوند عالم کا فرمانا کہ: "اگر ہم چاہیں تو زمین پر تمہاری جگہ فرشتے لے آئیں کہ جو تمہارے جانشین ہوں۔" اس کی تفسیر میں بعض مفسرین نے لکھا کہ خدا یہ فرما رہا ہے کہ "اگر ہم چاہیں تو تمہاری اولاد کو فرشتے بنا دیں جو زمین میں تمہاری جگہ رہیں۔" (تفسیر قرطبی ۔ مجمع البیان ۔ تفسیر کبیر امام رازی ۔ روح المعانی آلوسی ۔ کشاف از زمخشری ۔ تفسیر مراغی)

مطلب یہ ہے کہ تم اسی بات پر تعجب نہ کرو کہ عیسیٰ بغیر باپ کے کیسے پیدا ہو گئے؟ خدا تو اس بات پر بھی قادر ہے کہ انسان سے فرشتے پیدا کر دے۔ (تفسیر نمونہ)

بعض مفسرین نے لکھا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر عیسیٰؑ خدا کے بندہ ہو کر مردوں کو زندہ کر سکتے تھے اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے خدا چاہے تو تمہاری اولاد میں ایسے لوگ پیدا کر دے جن میں

www.drhasanrizvi.com

تمام صفات فرشتوں کی ہوں۔ ٭ (تفسیر المیزان)

وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ (۶۱) اور وہ (مراد حضرت عیسیٰؑ) تو
فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا قیامت کی ایک بڑی نشانی
وَاتَّبِعُوْنِ ۚ هٰذَا صِرَاطٌ ہیں (یا) عیسیٰؑ تو قیامت کے
مُّسْتَقِيْمٌ (۶۱) علم کا ایک ذریعہ ہیں۔ پس
تم اس میں شک نہ کرو اور میری پیروی کرو یہی سیدھا راستہ ہے۔

محققین نے اس آیت سے نتیجہ نکالا کہ "حضرت عیسیٰؑ کا زمین پر اُترنا آخری زمانے میں ہوگا۔ اس لیے کہ خداوند عالم نے قیامت کی نشانیوں کے ساتھ ساتھ حضرت عیسیٰؑ کا ذکر بھی فرمایا ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کے آنے کے کچھ عرصے کے بعد قیامت آئے گی۔ ٭ (مجمع البیان)

غرض اس آیت میں اشارہ ہے مسیح کے دوبارہ آنے کی طرف۔ یعنی حضرت عیسیٰؑ کا ظہور قرب قیامت کی ایک یقینی علامت ہے۔ ٭ (کشاف۔ معالم۔ ابن کثیر۔ بیضاوی۔ از ابن عباس و ابو ہریرہ و ابی مالک و عکرمہ و حسن و قتادہ و الضحاک)

اکثر مفسرین کے نزدیک اتفاق ہے کہ قیامت کے آنے کی نشانی حضرت عیسیٰؑ ہیں جو دوسری مرتبہ قیامت سے پہلے تشریف لائیں گے۔ جس کی خبر بکثرت احادیث رسولؐ میں دی گئی ہے۔

٭ (تفسیر کبیر۔ بقول ابن عباسؓ۔ مجاہد، عکرمی، سدی، ضحاک، ابو العالیہ، ابو مالک)

www.drhasanrizvi.com

آیت کا مطلب یہ ہے کہ جب حضرت عیسیٰؑ تشریف لائیں گے تو سب کو معلوم ہو جائے گا کہ اب قیامت قریب ہے۔

مگر اس تفسیر پر جدید مفسّرین نے یہ اعتراض کیا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کا دوبارہ آنا قیامت کے قریب آجانے کا ذریعہ صرف ان لوگوں کے لیے ہوگا جو اس زمانے میں موجود ہوں گے۔ کفارِ مکّہ کے لیے حضرت عیسیٰؑ کا دوبارہ تشریف لانا کیسے قیامت کے قریب آنے کی نشانی بن سکتا ہے؟ اس لیے بعض دوسرے مفسّرین نے لکھا کہ حضرت عیسیٰ اس لیے قیامت کے آنے کی دلیل اور نشانی ہیں کہ وہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے، انھوں نے مٹی سے پرندے بنا کر اڑائے، مُردوں کو زندہ کرکے دکھایا۔ تو اب اگر عیسیٰؑ خدا کے بندے ہو کر مردوں کو زندہ کرسکتے ہیں تو خود ان کو پیدا کرنے والا رب العالمین مُردوں کو دوبارہ زندہ کیوں نہیں کرسکتا؟ جب خدا کا بندہ مٹی کے پتلے میں جان ڈال سکتا ہے تو پھر تمھاری سمجھ میں کیوں نہیں آتا کہ عیسیٰؑ کا خالق مالک بھی انسانوں کو مرنے کے بعد زندہ کرسکے گا۔

☼ (تفسیر کبیر۔ مجمع البیان۔ تفہیم)

حضرت جابر ابن عبداللہ انصاری سے روایت ہے کہ جناب رسولؐ خدا نے فرمایا: "عیسیٰؑ اُتریں گے اور مسلمانوں کے امیر (امام مہدیؑ) جو تم ہی میں سے ہوں گے عیسیٰؑ کی نماز کی امامت فرمائیں گے۔"

☼ (صحیح مسلم شریف۔ مجمع البیان۔ انوار النجف)

جناب رسولؐ خدا نے فرمایا: "کیف انتم اذا نزل فیکم ابن مریم وامامکم منکم۔"

"تمھارا اس وقت کیا حال ہوگا جب مریمؑ کے بیٹے تمھارے درمیان اتریں گے جبکہ تمھارا امام تمھیں میں سے ہوگا۔"

☼ (تفسیر روح المعانی جلد ۵ ص۳۳، مجمع البیان، انوار النجف، نور الثقلین)

www.drhasanrizvi.com

وَلَا يَصُدَّنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ ۚ (۶۲) اور کہیں ایسا نہ ہو کہ شیطان
اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۶۲﴾ تمھیں (قیامت کی تیاری سے)
روک دے، (کیونکہ) حقیقتاً وہ
تمھارا کھلا ہوا دشمن ہے۔

وَلَمَّا جَآءَ عِيْسٰى (۶۳) اور جب عیسیٰؑ کھلے ہوئے
بِالْبَيِّنٰتِ قَالَ قَدْ واضح دلائل، نشانیاں اور
جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ معجزات لے کر آئے، تو انھوں
وَلِاُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ نے کہا کہ: "میں تمھاری طرف
الَّذِيْ تَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ ۚ حکمت (یعنی) گہری حقیقتوں
فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۶۳﴾ پر مبنی دانائی کی باتیں اور
ٹھیک ٹھیک تعلیمات لے کر آیا ہوں، اور اس لیے آیا ہوں تاکہ
تمھارے لیے کچھ حقیقتوں کو بالکل واضح کردوں جن میں تم اختلاف
کر رہے ہو۔ پس تم اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو۔

www.drhasanrizvi.com

محققین نے نتیجہ نکالا کہ اتباع نبی کی راہ میں اصل رکاوٹ خدا کا خوف دل میں نہ ہونا ہوتا ہے۔ اسی خدا کی سزا سے بے خوفی کی وجہ سے نفسا نفسی، خودغرضی، حرص، لالچ، ضد، ظلم، جمود، فسق و فجور اور حق کی طرف سے بے التفاتی پیدا ہوتی ہے۔ ※ (تفسیر ماجدی)

شیخ سعدیؒ نے لکھا کہ: "میں سب سے زیادہ خدا سے ڈرتا ہوں اور اس کے بعد اس سے ڈرتا ہوں جو خدا سے نہیں ڈرتا"۔ (سعدی شیرازی)

اس لیے کہ جو خدا سے نہیں ڈرتا وہ جو ظلم چاہے کر سکتا ہے۔ اس لیے کہ خدا کا خوف نہ ہونے کے سبب اب اس کے لیے کوئی رکاوٹ باقی نہ رہی۔ (مؤلف)

اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّیْ وَ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ﴿۶۴﴾

(۶۴) حقیقت یہ ہے کہ اللہ ہی میرا بھی پالنے والا مالک ہے اور تمہارا بھی پالنے والا مالک ہے۔ تو اُسی کی بندگی (یعنی مکمل اور عاجزانہ اطاعت کرتے رہو۔ یہی سیدھا راستہ ہے"۔

مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے یہ کبھی ہرگز نہ کہا تھا کہ میں خدا ہوں یا خدا کا بیٹا ہوں تم اللہ کو چھوڑ کر میری عبادت کرو۔ ان کا پیغام وہی تھا جو سارے انبیاء کرام کا پیغام تھا اور جو پیغام محمد مصطفیٰؐ کا ہے۔

※ (تفسیر کبیر۔ تفہیم۔ مجمع البیان۔ انوار النجف۔ نمونہ)

www.drhasanrizvi.com

فَاخۡتَلَفَ الۡاَحۡزَابُ مِنۡۢ بَیۡنِہِمۡ ۚ فَوَیۡلٌ لِّلَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا مِنۡ عَذَابِ یَوۡمٍ اَلِیۡمٍ ﴿۶۵﴾

(۶۵) (مگر ایسی واضح تعلیمات کے باوجود) مختلف جماعتوں نے آپس میں اختلاف کیا۔ پس ایک سخت تکلیف دینے والی سزا کے دن کے ذریعہ سے تباہی (ہی تباہی) ہے اُن لوگوں کے لیے جنھوں نے ظلم کیا ہے۔

خداوند عالم کا فرمانا کہ لوگوں نے حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں اختلاف کیا۔ یعنی ایک گروہ تو اس حد تک پہنچ گیا کہ اس نے حضرت عیسیٰؑ کی ولادت کو (معاذ اللہ) ناجائز ولادت قرار دیا۔ دوسرا گروہ عقیدت میں اس قدر بڑھ گیا کہ انھوں نے بے تحاشا غلو کر کے ان کو خدا یا خدا کا بیٹا قرار دے دیا۔ پھر ایک انسان کے خدا ہونے پر اس قدر اختلافات برپا کیے کہ گتھی سلجھاتے سلجھاتے بے شمار فرقے بن گئے۔

(تفسیر کبیر۔ تفہیم۔ مجمع البیان)

هَلۡ یَنۡظُرُوۡنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنۡ تَاۡتِیَهُمۡ بَغۡتَةً

(۶۶) کیا یہ لوگ بس اسی بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ اُن پر

www.drhasanrizvi.com

وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٦٦﴾ اچانک قیامت آجائے اور
انھیں (اُس کے آنے کی) خبر بھی نہ ہو۔

جناب رسولؐ خدا نے فرمایا : "قیامت اچانک ایک دم سے آجائے گی۔ جبکہ کچھ لوگ گوسفند کا دودھ دوہ رہے ہوں گے اور کچھ لوگ خرید و فروخت کے لیے کپڑا اچھیلا رہے ہوں گے۔" پھر جناب رسولؐ خدا نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔ ☼ (تفسیر روح البیان۔ جلد ۲۵)

الْأَخِلَّاءُ يَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ (۶۷) جس دن خدا کی ناراضگی اور
لِبَعْضٍ عَدُوٌّ إِلَّا الْمُتَّقِينَ ﴿٦٧﴾ برائیوں سے بچنے والے 'متقین' ۶ع ۱۱ ۱۲
کے سوا سب دوست ایک دوسرے کے دُشمن ہو جائیں گے (یعنی صرف وہ دوستیاں تو باقی رہ جائیں گی جو نیکی اور خدا پرستی پر قائم تھیں۔ باقی تمام دوستیاں دُشمنی میں بدل جائیں گی)۔

امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ جناب رسولؐ خدا نے فرمایا : "تم لوگ متقین (برائی سے بچنے والوں) سے دوستی رکھنے کی خواہش پیدا کرو، چاہے تم زمین کے اندھیروں میں (سخت مشکلات) میں ہی کیوں نہ ہو۔ اس لیے کہ خداوند عالم نے انبیاء کرامؑ کے بعد ان سے افضل کسی کو پیدا نہیں کیا اور کسی پر اللہ کا انعام اس شخص کے برابر نہیں جس کو خدا نے متقین کی صحبت عطا فرمائی ہو۔ پھر امامؑ نے اسی آیت کو تلاوت فرمایا۔ (تفسیر صافی۔ بحوالہ مصباح الشریعۃ)

www.drhasanrizvi.com

؎ صُحبتِ صالح ترا صالح کُند صُحبت تالح ترا تالح کُند

اصل بات یہ ہے کہ عالمِ آخرت کشفِ حقائق (پردوں کے اُٹھ جانے کا) عالم ہے۔ دنیا کی وہ تمام دوستیاں جو باطل کی بنا پر تھیں وہاں ان کی بدشکلی ظاہر ہو جائے گی۔ مگر جن دوستیوں کی بنیاد حق اور صلح پر ہوگی ان کا نفع اور اجر بھی پوری پوری طرح ظاہر ہو جائے گا ☼ (تفسیر ماجدی)

مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن صرف وہ دوستیاں باقی رہ جائیں گی جو دنیا میں نیکی، خدا دوستی کی بنیاد پر قائم تھیں، دوسری تمام دوستیاں دشمنیوں میں بدل جائیں گی۔ یعنی آج جو لوگ گناہ، ظلم، جبر میں ایک دوسرے کے ساتھی بنے ہوئے ہیں، کل قیامت کے دن ایک دوسرے پر الزامات لگائیں گے اور اپنے گناہوں کی ذمہ داری اپنے دوستوں پر ڈال کر اپنی جان چھڑانے کی کوششیں کر رہے ہوں گے۔ اس لیے انسان آج دنیا میں یہ سوچ لے کہ کس سے دوستی رکھی جائے اور کس سے نہ رکھی جائے۔ ☼ (تفسیر کبیر۔ تفہیم)

امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ جناب رسولؐ خدا نے فرمایا: "تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ دنیا میں جو بھی دوستی خدا کے لیے نہ ہوگی وہ قیامت کے دن عداوت (دشمنی) میں بدل جائے گی۔"

☼ (تفسیر علی ابن ابراہیم۔ تفسیر نور الثقلین۔ مجمع البیان۔ انوار النجف۔ نمونہ)

یٰعِبَادِ لَا خَوۡفٌ عَلَیۡکُمُ الۡیَوۡمَ (۶۸) (اُس دن کہا جائے) اے میرے وَ لَاۤ اَنۡتُمۡ تَحۡزَنُوۡنَ ﴿۶۸﴾ (متقی) بندو! آج تمھارے لیے نہ تو کوئی خوف ہے اور نہ تمھیں کوئی غم یا افسوس ہوگا۔

www.drhasanrizvi.com

خوف کا تعلق مستقبل سے ہوتا ہے اور حزن (افسوس) کرنے کا تعلق ماضی سے ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جنت والوں کو نہ تو آئندہ کسی تکلیف یا نقصان کا خوف ہوگا اور نہ ماضی کی کوئی یاد عذاب بنے گی۔ غرض وہاں غم کی کسی کیفیت کے پیدا ہونے کا سوال ہی پیدا نہ ہوگا۔ (تفسیر ماجدی)

اَلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا بِاٰيٰتِنَا وَ (۶۹) (یہ بات اُن لوگوں کے لیے ہوگی

كَانُوۡا مُسۡلِمِيۡنَ ۚ‏ ﴿۶۹﴾ جنھوں نے خدا و رسولؐ یا ابدی حقیقتوں کو دل سے مانا تھا، اور سرِ اطاعت جُھکائے رہے تھے (یعنی) خدا کے فرماں بردار بن کر رہے تھے۔

اُدۡخُلُوا الۡجَـنَّةَ اَنۡتُمۡ (۷۰) (اُن سے کہا جائے گا) تم اپنی

وَاَزۡوَاجُكُمۡ تُحۡبَرُوۡنَ ﴿۷۰﴾ بیویوں سمیت خوش خوش جنّت کے سرسبز و شاداب گھنے باغوں میں داخل ہو جاؤ۔

"ازواج" یعنی جوڑے، کا لفظ عربی میں بیویوں کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے اور ایسے لوگوں کے

www.drhasanrizvi.com

لیے بھی استعمال ہوتا ہے جو ہم مشرب، ہم جولی، ہم جماعت، ہم ذوق ہوں۔ اس طرح اس لفظ میں یہاں پر دونوں معنی ہیں۔ اہل ایمان کی بیویاں بھی ان کے ساتھ ہوں گی اور ان کے مومن دوست بھی جنت میں ان کے ساتھی ہوں گے۔

مالک سے یہاں مراد جہنم کا داروغہ ہے۔ ☆ (تفسیر کبیر۔ مفردات القرآن۔ تفہیم)

يُطَافُ عَلَيۡهِمۡ بِصِحَافٍ مِّنۡ ذَهَبٍ وَّاَكۡوَابٍ‌ۚ وَفِيۡهَا مَا تَشۡتَهِيۡهِ الۡاَنۡفُسُ وَتَلَذُّ الۡاَعۡيُنُ‌ۚ وَاَنۡتُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ‌ۚ ﴿۷۱﴾

(۷۱) وہاں اُن پر بڑے بڑے (شراب طہور کے) ساغروں اور پیالوں کے دَور پر دَور چل رہے ہوں گے، اور اُنھیں وہاں ہر وہ چیز ملے گی جو اُن کے دل چاہیں گے اور جس سے اُن کی آنکھیں لذت پائیں گی (یا) اُس میں اُن کے لیے ہر وہ چیز جو اُن کے دل کو لبھائے اور نگاہوں کو بھائے، موجود ہو گی۔ (اور پھر اُنھیں یہ مژدہ سنایا جائے گا کہ) "اب تم لوگ یہاں ہمیشہ ہمیشہ رہو گے۔

امام مہدیؑ سے پوچھا گیا کہ جنتی جب جنت میں داخل ہو جائیں گے تو کیا ان کے اولاد پیدا

www.drhasanrizvi.com

ہو گی؟ امامؑ نے فرمایا: جنت میں نہ تو عورتوں کے حمل رہے گا اور نہ اس طرح ولادت ہو گی، نہ حیض ہو گا نہ نفاس۔ نہ کسی قسم کی تکلیف ہو گی۔ مگر کیونکہ خداوندِ عالم نے یہ فرمادیا ہے کہ "جنت میں ہر وہ چیز ہو گی جس کے لیے دل للچائیں گے" اس لیے اگر وہاں کسی مومن کے دل میں بچے کی خواہش ہو گی تو خدا اس کو بغیر حمل کے پیدا کر دے گا، ایسا بچہ جیسا وہ چاہتا ہو گا۔ اسی طرح پیدا کر دے گا جس طرح خدا نے حضرت آدمؑ کو پیدا کر دیا تھا۔

⁂ (تفسیر صافی بحوالہ احتجاج طبرسی)

سوال یہ کیا جاتا ہے کہ خدا نے جن چیزوں کو دنیا میں حرام کیا ہے کیا جنتی جنت میں اس کی خواہش کریں گے؟ اگر کریں گے تو ان کی وہ خواہش پوری کی جائے گی یا نہیں؟

جواب یہ ہے کہ خدا نے جتنی چیزیں حرام کی ہیں ہم ان کی طرف صرف اپنی دماغی روحانی بیماریوں کی وجہ سے مائل ہوتے ہیں۔ مثلاً مٹی وہی لوگ کھاتے ہیں جنھیں کوئی بیماری ہو۔ جھوٹ، غیبت، تہمت، دل آزاری، زناکاری، بدکاری، اغلام بازی، خیانت، ظلم، قتل، جبر وغیرہ یہ سب وہ کام ہیں جو ذہنی مریض ہی انجام دیتے ہیں یا یہ چیزیں صحیح چیزیں نہ ملنے کی وجہ سے لوگ انجام دیتے ہیں یا غلط ذہنیت یا احساسِ محرومی کی وجہ سے انجام دیتے ہیں۔ یہ سارے نقائص جنتیوں میں ہوں گے ہی نہیں، اس لیے وہ غلط قسم کی چیزوں کی خواہش ہی نہیں کریں گے ⁂ (تفسیر نمونہ)

ایک دیہاتی عرب نے جناب رسولؐ خدا سے پوچھا:

"کیا جنت میں اونٹ بھی ہوں گے؟ کیونکہ میں اونٹوں سے بہت محبت کرتا ہوں!"

جنابِ رسولؐ خدا نے فرمایا: "اے اعرابی! اگر تجھے خدا نے جنت میں بھیج دیا تو وہاں وہ کچھ ملے گا جو تیرا جی چاہے گا اور تمھاری آنکھیں جس سے لذت پائیں گی" ⁂ (تفسیر روح البیان۔ جلد ۵ صفحہ ۲۹۱)

www.drhasanrizvi.com

ظاہر ہے کہ جب وہ عرب وہاں بہترین اور اعلیٰ ترین قسم کی سواریاں دیکھے گا تو اسے وہاں اونٹ کیوں یاد آنے لگے؟ (مؤلف)

وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيٓ (۷۲) یہی تو وہ جنّت کے سرسبز و شاداب گھنے باغ ہیں جس کے
اُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنْتُمْ تم حقدار بنے ہو، اپنے اُن کاموں
تَعْمَلُوْنَ ﴿۷۲﴾
کی وجہ سے جو تم (دنیا میں) کیا کرتے تھے۔"

اس آیت پر ایک علمی اعتراض یہ ہے کہ ایک طرف تو اعمال کے بدلے کی بات کی جارہی ہے اور ساتھ ساتھ اس کو وراثت بھی کہا جارہا ہے۔ جبکہ وراثت کے لیے کوئی عمل کی ضرورت نہیں ہوا کرتی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اعمال کے بدلے کے ساتھ ساتھ وراثت کا ذکر کرنا بتاتا ہے کہ تمھاری نجات کا اصل سبب تو تمھارے اچھے اچھے کام ہیں لیکن تمھیں جو اس کا بدلہ مل رہا ہے وہ اس قدر زیادہ ہے کہ گویا وہ تمھیں ورثہ میں مفت مل رہا ہے۔ ⁂ (تفسیر نمونہ)

بعض مفسرین نے لکھا کہ ہر انسان کا ایک گھر جنّت میں ہوتا ہے اور ایک جہنم میں۔ جنّتیوں کو وہ گھر اور باغ مفت مل جائیں گے جو جہنّمیوں کے ہوں گے ⁂ (تفسیر صافی)

پہلی تفسیر زیادہ مناسب ہے۔ ⁂ (تفسیر نمونہ)

دونوں تفسیریں درست ہیں۔ جنّتیوں کو دونوں فائدے ملیں گے، اللہ کی خاص عطا کے بھی

www.drhasanrizvi.com

اور جہنّمیوں کے باغات کا ورثہ بھی ملے گا۔ (مؤلف)

لَكُمْ فِيهَا فَاكِهَةٌ (٧٣) پھر وہاں تمھارے لیے طرح
كَثِيرَةٌ مِّنْهَا تَأْكُلُونَ ﴿٧٣﴾ طرح کی بہت سی کھانے کی
چیزیں بھی ہوں گی، جس میں سے
تم خوب کھاؤ گے۔

إِنَّ الْمُجْرِمِينَ فِي عَذَابِ (٧٤) اب رہے مجرم اور گناہگار
جَهَنَّمَ خَالِدُونَ ﴿٧٤﴾ لوگ، تو وہ ہمیشہ ہمیشہ
جہنّم کی سزا بھگتیں گے۔

لَا يُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَهُمْ (٧٥) اُن کی سزائیں کبھی کوئی کمی نہ
فِيهِ مُبْلِسُونَ ﴿٧٥﴾ ہوگی، بس وہ اُس میں مایوسی
کے عالم میں پڑے رہیں گے۔

وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلَٰكِن كَانُوا (٧٦) ہم نے اُن پر کوئی ظلم یا زیادتی
هُمُ الظَّالِمِينَ ﴿٧٦﴾ نہیں کی، بلکہ وہ خود اپنے اوپر

www.drhasanrizvi.com

ظُلم کرتے تھے۔

وَنَادَوۡا يٰمٰلِكُ لِيَقۡضِ (۷۷) وہ فریادیں کرتے ہوئے پکاریں
عَلَيۡنَا رَبُّكَ ؕ قَالَ گے: "اے جہنّم کے داروغہ!
اِنَّكُمۡ مّٰكِثُوۡنَ ﴿۷۷﴾ تمھارا پالنے والا مالک ہمارا
کام ہی تمام کردے (تو کتنا اچّھا ہو)" وہ (خدا کی طرف سے) جواب
دے گا: "تم یوں ہی (ہمیشہ) پڑے رہو گے۔"

اس آیت میں جہنّمیوں نے جہنّم کے داروغہ Incharge کو مالک کہہ کر پکارا ہے۔ غرض مالک سے ان کی مراد وہ فرشتہ ہے جو دوزخ کے انتظام پر مقرر ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح رضوان فرشتہ جنّت کے انتظامات پر مقرر ہے۔

جہنّمیوں کے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ مالک! ہمارا کام تمام کردے۔ ہمیں ایسی موت دیدے کہ ہمارا وجود ہی بالکل ختم ہوجائے، ہمارا شعور باطل ہوجائے تاکہ ہم اس عذاب کی سخت تکلیف سے نجات پاجائیں۔
(تفسیر تبیان) ❊

لَقَدۡ جِئۡنٰكُمۡ بِالۡحَقِّ (۷۸) ہم تو تمھارے پاس حق لے کر
وَلٰكِنَّ اَكۡثَرَكُمۡ لِلۡحَقِّ آئے تھے، مگر تم میں سے اکثر

www.drhasanrizvi.com

كٰرِهُوۡنَ ﴿۷۸﴾ کو حق (بات) پسند ہی نہیں (رہا) تم میں سے اکثر حق بات سے چڑتے ہیں۔"

جہنم کا داروغہ یہ کہہ رہا ہے کہ: "ہم تمہارے پاس حق لے کر آئے تھے۔" یہ کہنا ایسا ہی ہے کہ جیسے حکومت کا کوئی افسر، حکومت کی طرف سے بولتے ہوئے "ہم" کا لفظ استعمال کرتا ہے۔ مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہماری حکومت نے یہ کام کیا تھا۔ کہ ہم نے حق کو سمجھانے کے لیے انبیاء کرامؑ بھیجے تھے، جنھوں نے حق بات صاف صاف کھول کھول کر تمہارے سامنے بیان کر دی تھی، مگر تم دولت، اقتدار اور عیش و عشرت کے نشے میں دُھت تھے، تم نے ان کی ایک نہ سُنی۔ پھر آج کیوں بلبلا رہے ہو۔ اپنی غفلت، بدمعاشی، حق دشمنی اور ظلم کا انجام چکھو۔ "اس طرح تو ہوتا ہے اس طرح کے کاموں میں۔" "جیسی کرنی ویسی بھرنی۔"

(تفسیر کبیر۔ تفہیم) ❊

اکثر مفسرین نے لکھا کہ جہنم کا داروغہ بڑی بے پروائی کے ساتھ ۱۰۰ سال کے بعد جہنمیوں کو جواب دے گا۔ (الامان الحفیظ) ❊ (تفسیر مجمع البیان۔ تفسیر نمونہ)

اَمۡ اَبۡرَمُوۡۤا اَمۡرًا فَاِنَّا مُبۡرِمُوۡنَ ﴿۷۹﴾ کیا انھوں نے کوئی بات طے کر لی ہے؟ تو بلاشبہ ہم بھی ایک بات طے کیے لیتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ کافروں، مشرکوں، حق دشمنوں نے یہ بات طے کر لی ہے کہ وہ کبھی ہرگز ہی حق

www.drhasanrizvi.com

(۱) اَبدی حقیقتوں کو مان کر ہی نہیں دیں گے، تو پھر ہم نے بھی یہ طے کر لیا ہے کہ ہم ان کی اس ضد، تکبّر اور حق دشمنی کی وجہ سے ان کو جہنم رسید کر کے ہی چھوڑیں گے۔

"گوشت خر را دندانِ سگ" (یعنی گدھے کے گوشت کے لیے کتے کے دانت ہی مناسب ہوتے ہیں۔ "جیسی کرنی ویسی بھرنی"۔ یہی ہمارے عدل اور حکمت کا تقاضا ہے۔ یہ ہے قرآن کی بلاغت کہ خداوند عالم نے بھی جواباً وہی الفاظ استعمال فرمائے جو کافروں نے استعمال کیے تھے۔ اسی کو عدل کہتے ہیں۔

☼ (تفسیر تبیان۔ فصل الخطاب)

اس آیت میں کفارِ قریش کے ان خفیہ منصوبوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو وہ رسولِ خدا کے خلاف چھپ چھپ کر بنایا کرتے تھے۔ ☼ (تفسیر کبیر۔ تفہیم۔ مجمع البیان)

اَمۡ یَحۡسَبُوۡنَ اَنَّا لَا نَسۡمَعُ سِرَّهُمۡ وَنَجۡوٰىهُمۡ ؕ بَلٰی وَرُسُلُنَا لَدَیۡهِمۡ یَكۡتُبُوۡنَ ﴿۸۰﴾

(۸۰) کیا اُنھوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہم اُن کی راز کی چھپی ہوئی باتیں اور چپکے چپکے کی جانے والی سرگوشیاں سُنتے نہیں ہیں؟

ہاں۔ ہم سب کچھ سُن رہے ہیں۔ اور ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے تو اُن کے پاس (بیٹھے) اُنھیں لکھتے چلے جارہے ہیں۔

خدا صرف ہمارے ان کاموں ہی کو نہیں جانتا جو ہم چھپ کر کرتے ہیں بلکہ وہ ہمارے دل میں اُٹھنے

www.drhasanrizvi.com

والے خیالات اور احساسات تک کو جانتا ہے کیونکہ خدا کے نزدیک حاضر اور غائب میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔اس کے بعد فرشتے ہمارے اعمال کو لکھ رہے ہیں۔اس لیے انسان کا کوئی اچھا بُرا عمل ضائع نہیں ہوتا اب Record ہو جاتا ہے۔ ✲ (تفسیر نمونہ)

قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ ﴿٨١﴾

(۸۱) اُن سے کہیئے کہ: "اگر واقعی خدا کا کوئی بیٹا ہوتا" تو میں سب سے پہلے اُس کی عبادت کرنے والا ہوتا۔" (یا) اُن سے کہیئے کہ: "اگر واقعی خدا کا کوئی بیٹا ہوتا تو میں سب سے پہلا عبادت کرنے والا ہوں (یعنی میں تو سب سے زیادہ خدا کا وفادار بندہ ہوں' اگر واقعی خدا کا کوئی بیٹا ہوتا تو میں سب سے پہلے اُس کو مان لیتا۔غرض میں کسی ضد کی وجہ سے اُس کا انکار نہیں کرتا۔ بلکہ حقیقتاً خدا کا کوئی بیٹا ہے ہی نہیں)

مطلب یہ ہے کہ اگر خدا کے کوئی اولاد ہوتی تو سب سے پہلے مجھے (رسولؐ خدا کو) علم ہوتا۔کیونکہ میں اوّل مخلوق ہوں اس لیے وہ میرے سامنے ہی پیدا ہوتی مگر اس کے کوئی اولاد نہیں ہے۔

محققین نے اس آیت سے نتیجہ نکالا کہ رسولؐ خدا اولین مخلوق ہیں۔ (القرآن المبین: مولانا سید امداد کاظمی)

www.drhasanrizvi.com

مطلب یہ ہے کہ میں جو کسی کو خدا کا بیٹا نہیں مانتا وہ کسی ضد یا ہٹ دھرمی کی وجہ سے نہیں ہے۔ میں تو خداوندِ عالم کا ایسا وفادار تابعدار غلام ہوں گا اگر بفرضِ محال خداوند عالم کا واقعاً کوئی بیٹا ہوتا یا کسی کو اس نے اپنا بیٹا بنایا ہوتا تو میں سب سے پہلے اس کے سامنے اپنا سر جھکا دیتا۔

(تفسیر کبیر۔ تفہیم۔ مجمع البیان۔ نمونہ) ※

سُبۡحٰنَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ (۸۲) پاک ہے آسمانوں اور زمین وَالۡاَرۡضِ رَبِّ الۡعَرۡشِ کا پالنے والا مالک، جو عرش عَمَّا یَصِفُوۡنَ ﴿۸۲﴾ (یعنی) کائنات کی عظیم الشان حکومت کے تختِ سلطنت کا مالک ہے، ایسی تمام باتوں سے جو وہ لوگ اُس کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

خدا کی معرفت خدا کی ناقابلِ پیمائش عظمتوں کا اندازہ صرف اسی بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ ساری کائنات کا خالق و مالک بھی ہے، آسمانوں کا بھی اور عرشِ اعظم کا بھی خالق و مالک ہے پھر اس کی خالقیت و مالکیت میں کوئی اس کا شریک یا مددگار بھی نہیں ہے۔ وہ ہر قسم کی شرکت سے بے حد بلند و بالا ہے۔ ※ (تفسیر ماجدی)

فَذَرۡهُمۡ یَخُوۡضُوۡا وَ یَلۡعَبُوۡا (۸۳) اچھا اُنھیں چھوڑ دو کہ بحث

www.drhasanrizvi.com

حَتّٰى يُلٰقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِي يُوعَدُونَ ﴿۸۳﴾ مباحثہ کرتے رہیں، یہاں تک کہ یہ اپنا وہ دن دیکھ لیں جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے۔

خداوند عالم کے ارشاد فرمانے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ آپ کافروں کو اسی غفلت اور بے راہ روی میں پڑا رہنے دیجیے اور تبلیغ کا کام ہی بند کر دیجیے۔ اصل مطلب یہ ہے کہ مخالفین کی طرف زیادہ توجہ نہ فرمائیے اور ان کے حق سے دور رہنے پر زیادہ غم نہ کیجیے۔ ☼ (تفسیر ماجدی)

وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ ﴿۸۴﴾ وہی ایک، آسمانوں کا بھی اِلٰهٌ وَفِي الْأَرْضِ إِلٰهٌ ۚ وَ خدا ہے اور زمین کا بھی۔ وہ هُوَ الْحَكِيمُ الْعَلِيمُ ﴿۸۴﴾ گہری حقیقتوں کے مطابق دانائی کے ساتھ بالکل ٹھیک کام کرنے والا بھی ہے اور ہر چیز کا جاننے والا بھی۔

: خداوند عالم کی الوہیت اور ربوبیت میں تو کوئی شریک بن ہی نہیں سکتا بلکہ اس کی صفت علم و حکمت میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں۔ ☼ (تفسیر ماجدی)

www.drhasanrizvi.com

امام رازی نے لکھا۔ اس میں ان لوگوں کی تردید آگئی جو یہ سمجھتے ہیں کہ خداوند عالم آسمانوں میں رہتا ہے ایسا نہیں ہے۔ خداوند عالم کا جتنا تعلق آسمانوں سے ہے اتنا ہی تعلق زمین سے بھی ہے۔

✲ (تفسیر کبیر)

حاصل مطلب یہ ہے کہ آسمانوں اور زمین کا خدا الگ الگ نہیں ہے۔ جبکہ ساری کائنات کا صرف اور صرف ایک خدا ہے۔ اسی کی حکمت اور قدرت سے یہ پوری کائنات چل رہی ہے اس لیے وہی تمام حقائق و رموز کا علم رکھتا ہے۔

✲ (تفہیم۔ مجمع البیان)

زندیق کا غلط استدلال بعض دہریوں نے اس آیت سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ آسمان کا خدا اور ہے اور زمین کا خدا اور ہے۔ حالانکہ آیت اس کے بالکل برعکس کہہ رہی ہے کہ آسمانوں کا بھی وہی خدا ہے جو زمین کا خدا ہے۔ یعنی ہر جگہ خدا ایک ہی ہے۔

ابو شاکر دیصانی جو مشہور فلسفی اور دہریہ تھا، اسی آیت سے استدلال کرتا تھا۔ ہشام بن الحکم نے امام جعفر صادقؑ سے اس کا جواب پوچھا تو امامؑ نے فرمایا: "جب تم واپس جاؤ تو اس سے پوچھو کہ کوفے میں تمہارا کیا نام ہے؟ وہ کہے گا فلاں۔ پھر پوچھو کہ بصرہ میں تم کس نام سے مشہور ہو؟ وہ کہے گا فلاں نام سے۔ پھر کہنا کہ اسی طرح خداوند عالم آسمانوں میں بھی الٰہ (معبود، جس کی عبادت کی جائے) ہے اور زمین میں بھی الٰہ ہے۔" ہشام کہتے ہیں کہ جب میں اس علیم فلسفی کے پاس گیا اور میں نے اس کو یہی جواب دیا تو وہ چکرا گیا۔ ہکا بکا رہ گیا اور کہنے لگا: "یہ جواب تمہارا نہیں ہو سکتا۔ ضرور تم یہ جواب حجاز سے لائے ہو۔"

✲ (اصول کافی۔ جلد اول۔ کتاب التوحید)۔

www.drhasanrizvi.com

عظیم مفکر طبرسی نے لکھا کہ اس آیت میں اِلٰہ کا لفظ دو مرتبہ اس لیے استعمال کیا گیا کہ :

۱:۔ ہر جگہ خداوند عالم کا معبودِ حقیقی (الوہیت) ہونا ثابت ہوجائے ۔ اور

۲:۔ دوسرے یہ کہ سب کو معلوم ہوجائے کہ آسمانوں کا خالق، مالک، معبود، الٰہ بھی وہی ہے جو زمین کا خالق، مالک، معبود، اِلٰہ ہے۔

(مجمع البیان)

ع "جدھر دیکھتا ہوں اُدھر تو ہی تُو ہے"

وَتَبٰرَكَ الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا ۚ وَعِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۵﴾

(۸۵) بڑی برکت والا، بہت بلند و بالا ہے وہ جس کے قبضے میں زمین اور آسمانوں اور ہر اُس چیز کی بادشاہی ہے، جو زمین و آسمان کے درمیان ہے۔ اور اُسی کے پاس قیامت (کے آنے کے وقت) کا علم ہے۔ اور اُسی کی طرف تم سب پلٹائے جانے والے بھی ہو۔

محققین نے نتیجہ نکالا کہ : (۱) خدا کی صفات میں بھی خدا کا کوئی شریک نہیں۔ اس نتیجے کی

www.drhasanrizvi.com

زد عیسائیوں پر پڑتی ہے کیونکہ انھوں نے داورِ محشر حضرت عیسیٰؑ کو سمجھ رکھا ہے۔

(۲) دوسرا نتیجہ یہ نکالا کہ قیامت کے آنے کے وقت کی خبر صرف اور صرف خداوند عالم کو ہے۔

(۳) قیامت کے لانے کا اختیار بھی صرف اور صرف خداوند عالم کو ہے۔ دوسروں کو نہ قیامت کے وقت کی خبر ہے اور نہ قیامت لانے کا اختیار ہے۔ اس علم و اختیار میں بھی خدا کا کوئی شریک نہیں۔

(تفسیر ماجدی) ☼

حاصلِ مطلب

یہ ہے کہ خداوند عالم کی ذات بدرجہا بلند تر ہے اتنی بلند کہ:

۱:۔ کوئی اس کی خدائی فرمانروائی میں اس کا شریک نہیں ہے۔

۲:۔ کائنات کی ہر ہر چیز خواہ وہ انبیاء کرامؑ ہوں، اولیائے عظام ہوں، فرشتے، جن، ارواحؑ ستارے، سیارے سب کے سب خدا کے سامنے عاجز، تابع فرمان، غلام ہیں۔ ان میں سے کوئی خدائی خدائی اس کی ذات وصفات و اختیارات میں ذرہ برابر بھی شریک نہیں ہے۔

اور آخر میں خداوند عالم کا یہ فرمانا کہ: "اسی کی طرف تمھیں لوٹ کر جانا ہے"۔ یہاں اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں تم جسے چاہو اپنا حامی، آقا، سرپرست، خدا بنالو۔ مگر مرنے کے بعد تمھیں اسی ایک اللہ کی طرف لوٹنا پڑے گا جو اصل میں کائنات کا خالق و مالک ہے۔ اور اسی کی عدالت میں اپنے عقائد و اعمال کا حساب کتاب دینا ہوگا۔ ☼ (تفسیر کبیر۔ مجمع البیان۔ تفسیر نمونہ۔ انوار النجف۔ تفہیم)

وَلَا یَمۡلِکُ الَّذِیۡنَ (۸۶) اور جنھیں وہ لوگ خدا کو چھوڑ

یَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِهٖ کر پکارتے ہیں، وہ تو سفارش

www.drhasanrizvi.com

الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنۡ کرنے کا بھی اختیار نہیں رکھتے۔
شَهِدَ بِالۡحَقِّ وَهُمۡ سوا اُن کے جو سچائی کے ساتھ
يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۸۶﴾ اَپنے علم کی بنا پر (خدا کی
یکتائی کی) گواہی دے (صرف اُن کو خدا کے سامنے سفارش کرنے
کی اجازت حاصل ہو گی) ۔یا۔ (سفارش کرنے والے صرف اُن کی
سفارش کر سکیں گے) جنھوں نے (دُنیا میں) اپنے عِلم کی بُنیاد
پر (یعنی) سوچ سمجھ کر حقیقتاً حق کی گواہی دی ہو گی۔

شانِ نزول نضر بن حارث، کہا کرتا تھا کہ محمدؐ اگر حق پر بھی ہے تو ہمیں اس کی شفاعت کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ ہماری تو فرشتوں سے دوستی ہے وہ ہماری شفاعت کریں گے۔ اس موقع پر یہ آیت اُتری، اور انھیں بتایا گیا کہ اوّل تو قیامت کے دن فرشتے تمھاری شفاعت کریں گے ہی نہیں۔ وہ اگر کسی کی شفاعت کریں گے تو صرف ان لوگوں کی کریں گے جو حق کی گواہی دل سے دے چکے ہوں گے۔ ⁂ (تفسیر قرطبی۔ جلد ۹)

نتیجہ

غرض شفاعت کے ہرگز یہ معنی نہیں ہوتے کہ کائنات میں خدا کے علاوہ کوئی اور طاقت بھی ہے جو خدائی کی طاقت رکھتی ہے، وہ جسے چاہے معاف کر دے یا خداوند عالم پر ایسا دباؤ ڈالے کہ خداوند عالم سے اپنی مرضی کا فیصلہ کرا کے ہی چھوڑے۔ شفاعت کے معنی یہ ہیں کہ خدا ہی کی اجازت سے، خداوند عالم کے خاص اطاعت

www.drhasanrizvi.com

کرنے والے بندے خدا سے یہ درخواست کر سکتے ہیں کہ فلاں شخص کی میں سفارش کرتا ہوں آپ سے درخواست ہے کہ اسے معاف فرمادیں۔

مطلب یہ ہے کہ (۱) کوئی شخص بھی از خود بغیر خدا کی اجازت کے شفاعت کرنے کی جرأت تو کیا تصوّر بھی نہیں کر سکتا۔

(۲) دوسرے یہ کہ وہ صرف اور صرف اسی بندے کی شفاعت، سفارش کر سکتا ہے جس کے لیے خدا نے سفارش کرنے کی اجازت عطا فرمائی ہو۔

(۳) پھر شفاعت کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ صرف اس کی سفارش کی جائے جو کلمۂ توحید و رسالت کی گواہی دے چکا ہو اور آخرت کی زندگی کو مانتا تھا۔

(۴) اور اس کو یہ بھی معلوم ہو کہ خداوند عالم کے سوا کوئی شفاعت کرنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ اور خدا کے سوا کوئی شفاعت کو قبول کرنے والا نہیں ہے۔ یعنی خدا کے علاوہ کوئی اور حاکم اعلیٰ نہیں ہے۔ ✲ (مدارک۔ کشاف)

غرض اس آیت کے دو۲ مفہوم ہیں

(۱) لوگوں نے دنیا میں جن کو اپنا خدا مان رکھا ہے وہ خدا کے سامنے شفاعت بھی نہیں کر سکتے۔ اب اگر یہ گمراہ 'بدراہ تھے تو خود مجرموں کی حیثیت سے پیش ہوں گے جیسے جن یا ارواح۔ صرف وہ لوگ خدا کے سامنے شفاعت کر سکیں گے جو خود نیک تھے۔ خدا نے ان کو شفاعت کرنے کی اجازت دی ہوگی اور جنھوں نے علم کے ساتھ (نہ کہ بے جانے بوجھے) حق کی گواہی دی تھی۔

www.drhasanrizvi.com

(۲) دوسرا مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں کو خدا کی بارگاہ میں شفاعت کرنے کا اختیار دیا جائے گا۔ وہ صرف ان لوگوں کی شفاعت کر سکیں گے جنھوں نے دنیا میں جان بوجھ کر، سوچ سمجھ کر، حق کی گواہی دی تھی۔ کسی حق سے پھرے ہوئے کی شفاعت کرنے کا ان کو نہ تو اختیار ہوگا اور نہ وہ خود ایسا کرنا چاہیں گے

(۳) تیسرے یہ کہ جو شخص یہ کہتا ہے کہ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جن کو اللہ کے ہاں یہ زور حاصل ہے کہ جسے چاہیں بخشوالیں۔ چاہے اس کے عقائد و اعمال کتنے ہی غلط اور بُرے کیوں نہ ہوں، تو یہ خیال سراسر لغو اور بے بنیاد ہے۔ اس خیال کے بھروسہ پر اپنی عاقبت کو خطرے میں ڈال دینا سب سے بڑی حماقت ہوگی ع "ایں خیال است و محال است و جنوں" کیونکہ خدا کی خدائی میں کسی کو زبردستی شریک ہونے کا اختیار حاصل نہیں۔ کوئی ذرہ برابر فائدہ یا نقصان خدا کی اجازت کے بغیر نہیں پہنچا سکتا۔

نتائج و تعلیمات

(۱) علم کے بغیر گواہی معتبر نہیں ہوتی۔ اس لیے اللہ کے ہاں صرف وہی ایمان قابل قبول ہے جو علم کی بنیاد پر حاصل کیا گیا ہو۔

ے
تو عرب ہو یا عجم ہو، ترا لَا اِلٰہَ اِلَّا
لُغتِ غریب جب تک ترا دل نہ دے گواہی (اقبالؔ)

دنیا میں جو شخص بظاہر کلمہ توحید و رسالت پڑھتا ہے ہم اس کو مسلمان مان لیتے ہیں مگر اللہ کے ہاں وہ اس وقت تک اہلِ ایمان شمار نہیں ہوتا جب تک وہ علم و عقل کے ساتھ سمجھ کر کلمہ توحید و رسالت کی گواہی نہیں دیتا۔ ؛؛؛ (تفسیر کبیر ۔ مجمع البیان ۔ تفہیم)

www.drhasanrizvi.com

جناب رسولِ خدا نے ایک گواہی دینے والے سے فرمایا:

• اگر تو نے واقعہ کو خود اپنی آنکھوں سے اسی طرح دیکھا ہے، جیسے تو سورج کو دیکھ رہا ہے تو گواہی دے، ورنہ رہنے دے۔" ※ (احکام القرآن ابوبکر جصاص)

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ (۸۷) اگر تم اُن سے پوچھو کہ انھیں خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ (یا) اُن کے خداؤں کو کس فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۸۷﴾ نے پیدا کیا ہے؟ تو یہ خود کہیں گے کہ اللہ نے۔ تو پھر اِدھر اُدھر کہاں بھٹکتے پھرتے ہیں؟

مطلب یہ ہے کہ اگر تم ان مشرکوں سے پوچھو کہ خود ان کو کس نے پیدا کیا ہے تو یہ خود کہیں گے کہ اللہ نے۔ دوسرے یہ کہ اگر تم ان مشرکوں سے یہ پوچھو کہ ان کے خداؤں کو کس نے پیدا کیا ہے تو بھی یہ لوگ کہیں گے کہ اللہ نے ※ (تفسیر کبیر۔ تفہیم)

وَقِيْلِهٖ يٰرَبِّ اِنَّ (۸۸) آپؐ اکثر کہتے رہے ہیں کہ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾ "اے میرے پالنے والے مالک! یہ لوگ تو کسی طرح ایمان نہیں لاتے۔"

www.drhasanrizvi.com

یہ قرآن مجید کی بہت مشکل آیت ہے۔ نحویوں نے اس پر بہت لمبی بحثیں کی ہیں
مگر واضح بیان شاہ عبدالقادر صاحب کا ہے کہ انھوں نے یوں مطلب بیان فرمایا کہ: "قسم ہے
رسولؐ کے اس قول کی، کہ "اے مالک یہ وہ لوگ ہیں جو مان کر نہیں دیتے۔" کیسی عجیب ہے ان
لوگوں کی فریب خوردگی کہ خود تسلیم کرتے ہیں، ان کا اور ان کے خداؤں کا خالق اللہ ہی ہے
پھر خالق کو چھوڑ کر مخلوق کی عبادت پر اصرار کیے چلے جاتے ہیں۔" (شاہ عبدالقادر صاحب)

مطلب یہ ہے کہ وہ مشرک کس قدر ہٹ دھرم، حق دشمن، عقل دشمن ہیں کہ ایک
طرف یہ اعتراف بھی کر رہے ہیں کہ سب کا خالق خدا ہے، ان کے خداؤں کا خالق بھی خدا ہے۔ پھر بھی
اصل خالق کی عبادت کے بجائے مخلوق کی عبادت پر اڑے ہوئے ہیں۔ اس قدر شدید غیر معقول
رویہ بس وہی اختیار کر سکتا ہے جس نے حق کو نہ ماننے کا پورا پورا فیصلہ ہی کر لیا ہو۔

گویا آیت کا مطلب دوسرے الفاظ میں یہ ہے کہ بالکل ٹھیک کہا ہمارے رسولؐ نے
واقعاً ایسے لوگ مان کر دینے والے ہرگز نہیں ہیں۔

☼ (تفسیر کبیر۔ مجمع البیان۔ تفسیر نمونہ۔ تفہیم)

یہ ہے وہ ذہنیت جسے کہتے ہیں "میں نہ مانوں"۔ (مولف)

ع "زمیں جنبد فلک جنبد، نہ جنبد گل محمد۔"

فَاصۡفَحۡ عَنۡهُمۡ وَقُلۡ (۸۹) تو آپؐ اُن سے چشم پوشی کر
سَلٰمٌ ؕ فَسَوۡفَ يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۸۹﴾ لیجیے۔ اور کہیے: "بس خدا

ع ۱۴ ۲۲

www.drhasanrizvi.com

حافظ ." پس عنقریب اُنھیں (اُن کا بُرا انجام) معلوم ہوجائے گا ."

مطلب یہ ہے کہ اے رسولؐ! ان بے ایمانوں کے ایمان لانے کی زیادہ اُمید اور توقع نہ رکھیے اور ان کو مومن بنانے کی بہت زیادہ کوششیں بھی نہ کیجیے ۔ اب ان سے آپؐ بس یہ کہہ دیجیے کہ اب اس کے بعد میرا تمھارا کوئی تعلّق نہیں رہا (خدا حافظ)

☼ (بیضاوی)

یہاں سلام، سلامِ تحیت (عزت والاسلام) نہیں ہے ۔ بلکہ یہ سلامِ متارکت یعنی بے تعلقی والا سلام ہے ۔ (جیسے ہم اردو میں کہتے ہیں، خدا حافظ)

☼ (کشاف ، مدارک ؛ روح المعانی)

"بس ہو چکی نماز مصلیٰ بڑھایئے "

مطلب یہ ہے کہ اے رسولؐ! ان حق دشمنوں کی بُری باتوں اور مذاق اڑانے پر نہ تو ان کے لیے بددعا کرو اور نہ ان کے جواب میں کوئی سخت بات کہو ۔ بس خدا حافظ کہہ کر ان سے الگ ہو جاؤ ۔

☼ (تفہیم)

———— ☼ ————

(بحمد اللہ سورۂ زخرف ختم ہوا)

☼ ☼ ☼

www.drhasanrizvi.com

سورۂ دُخان

(دھوئیں والا سورہ)

فضائل وخصوصیات

جناب رسولِ خدا نے فرمایا :

"جو شخص شب جمعہ یا جمعہ کے دن سورۂ دخان تلاوت کرے گا (یعنی سمجھ کر پڑھے گا) تو خدا اس کے لیے جنت میں گھر بنائے گا۔" (تفسیر مجمع البیان)

جناب رسولِ خدا نے فرمایا

"جو شخص سورۂ دخان رات کو پڑھے گا وہ ایسی حالت میں صبح کرے گا کہ ستر ہزار فرشتے اس کے لیے استغفار کر رہے ہوں گے۔" (تفسیر مجمع البیان)

امام محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خدا نے فرمایا :

"جو شخص اپنی فرض یا نفل نماز میں سورۂ دخان کی تلاوت کرے گا خدا اسے ان کے ساتھ محشور کرے گا جو قیامت کے دن امن وامان میں ہوں گے۔ خدا انھیں اپنے عرش کے سائے میں رکھے گا۔ اس کا حساب آسان طریقے سے لے گا۔ اور اس کا نامۂ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دے گا۔"

(تفسیر مجمع البیان)

www.drhasanrizvi.com

آیاتُها ۵۹	سُوْرَةُ الدُّخَانِ مَكِّيَّةٌ	رکوعاتُها ۳

(دھوئیں والا سورہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

(شروع کرتا ہوں) اللہ کے نام کی مدد مانگتے ہوئے جو سب کو فیض اور فائدے پہنچانے والا، بے حد مسلسل رحم کرنے والا ہے

حٰمٓ ۚ ﴿۱﴾ (۱) حا۔میم۔

ع ۱۲ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۙ ﴿۲﴾ (۲) قسم ہے اِس کھلی ہوئی واضح روشن کتاب کی۔

خداوند عالم کتابِ مبین کی قسم کھا کر فرما رہا ہے کہ قرآن کو ہم ہی نے اتارا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ کتاب محمدؐ کی تصنیف یا تالیف نہیں ہے بلکہ اس کے اتارنے والے مصنف ہم ہیں اور اس کا ثبوت کہیں اور جا کر ڈھونڈنے کی ضرورت نہیں ہے، خود یہ کتاب اس بات کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہے ☼ (تفسیر کبیر۔ مجمع البیان۔ تفہیم)

www.drhasanrizvi.com

یعنی اس کتاب کے مضامین، زبان و بیان، دلائل و براہین، مطالب و مضامین، فصاحت و بلاغت خود بتلا رہی ہے کہ:

"ما ھٰذا کلام البشر" (یہ آدمی کا کلام ہو ہی نہیں سکتا)

☼ (متفقہ قول شعراء جاہلیت)

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِىْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ ③

کہ ہم نے اسے ایک بڑی خیر و برکت والی رات میں اُتارا ہے (کیونکہ) حقیقتاً ہم (ہمیشہ سے بُرائی کے بُرے انجام سے) ڈرانے والے ہیں۔

لیلۃ مبارکۃ - مبارک رات

سے مراد شب قدر ہے جو رمضان المبارک کے مہینہ میں آتی ہے۔ اسی رات پورے کا پورا قرآن بحیثیت مجموعی لوح محفوظ سے بیت المعمور (جو چوتھے آسمان پر ہے) اترا۔ پھر وہاں سے بتدریج وقتاً فوقتاً تیئس[۲۳] سال کے عرصے میں پیغمبر اسلام پر آخر عمر تک اُتارا۔ ☼ (تفسیر علی بن ابراہیم)

اس رات سے مراد وہ رات ہے جسے سورہ قدر میں یوں فرمایا:

"اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِىْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ"

☼ (سورہ قدر[۹۷] - پ[۳۰])

www.drhasanrizvi.com

مبارک کا لفظ برکت کے مادہ سے ہے جس کے معنی ہیں دائمی فائدہ پہنچانے والا۔ مبارک رات یعنی شبِ قدر تمام بھلائیوں کا سرچشمہ ہے۔

(مفردات القرآن۔ امام راغب۔ لسان العرب)

رسولؐ اور قرآن کے اُتارنے کا مقصد بُرے کاموں کے بُرے انجام سے ڈرانا ہے۔ یعنی قرآن ظالموں، سرکشوں، کافروں، مشرکوں، منافقوں، فاسقوں، فاجروں کو ان کی برائیوں کے بُرے انجام سے ڈراتا ہے۔

رسولؐ اور قرآن نیک کاموں کے اچھے انجام کی بشارت بھی دیتے ہیں لیکن کیونکہ دُنیا میں زیادہ تر لوگ برائی، ظلم، شرک، کفر، سرکشی اور فسق و فجور کی طرف مائل ہوتے ہیں اس لیے انبیاء اور یہ آسمانی کتابیں زیادہ زور ڈرانے پر دیتے ہیں۔

(تفسیر نمونہ)

سوال یہ ہے کہ قرآن تو ۲۳ سال میں بتدریج اترا ہے پھر شب قدر میں کیا ہوا؟

(۱) بعض مفسرین کا خیال ہے کہ شب قدر میں قرآن اُترنے کی ابتداء ہوئی۔ پھر ۲۳ سال تک مسلسل رفتہ رفتہ قرآن اترتا رہا۔ (تفسیر نمونہ۔ تفسیر کبیر)

غرض قرآن دو طریقے سے اُترا: (۱) **دفعتاً نزول** یعنی ایک ہی مرتبہ پورے کا پورا قرآن رسولِ خدا کے قلب پر ماہ رمضان کی شبِ قدر میں اُترا۔ پھر:

(۲) **تدریجی نزول**، حالات و واقعات کے تحت آہستہ آہستہ جستہ جستہ ۲۳ سال میں ہوتا رہا۔

www.drhasanrizvi.com

اسی لیے قرآن میں قرآن کے اُترنے کے لیے دو الفاظ استعمال ہوئے ہیں:

(۱) انزال: یعنی دفعتاً پورا قرآن اُتر جانا۔ اور۔

(۲) تنزیل: یعنی تدریجی طور پر آہستہ آہستہ، جستہ جستہ اُترنا۔

☼ (مفردات امام راغب)

قرآن میں جہاں شب قدر میں قرآن کے اُترنے کا ذکر آیا ہے وہاں انزال کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ یعنی دفعتاً ایک ساتھ اُتر جانا۔

امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ:

"اس مبارک رات سے مراد شب قدر ہے۔ جس میں خداوند عالم نے قرآن کو ایک ہی مرتبہ بیت المعمور کی طرف اتارا۔ پھر بیس سال کے عرصے میں رسولؐ پاک پر بتدریج اترتا رہا۔"

☼ (تفسیر علی ابن ابراہیم۔ نور الثقلین)

بیت المعمور کیا ہے؟ بعض روایات میں ہے کہ یہ پہلے آسمان پر ہے۔ بعض میں چوتھے آسمان پر ہونے کو بیان کیا گیا ہے۔

حضرت علیؑ سے روایت ہے کہ: "بیت المعمور، خانہ کعبہ کے مقابل چوتھے آسمان پر واقع ہے روزانہ ستر ہزار فرشتے اس میں داخل ہوتے ہیں۔ پھر اس کے بعد تا ابد اس میں نہیں آسکتے۔

☼ (تفسیر مجمع البیان جلد ۹۔ بحار الانوار جلد ۵۱ صفحہ ۵۵)

سوال یہ ہے کہ پھر ۲۷ رجب کو کیا ہوا؟ ۲۷ رجب کو قرآن کا تدریجی نزول شروع ہوا تھا اور رمضان کی شب قدر میں پورے کا پورا قرآن دفعتاً بیت المعمور پر اترا تھا۔ ☼ (تفسیر نمونہ)

www.drhasanrizvi.com

فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ (۴) اس رات میں ہر معاملہ کا
حَكِيمٍ ۝۴ حکیمانہ فیصلہ (یعنی) ایسا
فیصلہ جو گہری حقیقتوں کی بنیاد پر دانائی کے ساتھ کیا گیا ہو اور جو
بالکل صحیح ہو، صادر کیا جاتا ہے۔

شب قدر میں خداوند عالم ہر اس چیز کا اندازہ فرما دیتا ہے جو اس سال ہونے والا ہوتا ہے۔ وہ حق ہو یا باطل۔ لیکن بعد میں قانونِ بداء کے تحت جس چیز کو چاہتا ہے بدل بھی دیتا ہے۔

سب سے پہلے ہر خبر رسولِ خدا کو ملتی ہے۔ پھر رسولِ خدا کے ذریعہ حضرت علیؑ کو ملتی ہے اور پھر حضرت علیؑ کے ذریعہ ائمہ اہلبیتؑ تک پہنچتی ہے۔ مگر ہر چیز میں قانون بداء شرط ہے (یعنی ہر بات خدا کی مشیت سے بدل بھی سکتی ہے) ٭ (تفسیر صافی)

"یفرق" کے لفظ کا مطلب یہ ہے کہ شب قدر میں تقدیر کو بنانے والے تمام امور لکھ دیے جاتے ہیں۔ اور "حکیم" کا لفظ بتاتا ہے کہ یہ امور محکم اور ناقابل تغیر ہوتے ہیں۔

٭ (تفسیر المیزان)

آخر میں تاکیداً فرمایا کہ قرآن مجید خدا کی جانب سے ہی اترا ہے۔ یعنی ہمارے (خدا کے) حکم سے اترا ہے اور ہم ہی نے محمدؐ کو رسول مقرر کر کے بھیجا ہے۔

٭ (تفسیر نمونہ)

www.drhasanrizvi.com

اَمۡرًا مِّنۡ عِنۡدِنَا ؕ اِنَّا (۵) (وہ بھی) ہمارے حکم سے حقیقتاً
كُنَّا مُرۡسِلِيۡنَ ۚ‏ ﴿۵﴾ ہم ایک رسولؐ بھیجنے والے تھے۔

سورۂ قدر میں خداوندعالم کے ارشاد کے مطابق اس رات ملائکہ اور روح اپنے مالک کی اجازت سے خداوندعالم کا ہر حکم لے کر اترتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ سال میں ایک رات ضرور ایسی ہے جو افراد اور قوموں کے لیے فیصلہ کن ہوتی ہے۔

عکرمہ کہتے ہیں کہ یہ رات ۱۵ شعبان کی رات ہے۔ اسی رات میں تمام قسمتوں کے فیصلے ہوتے ہیں۔
☼ (بقول امام زہری تفسیر کبیر۔ تفہیم)

اس کے برعکس ابن عباس، ابن عمر، مجاہد، قتادہ، حسن بصری، سعید ابن جبیر، ابن زید، ابو مالک اور ضحاک کہتے ہیں کہ یہ رمضان کی وہی رات ہے جسے شب قدر کہتے ہیں۔
☼ (تفسیر کبیر۔ تفہیم)

قاضی ابوبکر ابن العربی کہتے ہیں کہ شب قدر ۱۵ شعبان والی رات میں ہونا معتبر نہیں ہے۔
☼ (احکام القرآن از ابوبکر جصاص)

رَحۡمَةً مِّنۡ رَّبِّكَ ‌ؕ اِنَّهٗ (۶) آپؐ کے پالنے والے مالک کی
هُوَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ ۙ‏ ﴿۶﴾ رحمت کے طور پر۔ حقیقت یہ ہے
کہ وہی (خدا) سب کچھ سننے والا بھی ہے اور جاننے والا بھی۔

www.drhasanrizvi.com

خدا کی رحمت سے مراد، خدا کی ہدایت ہے۔ اسی لیے رسولِ خدا کو مومنین کے لیے رحمت فرمایا گیا ہے کیونکہ مومنین نے رسولِ خدا کے ذریعہ ہدایت پائی۔ ⁂ (تفسیر ماجدی)

مطلب یہ ہے کہ قرآن جیسی عظیم الشان کتاب کا بھیجنا صرف خدا کی حکمت ہی کا تقاضا نہیں تھا بلکہ خدا کی رحمت کا بھی یہی تقاضا تھا۔ کیونکہ خدا رب ہے اور ربوبیت کا تقاضا یہ تھا کہ لوگوں کی جسمانی، مادی ضروریات کے ساتھ ساتھ عقلی اور روحانی تربیت کے لیے ان کو صحیح علم عطا کیا جائے تاکہ وہ اپنی زندگی کی حقیقت، فلسفہ اور مقصد کو بھی سمجھ سکیں اور حق و باطل کا فرق بھی کر سکیں۔ تاکہ گمراہیوں کے اندھیروں میں مارے مارے نہ پھرتے رہیں۔

پھر آخر میں خداوند عالم کا خود کو سمیع و علیم فرمانا یہ بتاتا ہے کہ تمام حقائق اور اصلی حقیقی علم کا سرچشمہ خداوند عالم ہے۔ ایک انسان تو کیا سارے انسان مل کر بھی یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ جسے وہ سچی حقیقی بات سمجھ رہے ہیں وہ واقعاً سچی اور حقیقی ہے۔ کیونکہ سارے کے سارے انسان مل کر بھی سمیع و علیم یعنی ہر بات سننے والے اور ہر بات جاننے والے نہیں ہو سکتے۔ اس لیے ماننا پڑے گا کہ صحیح علم خدا ہی کے پاس ہے اس لیے صرف خدا ہی یقینی طور پر صحیح صحیح بتا سکتا ہے کہ انسان کے لیے راہِ ہدایت کیا ہے؟ گمراہی کیا ہے؟ انسان کی زندگی کا مقصد کیا ہے؟ اس کا انجام کیا ہے؟ حق کیا ہے اور باطل کیا؟ خیر کیا ہے اور شر کیا ہے؟

صحیح طریقۂ زندگی کیا ہے ——————؟

⁂ (تفسیر کبیر۔ مجمع البیان۔ تفسیر نمونہ۔ انوار النجف۔ تفہیم)

www.drhasanrizvi.com

رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ (۷) جو آسمانوں کا بھی مالک ہے

وَمَا بَیۡنَهُمَا ۘ اِنۡ كُنۡتُمۡ اور زمین کا بھی، اور ہر اُس

مُّوۡقِنِيۡنَ ۝ چیز کا بھی جو اُن کے درمیان ہے

اگر تم لوگ واقعی دل سے مان کر یقین رکھنے والے ہو۔

مشرکین اور عرب کے تمام لوگ اس بات کا اقرار کرتے تھے کہ اس پوری کائنات کا خالق مالک، اصل پالنے والا خداوندعالم ہی ہے۔ بتوں کو وہ صرف شیاطین اور جنات اور ملائکہ کے مجسمے سمجھ کر پوجتے تھے۔ ان کو خدائی اختیار کا حامل سمجھتے تھے۔ اس لیے کہا جا رہا ہے کہ جب تم واقعاً یہ سمجھتے ہو کہ کائنات کا اور تمھارا اصل خالق، مالک خداوندعالم ہے تو پھر:

(۱) تم یہ کیوں نہیں مان لیتے کہ انسانوں کو ہدایت اور صحیح راستہ بتانا اس کی رحمت کا تقاضا ہے۔

(۲) اور دوسرے یہ کہ جب تم یہ بھی مانتے ہو کہ تم اسی خداوندعالم کے بندے اور غلام ہو تو پھر غلام ہونے کی حیثیت سے تمھارا فرض ہے کہ اپنے مالکِ حقیقی کے احکام اور ہدایات کو دل و زبان سے مانو اور اس کی اطاعت والی زندگی اختیار کر لو کہ یہی ہدایت کا حاصل ہے۔

(تفسیر کبیر۔ مجمع البیان۔ تفہیم۔ تفسیر نمونہ)

لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحۡىٖ (۸) کوئی خدا اُس کے سوا نہیں ہے

www.drhasanrizvi.com

وَيُمِيتُ ۚ رَبُّكُمۡ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الۡاَوَّلِيۡنَ ﴿۸﴾ وہی زندگی عطا کرتا ہے، اور وہی مارتا ہے۔ جو تمہارا بھی پالنے والا مالک ہے اور تمہارے پہلے والے باپ داداؤں کا بھی پالنے والا مالک ہے۔

یہاں معبود سے مراد، حقیقی معبود ہے جو حقیقت میں اس قابل ہو کہ اس کی عبادت، غلامی، کامل عاجزانہ اطاعت کی جائے۔ کیونکہ یہ بات عقل کے سراسر خلاف ہے کہ اس ذات کی غلامی، بندگی، اطاعت نہ کی جائے جو بے جان مادوں میں جان ڈال سکتا ہے، اور یہی جب چاہے زندہ کر سکتا ہے، جب چاہے مار سکتا ہے۔ ایسی عظیم ذات کی غلامی کو چھوڑ کر کسی ایرے غیرے کی غلامی قبول کرنا انسانیت کی توہین بھی ہے، اور عقل دشمنی کی انتہا بھی۔

(تفسیر کبیر۔ تفہیم۔ مجمع البیان۔ تفسیر نمونہ)

بَلۡ هُمۡ فِىۡ شَكٍّ يَّلۡعَبُوۡنَ ﴿۹﴾ (۹) مگر وہ لوگ ہیں جو اپنے شک میں پڑے کھیل رہے ہیں (یعنی) وہ کائنات کی تخلیق پر سنجیدگی کے ساتھ ایک لمحہ بھی غور نہیں کرتے۔ اس کو کھیل تماشا سمجھتے ہیں)۔

دہریے، مشرکین، کفار جو خدا کو نہیں مانتے، ہمیشہ شک و شبہات میں پڑے رہتے ہیں۔

www.drhasanrizvi.com

ان کا دل ضمیر انھیں یہ بتاتا رہتا ہے کہ جو تم سمجھے بیٹھے ہو اس میں ضرور کہیں نہ کہیں جھول ہے اس لیے کہ خدا کو نہ ماننا عقل اور فطرتِ انسانی دونوں کے خلاف ہے۔ اسی لیے دہریہ چاہے خدا کا انکار کرنے میں کتنا ہی کٹر کیوں نہ ہو اس کا دل سوچتا ضرور ہے کہ آخر یہ حیرت انگیز اتنی لمبی چوڑی کائنات اس قدر منظم اور مرتب بغیر کسی بنانے والے کے کیسے بن سکتی ہے ؟

اسی طرح ایک مشرک کتنا ہی اپنے شرک میں ڈوبا ہوا کیوں نہ ہو، اس کا دل کبھی نہ کبھی ضرور پکارتا ہے کہ یہ کاٹھ کے اُلّو بت بھلا کہاں سے کائنات کے خالق، مالک، رب، رازق ہو سکتے ہیں ؟

رہا یہ سوال کہ پھر یہ شک اُن کے اندر بے چینی کیوں نہیں پیدا کرتا ؟ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ (۱) وہ کبھی سنجیدگی سے اس مسئلہ پر غور ہی نہیں کرتے۔ دماغ سے اس کو جھٹک دیتے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ان کی نگاہ میں اصل اہمیت صرف اور صرف دنیوی مال و دولت عزت اور ترقی کی ہوتی ہے۔ وہ اسی کو سب کچھ سمجھ کر اپنی ساری توانائیاں اسی کے حاصل کرنے پر لگا دیتے ہیں۔ دین کو وہ ایک کھیل، تفریح کے طور پر صرف ذہنی عیاشی یا مذاق اُڑانے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔

اے شیخ ہم دونوں ہیں دلوانے سے
مطلب ہے فقط دل کے بہل جانے سے
ہر صبح و مسا شغل کرتے ہیں ہم
تُو ظرفِ وضو سے اور میں پیمانے سے

(جوشؔ)

www.drhasanrizvi.com

فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي (۱۰) اچھا تو انتظار کرو اُس دن
السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ ⑩ کا جب آسمان واضح طور پر
ایک 'دھواں' لیے ہوئے آئے گا۔

قیامت کی نشانیوں میں اوّلین نشانیاں یہ ہیں:

(۱) دھواں۔ (۲) حضرت عیسٰیؑ کا اُترنا۔

(۳) ایک آگ جو عدن کی گہرائی سے نکلے گی اور لوگوں کو میدانِ حشر کی طرف ہنکا ہنکا کر جمع کر دے گی۔

جناب رسولِ خداؐ سے پوچھا گیا۔ وہ دھواں کیسا ہوگا؟ اس پر جناب رسولؐ خدا نے یہی آیت تلاوت فرمائی اور پھر فرمایا: "یہ دھواں مشرق سے مغرب تک چھا جائے گا اور چالیس دن تک ایک ہی حالت میں رہے گا۔ اس دھوئیں سے مومن کو تو بس اسی قدر تکلیف ہوگی جتنی زکام سے ہوتی ہے لیکن کافر کا یہ حال ہوگا کہ جیسے کوئی نشہ میں متوالا ہو جائے۔ اس کی ناک اور دونوں نتھنوں سے دھواں ہی دھواں نکلتا رہے گا۔"

⁂ (تفسیر صافی)

دخان پر بحث

(۱) عرب ماہرین نے لکھا کہ دخان کا بامحاورہ مطلب سخت بلا اور مصیبت ہوتا ہے۔ ⁂ (مجمع البیان جلد ۹۔ تفسیر کبیر)

www.drhasanrizvi.com

(۲) قحط اور خشک سالی میں سیاہ غبار آسمان پر چھا جاتا ہے جسے دخان کہتے ہیں۔ بارش کے برسنے پر فضا کے صاف ہو جانے سے یہ غائب ہو جاتا ہے۔ ☼ (تفسیر کبیر۔ امام رازی)

(۳) دخان مبین سے مراد، گہرا دھواں جو کائنات کے خاتمے پر تمام زمین آسمان کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا۔ ☼ (تفسیر نمونہ)

آیت کا مطلب یہ ہوا کہ: جب ہم ان سے تھوڑا سا عذاب برطرف کریں گے تو وہ اپنی پرانی روش دوبارہ اختیار کریں گے۔ اسی بات کو سورہ انعام میں یوں فرمایا:

" اگر وہ دنیا کی طرف لوٹا بھی دیے جائیں تو جن کاموں سے انھیں روکا گیا تھا وہ پھر انھیں کو انجام دیں گے۔" ☼ (سورہ انعام ۲۸۔ پ۷)

بطشۃ الکبریٰ کے معنی سخت ترین سزا۔ یہ لفظ جنگ بدر سے زیادہ قیامت کے دن کی سزاؤں سے ہم آہنگ معلوم ہوتا ہے۔ ☼ (تفسیر نمونہ)

بطش، کے معنی کسی چیز کو پوری پوری طاقت سے پکڑ لینا۔

☼ (مفردات القرآن۔ امام راغب)

حذیفہؓ نے جناب رسولِ خداؐ سے پوچھا 'دخان' کیا ہے؟ فرمایا: " وہ دھواں ہے جو مشرق و مغرب کو پوری طرح اپنی لپیٹ میں لے لے گا اور چالیس دن چھایا رہے گا۔ مومن کو اس سے زکام جیسی تکلیف ہوگی۔ مگر کافر کو اس قدر شدید تکلیف ہوگی کہ وہ مدہوش سا ہو جائے گا دھواں اس کی ناک کے نتھنوں کانوں اور پیچھے سے نکلتا رہے گا۔" ☼ (تفسیر درمنثور۔ جلد ۶)

www.drhasanrizvi.com

جناب رسولِ خدا نے فرمایا: "خداوندِ عالم نے تم کو تین چیزوں سے ڈرایا ہے۔ ایک دھواں جس سے مومن کو زکام جیسی تکلیف ہو گی۔ مگر کافر کا تمام جسم پھول جائے گا۔ دوسرے دابۃ الارض، اور تیسرے دجّال۔ ☼ (تفسیر در منثور۔ جلد ۶)

حضرت علیؑ نے فرمایا:

"قیامت کی دس نشانیاں ہیں جو لازماً ظاہر ہوں گی۔ سفیانی ۔ دجال۔ دھواں دابۃ الارض ۔ قیامِ مہدیؑ ۔ مغرب سے سورج کا نکلنا۔ حضرت عیسیٰؑ کا اترنا۔ زمین کے مشرقی علاقے میں زبردست زلزلہ جس سے زمین دھنس جائے گی۔ عرب میں اسی قسم کا زلزلہ۔ عدن کی زمین کی گہرائیوں سے آگ کا نکلنا جو تمام لوگوں کو ہنکا ہنکا کر میدانِ حشر میں لے آئے گی۔"

☼ (بحار الانوار۔ جلد ۵۲)

يَغْشَى النَّاسَ ۖ هٰذَا (۱۱) جو لوگوں پر چھا جائے گا۔

عَذَابٌ اَلِيْمٌ (۱۱) یہ ایک بہت سخت تکلیف دینے والا عذاب ہے۔

احادیث رسولؐ کی رو سے دھوئیں سے مراد شدید قحط بھی ہے جو اہلِ مکہ پر پڑنے والا تھا جو اس آیت کے اُترنے کے چند دن بعد پڑا۔ ایک طرف تو بارش ہونا بند ہو گئی اور دوسری طرف یمن کے علاقے یمامہ کے رئیس نے مسلمان ہونے کی وجہ سے ان کے پاس غلہ بھیجنا بند کر دیا۔

www.drhasanrizvi.com

یہ رسولِ خدا کی دعا کا نتیجہ تھا۔ ☼ (ابن جریر)

رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ (۱۲) (لوگ کہیں گے) "اے ہمارے
اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲﴾ پالنے والے مالک! اِس عذاب
کو ہم سے دُور کر دے۔ اب ہم یقیناً دل سے مانے لیتے ہیں۔"

رسولِ مبین کے دو معنی ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ محمد مصطفیٰ کا رسول ہونا ان کی سیرت، اخلاق،
کردار، بیانات سے از خود بالکل واضح ہے۔
دوسرے یہ کہ انھوں نے حقائق کو بالکل واضح طور پر کھول کھول کر بیان کرنے میں کوئی کسر نہیں
اٹھا رکھی ہے۔ ☼ (تفسیر کبیر۔ انوار النجف۔ تفہیم۔ مجمع البیان)

اَنّٰى لَهُمُ الذِّكْرٰى (۱۳) اُن کی غفلت بھلا کہاں دُور
وَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ ہوتی ہے؟ حالانکہ اُن کے
مُّبِيْنٌ ﴿۱۳﴾ پاس 'رسولِ مبین' (یعنی) صاف
صاف ہدایت کرنے والا ایک پیغمبر آگیا۔

"رسول مبین" کھلا ہوا واضح رسول سے مراد عظیم الشان رسول ہے۔ جس کی رسالت
کے دلائل واضح اور معجزات کھلے ہوئے تھے۔ ☼ (تفسیر روح المعانی۔ کشاف)

www.drhasanrizvi.com

کافروں، مشرکوں کے کہنے کا اصل مطلب یہ تھا کہ محمدؐ تو بے چارہ بالکل سیدھا سادھا شریف آدمی تھا مگر کچھ چالاک لوگوں کے ہتھے چڑھ گیا ہے۔ وہی لوگ اسے چھپ چھپ کر قرآن کی آیتیں گھڑ گھڑ کر سناتے ہیں۔ یہ بے چارہ سیدھا سادھا آدمی ہے ان کو لا کر ہمارے سامنے پڑھ دیتا ہے وہ پڑھانے والے تو مزے سے عیش کر رہے ہیں۔ یہ بے چارہ ہماری گالیاں، پتھر کھاتا رہتا ہے۔ کفار اس طرح کے چلتے ہوئے فقرے کہہ کر رسولؐ خدا اور قرآن مجید کی ساری بھاری بھرکم دلیلوں، اور نصیحتوں کو اڑا دیا کرتے تھے۔

ظاہر ہے کہ مشرکین کا یہ دعویٰ بالکل غلط تھا۔ اس لیے کہ جناب رسولؐ خدا کو کون دوسرا پڑھا سکتا تھا۔ سارے عرب میں اس وقت سوا حضرت علیؑ، حضرت خدیجہؑ کے اور اس کے بعد زید بن حارثہ کے علاوہ کوئی ان کا قریبی ساتھی نہ تھا۔ اگر ہوتا تو بھلا سارے عرب کی نگاہوں سے کیسے چھپا رہتا پھر اگر حضرت علیؑ اور خدیجہؑ ہی نے قرآن گھڑ گھڑ کر رسولؐ خدا کو پڑھایا سکھایا ہوتا تو یہی لوگ کیسے جناب رسولؐ خدا کے اس قدر سچے معتقد ہو جاتے کہ جناب خدیجہؑ نے اپنی پوری دولت اسلام پر لٹا دی۔ اور حضرت علیؑ نے اپنی پوری دولت، اولاد، زندگی سب اسلام پر نثار فرما دیں؟

اور اگر جناب رسولؐ خدا کو حضرت علیؑ، حضرت خدیجہؑ، زید بن حارثہ وغیرہ کے علاوہ کوئی اور سکھا پڑھا جاتا تھا تو یہ لوگ ضرور اس کو دیکھ لیتے اور کبھی رسولؐ خدا کی اس قدر زور و شور سے حمایت نہ فرماتے۔

(تفسیر کبیر۔ تفہیم۔ مجمع البیان)

www.drhasanrizvi.com

ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوا (۱۴) پھر بھی انھوں نے اُس سے
مُعَلَّمٌ مَّجْنُونٌ ﴿۱۴﴾ مُنہ پھیر لیا اور کہا کہ: "یہ تو
ایک سکھایا پڑھایا ہوا دیوانہ ہے۔"

وقف لازم

مغربی علماء اور مستشرقین کی بھی انتہائی تحقیق یہی ہے کہ محمد مصطفیٰ نے قرآن اِدھر اُدھر سے سُن سُنا کر بنا لیا تھا۔ وہ لوگ قرآن کے لفظی اور معنوی اعجاز سے آنکھیں بند کیے یہی ایک رٹ لگائے رہتے ہیں۔ ☼ (تفسیر ماجدی)

إِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِيلًا (۱۵) لو ہم ذرا عذاب کو ہٹائے
إِنَّكُمْ عَائِدُونَ ﴿۱۵﴾ دیتے ہیں، تم لوگ پھر وہی کچھ
کرو گے جو پہلے کر رہے تھے۔

وقف لازم

مطلب یہ ہے کہ اتمامِ حجت کے لیے ہم اُس بھوک اور قحط کی سزا کو دور تو کر دیں مگر اس سے حاصل کیا ہوگا؟ ایمان لانا تو الگ رہا یہ کچھ نرمی اور شکستگی جو ان میں قحط کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے، وہ بھی جاتی رہے گی اور یہ لوگ پھر حق دشمنی، ظلم اور تجبر پہ اتر آئیں گے۔ ☼ (تفسیر ماجدی)

يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ (۱۶) (پھر) جس دن ہم سب سے بڑا

www.drhasanrizvi.com

الْكُبْرٰى ۚ إِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ ⑯ حملہ کر کے بڑی ضرب لگائیں گے (اُس دن) حقیقتاً ہم پورا پورا بدلہ لے لیں گے۔

ان آیات کی دو۲ تفسیریں کی گئی ہیں:

(۱) پہلی تفسیر ــــ عبداللہ ابن مسعود کہتے ہیں کہ قریش عرب کے ردِ عمل سے تنگ آکر ایک روز جناب رسولِ خدا نے دعا کی کہ "مالک! حضرت یوسفؑ جیسے قحط سے میری مدد فرما۔" چنانچہ ایسا شدید قحط پڑا کہ لوگ ہڈیاں، کھالیں، چمڑا، مردار تک کھا گئے۔ بھوک کی شدت سے لوگوں کا یہ حال تھا کہ انھیں آسمان پر دھواں ہی دھواں دکھائی دیتا تھا۔ آخر کار تنگ آکر ابوسفیان حضورِ اکرمؐ کی خدمت میں آیا اور عرض کی کہ آپؐ کی قوم بھوکوں مر رہی ہے۔ رحم کیجیے اور قحط دُور ہونے کی دعا کیجیے۔ یہی زمانہ تھا کہ سارے قریش کہتے تھے کہ اگر ہم پر سے یہ عذاب خدا دُور کر دے گا تو ہم ایمان لے آئیں گے۔

اور خداوندِ عالم کا یہ فرمانا کہ: "ہم بڑی ضرب لگائیں گے۔" یہ بڑی ضرب جنگ بدر کے دن قریش پر لگائی گئی۔

(بخاری، ترمذی، نسائی، ابن جریر، ابن ابی حاتم، مجمع البیان، تفسیر کبیر)

دوسری تفسیر ــــ حضرت علیؑ، زید ابن علی ابن الحسینؑ، زین العابدینؑ، ابوسعید خدری اور حسن بصری فرماتے ہیں کہ ان آیات کا تعلق قیامت کے قریب والے زمانے سے ہے۔ اس زمانہ میں

www.drhasanrizvi.com

زمین پر دھواں ہی دھواں چھا جائے گا۔ جنابِ رسولِ خداؐ کی وہ حدیث جس کو حذیفہ اور اسید الغفاری نے نقل کیا ہے اس تفسیر کی تائید کرتی ہے کہ جنابِ رسولِ خداؐ نے فرمایا:

"قیامت قائم نہ ہوگی جب تک دس علامات یکے بعد دیگرے ظاہر نہ ہولیں۔

(۱) سورج کا مغرب سے طلوع ہونا۔ (۲) دھواں ہی دھواں (۳) دابہ کا نکلنا

(۴) یاجوج (۵) ماجوج کا خروج (۶) عیسیٰؑ ابن مریمؑ کا اترنا (۷) مشرق اور

(۸) مغرب میں زمین کا دھنسنا (۹) عدن سے آگ کا نکلنا جو لوگوں کو ہانکتی ہوئی

میدانِ حشر لے جائے گی۔ (۱۰) عرب میں زمین کا دھنسنا۔"

(ابن جریر۔ طبرانی۔ صحیح مسلم شریف۔ تفسیر کبیر۔ مجمع البیان۔ انوار النجف) ※

ممکن ہے کہ ابن مسعود والی تفسیر وقتی لحاظ سے درست ہو، لیکن حقیقی تفسیر، دوسری ہی تفسیر درست ہے۔ اس لیے کہ اس کے راوی حضرت علیؑ جیسی شخصیت ہیں۔ دوسرے یہ کہ دھوئیں سے قحط کا کوئی خاص تعلق بھی نظر نہیں آتا۔ (مؤلف)

ممکن ہے کہ کچھ آیات کا تعلق قحط سے ہو اور کچھ کا تعلق قیامت سے ہو۔

※ (تفہیم)

وَلَقَدۡ فَتَنَّا قَبۡلَهُمۡ قَوۡمَ فِرۡعَوۡنَ وَجَآءَهُمۡ رَسُولٌ كَرِيمٌ ۙ ﴿۱۷﴾

(۱۷) اِن سے پہلے ہم نے فرعون کی قوم کا امتحان لیا۔ اُن کے پاس ایک نہایت شریف اور محترم

www.drhasanrizvi.com

رسولؐ آیا۔

رسولِ کریم کریم کا لفظ جب کسی انسان کے لیے بولا جاتا ہے تو اس کا مطلب بہترین شریفانہ خصائل اور نہایت قابلِ تعریف صفات کا حامل ہونا ہوا کرتا ہے۔ معمولی سی خوبیوں کے لیے یہ لفظ نہیں بولا جاتا۔ ⁂ (مفردات امام راغب۔ لغات القرآن نعمانی۔ لسان العرب)

حضرت موسیٰؑ اخلاق و اوصاف کے اعتبار سے بھی کریم تھے، بلند مرتبہ ہونے کی حیثیت سے بھی کریم تھے۔ نسب کے لحاظ سے بھی کریم تھے ⁂ (تفسیر نمونہ)

امام راغب نے لکھا کہ کریم کا لفظ اگر خداوند عالم کی صفت کے طور پر استعمال ہو تو اس کا مطلب ظاہر بظاہر احسان و عطا کرنا ہوتا ہے، اگر کریم کا لفظ کسی انسان کے لیے استعمال ہوتا ہے تو اچھے اخلاق اور اچھے اعمال کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

⁂ (مفردات امام راغب)

اَنْ اَدُّوْٓا اِلَیَّ عِبَادَ (۱۸) (اس نے کہا) "اللہ کے اللّٰہِ ؕ اِنِّیْ لَکُمْ رَسُوْلٌ بندوں کو میرے حوالے کر دو۔ اَمِیْنٌ ﴿۱۸﴾ میں تمہارے لیے ایک امانتدار رسولؐ ہوں۔

www.drhasanrizvi.com

"اَدُّوۡۤا اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰہِ" (یعنی) اللہ کے بندوں کو میرے حوالے کرو۔

حضرت موسیٰؑ کا مطلب یہ تھا کہ بنی اسرائیل کو میرے ساتھ جانے کے لیے چھوڑ دو۔ یہ اللہ کے غلام ہیں تمہارے غلام نہیں ہیں۔

اس کا دوسرا ترجمہ حضرت ابن عباسؓ نے یوں فرمایا ہے کہ: "اللہ کے بندو! میرا حق ادا کرو" یعنی میری بات مانو۔ مجھ پر ایمان لاؤ۔ میری ہدایات پر عمل کرو۔ یہ تم پر خدا کا حق ہے اور میں خدا کا رسول ہوں۔

(تفسیر ابن عباس۔ تفسیر کبیر امام رازی)

رسولِ امین فرما کر حضرت موسیٰؑ سے یہ کہلوایا جا رہا ہے کہ اے کافرو! میں بھروسے کے قابل خدا کا پیغام لانے والا ہوں۔ میں خدا کے پیغام میں اپنی طرف سے کچھ ملا کر نہیں کہتا۔ وہی کہتا ہوں جو خدا کہتا ہے۔ میں اپنی مرضی کا قانون بنا کر خدا کی طرف منسوب کرنے والا نہیں ہوں۔ تم مجھ پر اعتماد کرو۔

دوسرے الفاظ میں حضرت موسیٰؑ یہ فرما رہے تھے کہ فرعونیو! تم میرے مقابلے پر سرکشی کر رہے ہو، اصل میں تم اللہ پر بگڑ رہے ہو۔ کیونکہ میں تو صرف خدا کا پیغام پہنچانے والا ہوں۔ اسی لیے میں نے خدا کے دیے ہوئے معجزے بطور سند تم کو دکھا دیے ہیں۔ سند سے مراد صرف ایک معجزہ نہیں ہے بلکہ وہ تمام معجزات ہیں جو حضرت موسیٰؑ نے فرعونیوں کو اوّل سے آخر تک دکھائے تھے۔

(تفسیر کبیر۔ مجمع البیان۔ تفسیر نمونہ۔ تفہیم)

وَّاَنۡ لَّا تَعۡلُوۡا عَلَی (۱۹) دیکھو اللہ کے مقابلے پر سرکشی

www.drhasanrizvi.com

اللّٰهِ ۚ اِنِّیۡۤ اٰتِیۡكُمۡ بِسُلۡطٰنٍ مُّبِیۡنٍ ۚ﴿۱۹﴾ نہ کرو۔ حقیقت یہ ہے کہ میں تمھارے سامنے ایک کھلی ہوئی واضح دلیل لارہا ہوں۔

وَاِنِّیۡ عُذۡتُ بِرَبِّیۡ وَ (۲۰) اور میں اپنے پالنے والے مالک
رَبِّكُمۡ اَنۡ تَرۡجُمُوۡنِ ﴿۲۰﴾ اور تمھارے پالنے والے مالک کی پناہ لے چکا ہوں، اس سے کہ تم مجھے پتھروں کا نشانہ بناؤ۔

عرفاء نے نتیجہ نکالا کہ خداوند عالم کے سامنے التجائیں کرتے رہنا اور اپنی قوت یا صلاحیتوں کے دعوے نہ کرنا عین اظہار عبدیت ہے۔ (تفسیر ماجدی)

وَاِنۡ لَّمۡ تُؤۡمِنُوۡا لِیۡ (۲۱) اگر تم میری بات کا یقین نہیں
فَاعۡتَزِلُوۡنِ ﴿۲۱﴾ کرتے تو مجھ سے الگ ہوجاؤ (یا) مجھ پر ہاتھ نہ ڈالو۔"

فقہاء نے نتیجہ نکالا کہ ایسے شخص سے قطع تعلق میں کوئی حرج نہیں ہے جس کی اصلاح کی اب کوئی امید باقی نہ رہے۔ (مرشد تھانوی)

www.drhasanrizvi.com

یہ اس زمانے کی بات ہے جب حضرت موسیٰؑ کی تابڑتوڑ تقاریر اور معجزات کو دیکھ کر فرعون کے ہوش اڑے جارہے تھے اس لیے وہ حضرت موسیٰؑ کے قتل پر اُتر آیا تھا۔ اس وقت حضرت موسیٰؑ نے فرمایا تھا: "میں نے تمھارے اور اپنے رب کی پناہ لے لی ہے ہر اس متکبّر سے جو حساب کے دن کو دل سے نہیں مانتا۔" اب یہاں پر حضرت موسیٰؑ، فرعون اور اس کے درباریوں سے فرمارہے ہیں کہ دیکھو میں نے تمھارے خلاف اپنے مالک سے پناہ لے لی ہے۔ اب تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ اگر اپنی خیریت چاہتے ہو تو مجھ پر حملہ نہ کرنا نہ مجھ پر ہاتھ ڈالنا ورنہ تمھارا حشر نشر ہوجائے گا۔

(تفسیر کبیر۔ مجمع البیان۔ تفہیم۔ تفسیر نمونہ)

مطلب یہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ فرعونیوں سے فرمارہے ہیں کہ: اگر تم مجھ پر ایمان نہیں لاتے تو کم سے کم اتنا تو کرو کہ مجھے چھوڑ دو اور دوسرے لوگوں کو ایمان لانے دو۔ یعنی اگر خود اچھا کام نہیں کرتے تو دوسروں کو تو اچھائی سے نہ روکو۔ اس لیے کہ پہلے تو یہی بات انسان کی بہت بڑی خرابی ہے کہ وہ اچھی بات کو نہ مانے مگر اس سے بڑی خرابی اور کیا ہوگی کہ وہ خود بھی اچھی باتوں کو نہ مانے اور دوسروں کو بھی اچھی باتوں کے ماننے سے روکے۔ اس لیے حضرت موسیٰؑ فرعونیوں سے فرمارہے ہیں کہ تمھاری خیریت اسی میں ہے کہ اگر تم حق کو نہیں مانتے ہو تو نہ مانو، دوسروں کو تو ماننے دو۔ اور میرے راستے میں روڑے تو نہ اٹکاؤ۔

(تفسیر نمونہ)

بُرائی کی انتہا حضرت موسیٰؑ یہ بات اُس وقت فرمارہے تھے جب حضرت موسیٰؑ کی تقاریر اور تابڑتوڑ معجزات سے ہر شخص دل میں مان چکا تھا کہ حضرت موسیٰؑ سچے انسان ہیں، خدا کے رسولؑ ہیں، حق بات

www.drhasanrizvi.com

فرما رہے ہیں۔ مگر فرعونی صرف تکبّر اور اپنے مفادات کی وجہ سے ان کی مخالفت کر رہے تھے۔ اب اُن سے کہا جا رہا ہے کہ احمقو! اگر تم سب کچھ سمجھ بوجھ کر بھی اپنے تکبّر اور مفادات کی وجہ سے حق کو ماننے کو تیار نہیں ہو تو کم سے کم اتنا تو کرو کہ میرے اور عوام کے درمیان سے ہٹ جاؤ۔ میرے کام میں روڑے نہ اٹکاؤ۔ اس طرح شاید تم اللہ کی سزا سے بچ جاؤ۔

مگر برا ہو تکبّر کا کہ فرعونی پھر بھی نہ مانے۔ یہ سرکشی کی انتہا ہوتی ہے کہ نہ میں خود مانوں گا نہ دوسروں کو ماننے دوں گا۔ جب انسان برائی کی اس حد پر پہنچ جاتا ہے تو پھر اس کا وہی انجام ہوتا ہے جو فرعونیوں کا ہوا کہ ان کو کچرے کی طرح اٹھا کر پھینک دیا جاتا ہے۔ "خس کم جہاں پاک"

(مؤلف) ⁂

فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنَّ هٰٓؤُلَآءِ (۲۲) (مگر وہ نہ مانے۔ آخرکار موسیٰؑ قَوْمٌ مُّجْرِمُوْنَ ۝۲۲ نے) اپنے پالنے والے مالک کو پکارا کہ: "یہ بڑے مجرم لوگ ہیں۔"

یہ حضرت موسیٰؑ کی آخری رپورٹ ہے جو انھوں نے اپنے مالک کے سامنے پیش فرمائی کہ اے مالک یہ فرعونی بڑے مجرم لوگ ہیں۔ ان کا مجرم ہونا قطعی ثابت ہو چکا ہے، اب اصلاحِ حال کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی ہے۔ اس لیے اب وقت آچکا ہے کہ آپ فیصلہ صادر فرما دیں۔

⁂ (تفسیر کبیر۔ تفہیم۔ مجمع البیان۔ الزار النجف)

www.drhasanrizvi.com

فَاَسۡرِ بِعِبَادِیۡ لَیۡلًا (۲۳) (ہم نے جواب دیا) "تم میرے

اِنَّکُمۡ مُّتَّبَعُوۡنَ ﴿۲۳﴾ بندوں کو لے کر راتوں رات

چل پڑو۔ یقیناً تمہارا پیچھا کیا جائے گا۔

حضرت موسیٰؑ کی دعا پر خداوند عالم نے حضرت موسیٰؑ سے فرمایا بس اب صبح کو فرعونیوں کا حشر نشر کر دیا جائے گا۔ آپ راتوں رات میرے بندوں کو لے کر چل پڑیں۔ یہاں میرے بندوں سے مراد بنی اسرائیل بھی ہیں اور وہ قبطی باشندے بھی ہیں جو حضرت یوسفؑ کے زمانے سے لے کر حضرت موسیٰؑ پر ایمان لا کر مسلمان ہو چکے تھے اور وہ فرعونی بھی کہ جو حضرت موسیٰؑ کے معجزات و تقاریر سن کر ان پر ایمان لائے تھے۔ بغرض یہ پہلا ابتدائی حکم ہجرت تھا جو حضرت موسیٰؑ کو دیا گیا۔

(تفسیر کبیر۔ تفہیم۔ مجمع البیان)

وَاتۡرُكِ الۡبَحۡرَ رَهۡوًا ؕ (۲۴) مگر تم سمندر کو اس حالت

اِنَّهُمۡ جُنۡدٌ مُّغۡرَقُوۡنَ ﴿۲۴﴾ میں کہ وہ سوکھ چکا ہو گا چھوڑ

دینا۔ بے شک یہ (سارے کا سارا) لشکر ڈوبنے والا ہے۔"

یہ حکم اس وقت آیا جب حضرت موسیٰؑ اپنے قافلے کو لے کر سمندر پار کر چکے تھے اور چاہتے تھے کہ عصا مار کر سمندر کی الگ الگ لہروں کو پھر ملا دیں تاکہ فرعون ان راستوں سے نہ گزر سکے اس

www.drhasanrizvi.com

وقت خداوند عالم نے موسیٰؑ سے فرمایا کہ ایسا نہ کریں۔ سمندر کو پھٹا ہوا رہنے دیں۔ تاکہ فرعون اور اس کا پورا لشکر ان راستوں میں اُتر آئے۔ پھر ہم سمندر کی لہروں کو ملا کر اس کو سمندر میں غرق کر دیں گے۔ خس کم جہاں پاک۔

(تفسیر کبیر۔ تفہیم۔ مجمع البیان)

كَمْ تَرَكُوا مِن جَنّٰتٍ وَّعُيُونٍ ﴿٢٥﴾ وہ کتنے ہی سرسبز و شاداب گھنے باغ اور چشمے چھوڑ گئے،

وَّزُرُوعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيمٍ ﴿٢٦﴾ کتنے کھیت، شاندار محلات اور بڑے بڑے عمدہ مقامات،

حضرت علیؑ مدائن سے گزر رہے تھے کہ آپؑ کا گزر کسریٰ (یعنی نوشیرواں اور ساسانی بادشاہوں) کے محلات سے ہوا۔ آپؑ کے کسی ساتھی نے یہ شعر پڑھا:

جرت الریاح علی رسوم دیارھم
فکانھم کانوا علی میعاد

"ان کے آثار پر ہوائیں چلنے لگیں (یعنی ان کے محلات میں سوائے ہواؤں کی سنسناہٹ کے کچھ سنائی نہیں دیتا) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان سب کے لیے کوئی وعدہ گاہ تھی جس طرف وہ روانہ ہو چکے۔"

www.drhasanrizvi.com

حضرت علیؑ نے یہ شعر سن کر فرمایا کہ اس شعر کے بجائے تم نے یہ آیات کیوں نہ پڑھیں :

"کم ترکوا .... منظرین ۔" (آیت ۲۵ تا ۲۹)

" وہ لوگ کتنے باغات اور چشمے چھوڑ گئے ۔ کتنی کھیتیاں ، خوبصورت قیمتی محلات چھوڑ گئے اور دوسری بہت سی نعمتیں بھی چھوڑ گئے جن میں وہ عیش کیا کرتے تھے ۔ یہ تھا ان کا قصہ ۔ پھر ہم نے ان کی تمام چیزوں کا دوسروں کو وارث مالک بنا دیا ۔ نہ آسمان ہی ان پر رویا نہ زمین ۔ اور پھر نہ انہیں مہلت ہی دی گئی ۔"

وَّ نَعۡمَةٍ كَانُوۡا فِيۡهَا فٰكِهِيۡنَ ﴿۲۷﴾ (۲۷) اور اسی طرح کے کتنے آرام و آسائش کے سامان، جن میں وہ بڑے خوش خوش مزے اڑا رہے تھے، (چھوڑ گئے)

كَذٰلِكَ ۚ وَاَوۡرَثۡنٰهَا قَوۡمًا اٰخَرِيۡنَ ﴿۲۸﴾ (۲۸) یہ ہوا اُن کا انجام ۔ پھر ہم نے دوسری قوم کو اُن چیزوں کا مالک بنا دیا ۔

حسن بصری کے نزدیک کچھ بنی اسرائیل کے لوگ مصر میں رہ گئے تھے جو فرعونیوں کے محلات

www.drhasanrizvi.com

کے وارث بنے۔

قتادہ کہتے ہیں کہ مصر کی زمین کے وارث فرعون کے بعد وہ لوگ ہوئے جو بعد میں مصر میں آباد ہوئے۔ کیونکہ تاریخوں میں کہیں ذکر نہیں ملتا کہ بنی اسرائیل مصر سے نکلنے کے بعد کبھی مصر واپس گئے ہوں۔ ❊ (تفسیر کبیر۔ مجمع البیان۔ تفہیم)

فَمَا بَکَتۡ عَلَیۡهِمُ (۲۹) نہ تو آسمان ہی اُن پر رویا
السَّمَآءُ وَالۡاَرۡضُ وَمَا اور نہ زمین۔ (مر گئے مردودؔ
کَانُوۡا مُنۡظَرِیۡنَ ۲۹ ع جن کی فاتحہ نہ درود) اور نہ
ہی اُن کو کوئی مہلت ہی دی گئی۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ جب تک فرعون والے بادشاہ تھے ان کی عظمت کے ڈنکے چار دانگ عالم میں بج رہے تھے۔ اب جو خدا کی معصیت کرتے غرق سمندر ہوئے تو کوئی آنکھ ان کو رونے کے لیے تیار نہ تھی۔ بلکہ دنیا والوں نے ان کے غرق ہونے پر سکون واطمینان کا سانس لیا۔ کہ گویا ایک کانٹا تھا جو نکل گیا۔ کیونکہ انھوں نے خلق خدا کے ساتھ کوئی بھلائی کی ہوتی تو خلق خدا ان کے لیے روتی اگر انھوں نے خدا کی خوشی کے لیے کچھ کیا ہوتا تو زمین وآسمان ان پر روتے مگر نہ انھوں نے خلق خدا کی خدمت کی نہ خداوند عالم کی اطاعت وعبادت کی اسی لیے اس دنیا سے اٹھا کر اس طرح پھینک دئے گئے جیسے کسی گھر سے کوڑا کرکٹ نکال کر پھینک دیا جاتا ہے۔ ❊ (تفسیر کبیر۔ مجمع البیان۔ تفہیم)

www.drhasanrizvi.com

اس آیت سے معلوم ہوا کہ زمین اور آسمان کفار پر نہیں روتے لیکن مومنین پر روتے ہیں۔

مومنین کے لیے زمین کے وہ ٹکڑے مرنے کے بعد روتے ہیں جن پر وہ نمازیں پڑھتے تھے اور آسمان کے وہ حصے روتے ہیں جہاں سے ان کے اعمال (اور دعائیں) بلند ہوتی تھیں۔" (الحدیث)

⁂ (تفسیر جلالین۔ ترمذی شریف۔ تفسیر روح المعانی)

حضرت علیؑ کے سامنے سے ایک شخص گزرا جو خدا اور رسولؐ کا دشمن تھا۔ آپؑ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔ پھر امام حسینؑ آپؑ کے سامنے سے گزرے تو حضرت علیؑ نے فرمایا: "یہ وہ شخص ہے کہ جس پر آسمان اور زمین ضرور روئیں گے جس طرح حضرت یحییٰؑ بن زکریاؑ پر روئے تھے۔"

⁂ (تفسیر صافی۔ تفسیر قمی)

"امام حسینؑ کی شہادت پر زمین اور آسمان دونوں نے گریہ کیا۔"

⁂ (تفسیر تبیان۔ تفسیر علی ابن ابراہیم۔ مجمع البیان)

جب امام حسینؑ کو شہید کیا گیا تھا تو زمین آسمان روتے تھے۔ اس طرح کہ ایک خاص قسم کی سُرخی سورج کے طلوع اور غروب کے وقت ظاہر ہوتی تھی۔ امام صادقؑ نے فرمایا۔

"جب حسینؑ ابن علیؑ کو شہید کر دیا گیا تو آسمان نے آپؑ پر گریہ کیا اور یہ رونا ایک خاص قسم کی سرخی کی صورت میں تھا جو آسمان کے کناروں پر ظاہر ہوا کرتی تھی۔"

امامؑ نے مزید فرمایا: "آسمان یحییٰؑ بن زکریاؑ اور حسینؑ ابن علیؑ پر ۴۰ دن روتا رہا۔" راوی نے پوچھا: کس طرح؟ امامؑ نے فرمایا: "سورج کے طلوع و غروب کے وقت ایک خاص سرخی آسمان پر ظاہر ہوا کرتی تھی۔"

⁂ (تفسیر مجمع البیان۔ جلد ۹)

www.drhasanrizvi.com

جناب رسولِ خدا نے فرمایا: "کوئی مومن ایسا نہیں ہے جس کے لیے آسمان میں ایک دروازہ نہ ہو جس سے اس کے اعمال اُوپر جاتے ہیں۔ اور ایک دروازہ ایسا ہے جس سے اس کا رزق اترتا ہے جب مومن مرجاتا ہے تو یہ دونوں دروازے اس پر روتے ہیں۔"

(تفسیر مجمع البیان۔ جلد ۹)

ان روایات میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ حضرت یحییٰؑ اور حضرت امام حسینؑ پر سارے کے سارے آسمانوں نے گریہ کیا تھا۔ جبکہ مومن کے مرنے پر آسمانوں کے خاص دو دروازے گریہ کرتے ہیں۔

(تفسیر نمونہ)

وَلَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ (۳۰) غرض ہم نے بنی اسرائیل کو بڑی مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِينِ ﴿۳۰﴾ ذلّت کے عذاب سے نجات دی۔

مِن فِرْعَوْنَ ۚ إِنَّهُۥ كَانَ (۳۱) (یعنی) فرعون سے۔ واقعاً وہ عَالِيًا مِّنَ الْمُسْرِفِينَ ﴿۳۱﴾ حد سے گزر جانے والوں میں اُونچے درجے کا سرکش (انسان) تھا۔

یہ ایک لطیف طنز ہے کفارِ قریش کے سرداروں پر کہ تم خود دیکھ لو کہ فرعون جو عالی طاقت تھا اور اپنی خدائی کے ڈنکے بجا رہا تھا، ہم نے اس کو انکارِ حق اور سرکشی کی وجہ سے خس و خاشاک کی طرح بہا دیا۔ تم سوچ لو تمہاری حیثیت ہی کیا ہے؟ "چہ پدّی چہ پدّی کا شوربا" تم تدبر الٰہی

www.drhasanrizvi.com

کے سامنے کیا ٹھہر سکو گے؟ ٭ (تفسیر کبیر۔ مجمع البیان۔ تفہیم)

وَلَقَدِ اخۡتَرۡنٰهُمۡ عَلٰی عِلۡمٍ (۳۲) ہم نے پوری واقفیت رکھتے

عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۳۲﴾ ہوئے (یا) بنی اسرائیل کی

حالت کو خوب جانتے ہوئے، اُن کو تمام دُنیا کے مقابلے میں ترجیح دی

مطلب یہ ہے کہ بنی اسرائیل کی تمام خوبیاں، کمزوریاں ہم کو معلوم تھیں اس لیے ہم نے ان کا انتخاب بے دیکھے اندھا دھند نہیں کیا۔ اس وقت دنیا میں جتنی قومیں تھیں ان سب کو چھوڑ کر ہم نے بنی اسرائیل ہی کو اس قابل سمجھا کہ یہ قوم توحید کی علمبردار رہے۔ کیونکہ اس وقت کی موجود قوموں میں بنی اسرائیل ہی اس پیغام توحید کے لیے موزوں تھے۔

٭ (تفسیر کبیر۔ تفہیم۔ تفسیر نمونہ۔ مجمع البیان)

وَاٰتَیۡنٰهُمۡ مِّنَ الۡاٰیٰتِ مَا (۳۳) پھر ہم نے اُنھیں اپنی قدرت کی

فِیۡهِ بَلٰٓؤٌا مُّبِیۡنٌ ﴿۳۳﴾ وہ نشانیاں دکھائیں جن میں

کھلی ہوئی آزمائش یا امتحان تھا۔

خداوند عالم نے کبھی سینا کے لق ودق صحراؤں میں، کبھی تیہ کی گرم تپتی وادیوں میں بنی اسرائیل کے سروں پر بادلوں کا سایہ کیا۔ کبھی ان پر من وسلویٰ اتارا، کبھی سخت گرم پتھروں میں سے پانی کے

www.drhasanrizvi.com

چشمے جاری کیے۔ دوسری قسم قسم کی نعمتیں عطا کیں ۔ فرعونیوں سے نجات دی ۔ شہر کے شہر فتح کرا دیے۔ پھر رسول بھیجے، کتاب بھیجی ۔ یعنی مادی و روحانی تمام قسم کی نعمتیں ان کو عطا کیں مگر ان احمقوں نے شکر کر کے نہ دیا۔ ہمیشہ اعتراضات ہی کرتے رہے ۔ جیسا کہ خود خداوند عالم نے کتنا سچ فرمایا۔

" ہم نے بنی اسرائیل کو نعمتوں کے ذریعے آزمایا (کہ وہ ان کی قدر کرتے ہیں یا نہیں) تاکہ شاید اس طرح وہ غلط راستے سے رک جائیں۔"

(سورہ اعراف ۷ ۔ آیت ۱۶۸ ، پ ۹)

اب مسلمان بھی ذرا سوچ لیں کہ خدا نے ان کو کس قدر نعمتیں عطا فرمائیں ۔ محمد مصطفیٰؐ جیسا رسولؐ، قرآن جیسی کتاب، پھر حکومت، دولت، عزت، علم، ہدایت، مال، اقتدار ۔ پھر اپنے گریبانوں میں منہ ڈال کر دیکھیں کہ ہم نے خدا کی ان نعمتوں کو کس طرح استعمال کیا ؟

پیغام اصل میں بتانا مقصود یہ ہے کہ خدا کی عطائیں، بخششیں اصل میں خدا کا امتحان ہوا کرتی ہیں خدا دنیا میں کبھی نعمتیں دے کر ہمارا امتحان لیتا ہے، کبھی نعمتیں چھین کر۔ نعمتیں دے کر شکر کا امتحان ہوتا ہے اور نعمتیں چھین کر صبر کا امتحان لیا جاتا ہے۔ جب نعمتیں ملیں تو دل سے شکر ادا کرنا چاہیے اور خدا کی عطاؤں کو خدا کی مرضی کے مطابق استعمال کرنا چاہیے۔ کفرِ نعمت، حرص و ہوس، کبر و نخوت اور حرام عیاشیوں سے بچنا چاہیے (تفسیر نمونہ)

ظفر آدمی اس کو نہ جانیے گا، ہو وہ کیسا ہی صاحبِ فہم و ذکا
جسے عیش میں یادِ خدا نہ رہی، جسے طیش میں خوفِ خدا نہ رہا
(بہادر شاہ ظفر)

www.drhasanrizvi.com

اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَیَقُوْلُوْنَ ﴿۳۴﴾ (۳۴) حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ کہتے ہیں۔

اِنْ هِیَ اِلَّا مَوْتَتُنَا (۳۵) کہ "ہماری پہلی دفعہ کی موت
الْاُوْلٰی وَمَا نَحْنُ کے سوا کچھ نہیں ہے۔ ہم دوبارہ
بِمُنْشَرِیْنَ ﴿۳۵﴾ زندہ نہیں کیے جائیں گے۔"

منکرین حق کا مطلب یہ تھا کہ بس ہم مرے اور قصّہ ختم ہوا۔ مرنے کے بعد سب کہانی ختم ہو جاتی ہے۔ پھر نہ حیات بعد الموت ہے نہ مر کر دوبارہ زندہ ہونا ہے نہ حساب کتاب ہے، نہ جنّت نہ جہنّم۔ ☼ (تفسیر نمونہ)

ہم کو معلوم ہے جنّت کی حقیقت لیکن
دل کے بہلانے کو غالب یہ خیال اچھا ہے

فَاْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ اِنْ (۳۶) اچھا اگر تم سچے ہو تو ہمارے
کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۳۶﴾ باپ داداؤں کو اٹھا لاؤ۔

شانِ نزول: یہ باتیں ابو جہل کیا کرتا تھا۔ کیونکہ اس احمق کو یہ خیال تھا کہ وہ بہت بڑا

www.drhasanrizvi.com

عالم اور سردار ہے اس نے جناب رسولِ خدا سے یہ کہا تھا کہ : "اگر تو سچ کہتا ہے تو اپنے دادا قصیٰ بن کلاب کو زندہ کر۔ کیونکہ وہ ایک سچے انسان تھے تاکہ ہم اُن سے مرنے کے بعد کے حالات دریافت کریں۔

❊ (تفسیر مجمع البیان)

قرآن نے خود ان باتوں کو یوں بیان فرمایا ہے :

"اس دنیا کی زندگی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ بس یہاں کچھ لوگ مرجاتے ہیں اور کچھ پیدا ہو جاتے ہیں (کل کہانی بس اتنی ہی سی ہے) ہمیں فطرت (طبیعت) موت دیتی ہے۔ (اللہ وغیرہ کچھ نہیں ہے)"

❊ (سورۂ جاثیہ ۴۵۔ آیت ۲۴۔ پ ۲۵)

پھر وہ کہتے تھے : "ان گلی سڑی ہڈیوں کو بھلا کون زندہ کرے گا؟"

❊ (سورۂ یاسین ۳۶۔ آیت ۷۸۔ پ ۲۳)

جواب

حیات بعد الموت کا ذکر سن کر یہ کہنا کہ اچھا اگر تم سچے ہو تو ہمارے باپ دادا کو زندہ کرلاؤ' سراسر دھاندلی ہے۔ اس لیے کہ مُردوں کو زندہ کرنا کوئی بطور شعبدہ بازی' جادوگری یا تفریح کے نہ ہوگا وہ تو جزا و سزا کے لیے ہوگا۔ اس لیے جب جزا و سزا دینے کا وقت آئے گا تب مُردوں کو زندہ کیا جائے گا۔ ان کا یہ سوال سراسر خالص جہالت پر مبنی تھا۔ اس لیے کہ اس کا کہنے والا ابوجہل تھا۔

❊ (مجمع البیان)

اسی لیے خدا نے اس سوال پر پچھلی قوموں کا بُرا انجام یاد دلایا اور انھیں عذاب الٰہی سے بھی ڈرایا کہ انکار آخرت کی وجہ سے تم خدا کے عذاب کے مستحق ہو جاؤ گے۔

❊ (تفسیر تبیان۔ فصل الخطاب)

کفار عرب کہتے تھے کہ ہم نے تو کسی کو مرنے کے بعد اٹھتے ہوئے نہیں دیکھا۔ پھر ہم کیسے

www.drhasanrizvi.com

مان لیں کہ ہم مرنے کھپنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جائیں گے؟ اے محمدؐ! اگر آپ اپنے اس وعدے میں سچے ہیں کہ ہم کو ایک دن ضرور قبروں سے اٹھا کر نکالا جائے گا تو پھر آپؐ ہمارے باپ دادا کو اٹھا کر لا کر دکھاؤ۔ تاکہ ہمیں مرنے کے بعد زندہ ہونے کا یقین آجائے۔ ان کی یہ دلیل غلط تھی۔ اس لیے کہ خدا رسولؐ نے کبھی یہ نہیں کہا تھا کہ اسی دنیا میں زندہ ہو کر لائے جاؤ گے اور نہ جناب رسولِ خداؐ نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ میں مُردوں کو زندہ کردوں گا۔ رہا مُردوں کا زندہ ہونا تو وہ خدا کی لامحدود قدرت کے سامنے ایک بہت معمولی سا کام ہے۔

(تفسیر کبیر۔ مجمع البیان۔ تفہیم)

مگر بعض عرب روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کچھ عرب بقائے روح کے بھی قائل تھے غالباً تناسخ کے طور پر یا نئے بدنوں میں روح کے منتقل ہونے کے قائل تھے۔

"ھامہ" ایک پرندے کے بارے میں عربوں کا عقیدہ تھا کہ اس میں انسان کی روح مرنے کے بعد چلی جاتی ہے اور مرنے کے بعد آدمی کا جسم قبر سے باہر آکر وحشتناک صورت میں چکر لگانا شروع کردیتا ہے۔

ھامہ پرندہ پہلے چھوٹا ہوتا ہے پھر بڑا ہوتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ الّو جتنا ہو جاتا ہے۔ ہمیشہ تنہائیوں میں رہتا ہے۔ زیادہ تر پرانے کھنڈرات، خالی گھروں، قبروں اور قتل گاہوں میں ملتا ہے۔ اگر کوئی آدمی قتل ہو جاتا ہے تو یہ پرندہ اس کی قبر پر بیٹھ کر فریاد کرتا رہتا ہے کہ "مجھے پانی پلاؤ میں بہت پیاسا ہوں۔"

اسلام نے ان تمام خرافات اور اوہام کو رد کردیا۔ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا:

www.drhasanrizvi.com

" لا ھامۃ۔" ھامہ کچھ نہیں۔ یہ سب بکواس ہے۔

❊ (بلوغ الادب، جلد ۲)

مگر یہ طے ہے کہ عرب جسمانی معاد کے منکر تھے۔ یعنی یہ نہیں مانتے تھے کہ انسان کی مٹی دوبارہ اکٹھی کی جائے گی اور پھر نئی زندگی کا آغاز ہوگا جہاں روح اور جسم پھر مل جائیں گے۔ اس عقیدے کا انکار بھی کرتے تھے اور اس سے ڈرتے بھی تھے کہ کہیں انھیں اس طرح ان کی بدمعاشیوں کی سزا نہ بھگتنی پڑ جائے۔

❊ (تفسیر نمونہ)

اَهُمۡ خَيۡرٌ اَمۡ قَوۡمُ تُبَّعٍ ۙ وَّالَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ ؕ اَهۡلَكۡنٰهُمۡ ۚ اِنَّهُمۡ كَانُوۡا مُجۡرِمِيۡنَ ﴿۳۷﴾

(۳۷) کیا یہ (مادی ترقی کے اعتبار سے) بہتر ہیں یا "تبع" کی قوم؟ یا وہ جو اُن سے بھی پہلے تھے؟ ہم نے اُن کا اِسی لیے تیا پانچا کر ڈالا کہ وہ مجرم گناہ گار ہو گئے تھے۔

قبیلۂ حمیر کے بادشاہوں کا لقب تبع تھا۔ جس طرح فرعون، کسریٰ، قیصر بادشاہوں کے القاب تھے اسی طرح تبع ان بادشاہوں کا لقب تھا جو قوم سبا کی ایک شاخ سے تھے۔ اور ۱۱۵ قبل مسیح سے ۳۰۰ء تک سبا کے ملک پر حکمراں رہے۔ عرب میں صدیوں ان کی شان میں قصیدے پڑھے گئے۔ ان کو خداوند عالم نے ان کی نافرمانی کی وجہ سے تہس نہس فرما

www.drhasanrizvi.com

دیا تھا۔ پھر اے سردارانِ قریش تم کس کھیت کی مولی ہو کر خدا کے عذاب سے بچ سکو گے۔

(تفسیر کبیر، مجمع البیان، تفہیم، تفسیر نمونہ)

"تبّع" کا اصلی نام اسعد ابوکرب تھا۔ بعض مفسرین کا خیال ہے کہ وہ صاحب ایمان شخص تھا کیونکہ جناب رسولِ خدا نے فرمایا تھا کہ: "تبّع کو بُرا بھلا مت کہو، کیونکہ وہ خود ایمان لاچکا تھا۔"

(تفسیر مجمع البیان جلد ۹۔ تفسیر درمنثور۔ تفسیر روح المعانی جلد ۲۵)

تبّع نے اوس وخزرج قبیلوں سے کہا تھا کہ "تم مدینے ہی میں رہ جاؤ۔ یہاں تک کہ پیغمبر ظاہر ہو جائے۔ اگر مجھے اس کا زمانہ ملتا تو میں اس پیغمبر کی پوری پوری خدمت کرتا اور ان کے ساتھ مل کر کام کرتا۔"

(تفسیر مجمع البیان)

ایک روایت میں یہ بھی لکھا ہے کہ جب تبّع نے مدینہ کو فتح کیا تو اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ میں اس شہر کو بالکل برباد کر دینا چاہتا ہوں۔ تاکہ کوئی یہودی یہاں نہ رہے۔ اس زمانے میں ایک بڑا یہودی عالم شامول تھا۔ اس نے تبّع سے کہا کہ اے بادشاہ! یہ مدینہ وہ شہر ہے کہ حضرت اسمٰعیلؑ کی نسل سے پیدا ہونے والا ایک پیغمبر یہاں ہجرت کر کے تشریف لائے گا۔ پھر اس نے ان کی کچھ صفات بیان کیں۔ یہ سن کر تبع نے کہا: "پھر میں اس شہر کو ویران نہ کروں گا"

(تفسیر روح المعانی۔ جلد ۲۵)

اوس وخزرج کے قبائل اس کے ساتھ تھے۔ اس نے ان کو حکم دیا کہ تم مدینہ میں آباد ہو جاؤ اور جب وہ پیغمبر تشریف لائیں تو ان کی مدد کرنا اور اپنی اولادوں کو اس بات کی وصیت کرتے رہنا۔

(تفسیر نمونہ)

www.drhasanrizvi.com

وَمَا خَلَقۡنَا السَّمٰوٰتِ (۳۸) (کیونکہ) ہم نے اِن آسمانوں
وَالۡاَرۡضَ وَمَا بَیۡنَہُمَا اور زمین کو، اور اُن کے
لٰعِبِیۡنَ ﴿۳۸﴾ درمیان کی تمام چیزوں کو،
بے کار یا کھیل کے طور پر نہیں
بنایا۔

مَا خَلَقۡنٰہُمَاۤ اِلَّا (۳۹) ہم نے اُن کو برحق اور بامقصد
بِالۡحَقِّ وَلٰکِنَّ اَکۡثَرَہُمۡ پیدا کیا ہے۔ مگر اکثر لوگ
لَا یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۳۹﴾ (یہ بات) نہیں جانتے۔

جو لوگ آخرت کی زندگی کے منکر ہیں ان کو جواب دیا جا رہا ہے کہ ہم نے اس دُنیا کو، کارخانۂ عالم کو کھلونے کے طور پر نہیں بنایا۔ خداوند عالم کوئی نادان بچہ نہیں ہے (معاذ اللہ) اگر آخرت کی زندگی نہیں ہے تو پھر اس دنیا کو پیدا کرنے کا مقصد کیا تھا ؟

(تفسیر کبیر۔ مجمع البیان۔ تفہیم۔ تفسیر نمونہ)

اِنَّ یَوۡمَ الۡفَصۡلِ مِیۡقَاتُہُمۡ (۴۰) حقیقت یہ ہے کہ اُن سب کے

www.drhasanrizvi.com

اَجۡمَعِیۡنَ ﴿۴۰﴾ فیصلے کا دن ایک مقرّر اور معیّن وقت ہے۔

یہ آیت منکرینِ آخرت کی اس فرمائش کا جواب ہے کہ انھوں نے کہا تھا: "اُٹھا لاؤ ہمارے باپ دادا کو اگر تم سچے ہو۔" ان کو بتایا جارہا ہے کہ مُردوں کو قبروں سے اٹھانا کوئی کھیل تماشا نہیں ہے کہ جب تم کہو مُردوں کو اُٹھا کر لا کھڑا کیا جائے۔ اس کام کے لیے خداوند عالم نے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے۔ اس وقت خداوند عالم تمام اولین و آخرین کو جمع کرے گا۔ تم مانو نہ مانو مگر یہ کام اپنے وقت پر ہو کر رہے گا۔ ہاں اگر تم اس بات کو مان لوگے تو سیدھے ہو جاؤ گے۔ اس طرح تم خود اپنا فائدہ کروگے۔ اگر نہ مانو گے تو خود اپنی تباہی کا سامان کروگے۔ کیونکہ اگر آخرت کو نہ مانو گے تو اپنی ساری توانائیاں اور اوقات صرف اور صرف دنیا کی دولت کمانے میں کھپا دوگے۔ آخرت کے لیے کچھ نہ کروگے۔ حرام حلال کا فرق تمھاری نظر میں باقی نہ رہے گا۔ انجام یہ ہوگا کہ اپنی عاقبت خود تباہ کروگے۔ اب تم جانو تمھارا کام جانے۔ ✻ (تفسیر کبیر۔ تفہیم۔ مجمع البیان۔ تفسیر نمونہ)

یَوۡمَ لَا یُغۡنِیۡ مَوۡلًی ﴿۴۱﴾ جس دن کوئی دوست کسی
عَنۡ مَّوۡلًی شَیۡـًٔا وَّلَا دوست کو کوئی فائدہ نہ پہنچا
ہُمۡ یُنۡصَرُوۡنَ ﴿۴۱﴾ سکے گا، اور نہ ہی اُن کی کوئی

www.drhasanrizvi.com

مدد ہو گی۔

اس فیصلے کے دن کوئی دوست کسی دوست کو کوئی فائدہ نہ پہنچا سکے گا۔ مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں کی دوستی صرف مادی، دُنیوی فائدوں پر مبنی ہے، وہ کچھ کام نہ آئے گی۔ لیکن وہ محبت جو حکم خدا پر ہو، وہ بھی بطور اجر رسالت، وہ یقینی طور پر فائدہ پہنچائے گی۔

(تفسیر علی ابن ابراہیم)

جنابِ رسولِ خدا نے فرمایا:

"جو آلِ محمدؐ کی محبت پر مرا، وہ شہید مرا۔ جو آلِ محمدؐ کی محبت پر مرا، وہ تائب مرا۔ جو آلِ محمدؐ کی محبت پر مرا، وہ مغفور مرا۔" (تفسیر کبیر۔ تفسیر کشاف)

حتیٰ یہ کہ مومنین کی آپس کی وہ محبت جو خدا کے حکم کی بنا پر، ایمان کی بنیاد پر ہو گی وہ بھی آخرت میں فائدہ پہنچائے گی۔ (الکافی)

مولیٰ کا لفظ عربی میں عام طور پر ایسے شخص کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جو کسی تعلق کی بنا پر کسی دوسرے آدمی کی مدد کرے۔ چاہے اس سے رشتہ داری کا تعلق ہو یا دوستی کا۔

اس کے علاوہ عربی لغت میں مولیٰ کے ۲۷ معنی ہیں:

رب، چچا، چچازاد بھائی، بیٹا، بھانجا، آزاد کرنے والا، آزاد ہونے والا، غلام، مالک، تابع، جس کو نعمت مل چکی ہو، شریک، ہم پیمان، دوست، ہمسایہ، مہمان، داماد، قریبی رشتہ دار، نعمت عطا کرنے والا، ضائع ہونے والا، سرپرست، زیادہ مناسب، آقا،

www.drhasanrizvi.com

دوست رکھنے والا ، مددگار ، اولیٰ بالتصرف ، متولی ۔

(مفردات القرآن ۔ لسان العرب ۔ لغات القرآن ۔ تفہیم ۔ الغدیر جلد ۱)

اِلَّا مَنۡ رَّحِمَ اللّٰہُ ؕ اِنَّہٗ (۴۲) سوا اس کے کہ اللہ ہی کسی
هُوَ الۡعَزِیۡزُ الرَّحِیۡمُ ﴿۴۲﴾ پر رحم کرے ۔ حقیقتاً وہ تو زبردست ۲ ع ۱۵/۱۳
طاقت اور عزت والا بھی ہے اور (خاص کر مومنین پر تو بےحد
مسلسل رحم کرنے والا بھی ۔

جو شخص اولیاء خدا کے سوا دوسروں کو دنیوی مقاصد کے لیے دوست رکھے گا وہ دوستیاں کام نہ آئیں گی ۔ پھر ان لوگوں کو مستثنیٰ کر دیا جو محمدؐ و آلِ محمدؐ سے محبت کرنے والے ہیں یہ کہہ کر کہ "سوائے اس کے جس پر اللہ رحم فرمائے ۔" (تفسیر صافی ۔ تفسیر قمی)

غرض خدا کی اسی خاص رحمت کا اثر یہ ہوگا کہ ان کی شفاعت کے ذریعے نجات ملے گی جب شفاعت کرنے کی اجازت خدا عطا فرمائے گا ۔ (القرآن المبین ۔ امداد علی کاظمی)

آیت کا پیغام یہ ہے کہ قیامت کے دن خدا کی مرضی یا رحم کرنے کے بغیر کوئی کسی کو نہ چھڑا سکے گا نہ کسی کی سزا کم کرا سکے گا ۔ تمام کے تمام اختیارات خداوند عالم کے ہاتھ میں ہوں گے ۔ اس کے فیصلوں کو نافذ ہونے سے کوئی روک ٹوک نہ سکے گا ۔ صرف خداوند عالم جس کو چاہے گا معاف فرمائے گا اور جس کی سزا چاہے گا کم فرمائے گا ۔ البتہ خداوند عالم کی شان بے رحمی کرنا نہیں ہے ۔ بلکہ وہ یقیناً رحم سے کام لے گا ۔ اس

www.drhasanrizvi.com

کی شایان شان یہی ہے کہ وہ رحم سے کام لے۔

ظاہر ہے کہ خدا کی رحمت مومنین کے لیے ہوگی۔ پھر صالح اعمال بجالانے والوں کے لیے خاص ہوگی۔ پھر ایسے لوگوں کے لیے ہوگی جو نیک عمل تھے اور غلطیاں بھی کرتے تھے۔ مگر اتنی بڑی غلطیاں نہیں کرتے تھے کہ خدا سے ان کے تمام تر تعلقات ہی ختم ہو جائیں۔ جیسے شرک، کفر، بغاوت، سرکشی، اللہ کی آیتوں کی تکذیب یا ان کا مذاق اڑانا، قتل، زناکاری، یتیموں کا مال کھانا، سود کھانا، شریف عورتوں کو بدنام کرنا، مالی خیانتیں، دل آزاریاں، لوگوں کو ستانا، فتنہ فساد برپا کرنا، وغیرہ

☼ (مؤلف)

اسی آیت سے محققین نے نتیجہ نکالا کہ کاملین اپنے دوستوں، مددگاروں، پیروکاروں کی شفاعت کریں گے۔ البتہ شفاعت خدا کی اجازت سے ممکن ہوگی۔ ☼ (تفسیر نمونہ)

ملاحظہ فرمائیں کہ خدا نے اپنی صفت عزیز کو رحیم کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ عزیز اس لیے ہے کہ وہ ہر چیز پر غالب ہے مگر اس قدر لامحدود قدرت کے باوجود بے حد رحم کرنے والا بھی ہے مطلب یہ ہے کہ کسی میں مجال نہیں ہے کہ اس کی طاقت اور غلبہ کے مقابلہ کا تصور بھی کر سکے۔ مگر ہاں، اسی کی رحمت سے توقعات باندھی جا سکتی ہیں۔ جیسا کہ فرمایا: اللہ کی سزا سے بھاگو، اللہ کی رحمت کی طرف۔

☼ (مؤلف)

ہیں گنہ گار سیہ کار خطا کار مگر
کس کو بخشے تری رحمت جو گنہ گار نہ ہو؟

www.drhasanrizvi.com

امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ خداوند عالم کا فرمانا: "اِلَّا مَنْ رَّحِمَ اللّٰهُ ۔" (یعنی) "سوا اُن کے جن پر خدا رحم فرمائے ۔" ان لوگوں سے اوّلین مراد جناب رسولِ خداؐ حضرت علیؑ اور ان کی پیروی کرنے والے ہیں۔" ☼ (تفسیر نور الثقلین۔ جلد ۴)

ظاہر ہے کہ ایسی روایات کا مطلب یہ ہے کہ یہ حضرات اس استثنٰی کے اولین مصداق ہیں۔ ☼ (تفسیر نمونہ)

اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ ﴿۴۳﴾ (۴۳) حقیقت یہ ہے کہ "زقّوم" (یعنی) تھوہڑ کا کڑوا زہریلا کانٹے دار درخت ۔

صوفیاء کرام کے نزدیک زقّوم کا درخت اصل میں حرص اور شدید حبِّ دنیا ہے جو حشر میں زقّوم کے درخت کی شکل میں ظاہر ہوگا۔ ☼ (تفسیر روح المعانی)

طَعَامُ الْاَثِیْمِ ﴿۴۴﴾ (۴۴) گناہگار کی غذا ہو گی۔

کَالْمُهْلِ ۚ یَغْلِیْ (۴۵) پھر وہ تیل کی تلچھٹ، پگھلے فِی الْبُطُوْنِ ﴿۴۵﴾ ہوئے تانبے کی طرح پیٹ میں جوش کھائے گی۔

---

www.drhasanrizvi.com

" مھل " کے معنی پگھلی ہوئی دھات ، خون ، پیپ ، پگھلا ہوا تارکول ، لاوا ، تیل کی تلچھٹ ـــــــ اور " زقوم " کے معنی تھوہڑ کے کانٹے دار پتے جن کے چبانے سے جو رس نکلتا ہے وہ تیل کی تلچھٹ جیسا بد ذائقہ ہوتا ہے ۔

(لسان العرب ۔ مفردات القرآن ۔ امام راغب)

كَغَلْيِ الْحَمِيْمِ ﴿۴۶﴾ (۴۶) جس طرح پانی کھولتا ہے ۔

خُذُوْهُ فَاعْتِلُوْهُ اِلٰى (۴۷) (پھر کہا جائے گا) "پکڑو اسے

سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ﴿۴۷﴾ اور کھینچتے ہوئے جہنم کے بیچوں بیچ لے جاؤ ۔

ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ رَاْسِهٖ (۴۸) پھر انڈیل دو اس کے سر پر

مِنْ عَذَابِ الْحَمِيْمِ ﴿۴۸﴾ گرم گرم کھولتے ہوئے پانی کا عذاب ۔

ذُقْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ (۴۹) اب چکھ (اس سزا کا مزا)

الْكَرِيْمُ ﴿۴۹﴾ تو تو بڑا عزت والا ، بڑے مرتبے والا ، شریف آدمی ہے ۔

www.drhasanrizvi.com

ابوجہل نے جناب رسولِ خدا سے کہا کہ مکے کے دونوں پہاڑوں کے درمیان مجھ سے زیادہ مرتبہ والا کوئی شریف آدمی نہیں ہے۔ اسی لیے خداوند عالم نے اسی لفظ سے ابوجہل کو طعنہ دیا کہ:

"اب چکھ! اس سزا کا مزہ، تو بڑا عزت والا شریف آدمی ہے۔"

(تفسیر صافی بحوالہ الجوامع۔ تفسیر قمی)

اصل میں یہ فقرے، طنز ہے اس غلط ذہنیت اور تصورات پر کہ انسان کی شرافت اور عزت مال و دولت پر منحصر ہوتی ہے۔ اصل میں عزت، شرافت کا دارومدار صرف انسان کے ایمان و عملِ صالح پر ہوتا ہے۔ (فصل الخطاب)

تاریخ میں ہے کہ جناب رسولِ خدا نے ابوجہل کا ہاتھ پکڑ کر کہا تھا: "ابوجہل انتظار کر۔ انتظار۔" یہ سن کر ابوجہل سخت برہم ہوگیا اور اپنا ہاتھ چھڑا کر کہنے لگا: "مجھے دھمکی دے رہے ہو۔ نہ تم میرا کچھ بگاڑ سکتے ہو اور نہ تمھارا خدا میرا کچھ بگاڑ سکتا ہے۔ میں مکہ کی تمام دھرتی پر سب سے زیادہ طاقت ور اور محترم شریف آدمی ہوں۔"

اسی لیے اس آیت میں فرمایا کہ جب اس جبیوں کو جہنم میں سر کے بل پھینکا جائے گا تو اس سے کہا جائے گا:

"اے طاقتور سرزمین مکہ کے محترم عزت والے انسان! اب اس سزا کا مزہ چکھ۔"

(تفسیر مراغی جلد ۲۵۔ تفسیر روح المعانی۔ تفسیر کبیر امام رازی)

ع "اس طرح تو ہوتا ہے اس طرح کے کاموں میں"

اِنَّ هٰذَا مَا كُنْتُمْ بِهٖ (۵۰) حقیقتاً یہی وہ عذاب ہے

www.drhasanrizvi.com

تَمْتَرُوْنَ ﴿۵۰﴾ جس کے آنے میں تم شک کیا کرتے تھے۔"

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ (۵۱) رہے متقی لوگ (یعنی) فرائض

مَقَامٍ اَمِيْنٍ ﴿۵۱﴾ الٰہیہ کو ادا کرنے والے اور

خدا کی عظمت سے متاثر ہو کر خدا کی ناراضگی سے بچنے والے، تو

وہ امن و سکون کی جگہ پر ہوں گے۔

مقامِ اَمین یعنی امن و امان و سکون و اطمینان کی جگہ سے مراد ایسی جگہ ہے جو ہر قسم کی ناخوشگوار بات سے محفوظ ہو۔ ☼ (راغب اصفہانی)

مقامِ امین یعنی امن کی جگہ کی مراد ایسی جگہ ہے جہاں کسی قسم کا کوئی خوف کھٹکا نہ ہو کوئی غم، کوئی پریشانی، کوئی خطرہ، کوئی تکلیف، مشقت، فکر نہ ہو۔

☼ (لسان العرب۔ مفردات القرآن، امام راغب)

جناب رسولِ خدا نے فرمایا: "جنتیوں سے کہہ دیا جائے گا کہ یہاں تم ہمیشہ ہمیشہ رہو گے اور تندرست رہو گے، ہمیشہ زندہ رہو گے اور کبھی نہ مرو گے۔ ہمیشہ خوش و خرم رہو گے، کبھی غمگین نہ ہو گے۔ ہر دم جواں رہو گے، کبھی بوڑھے نہ ہو گے۔" ☼ (صحیح مسلم بروایت ابو سعید خدری)

www.drhasanrizvi.com

فِیْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ ﴿۵۲﴾ (۵۲) جنّت کے سرسبز وشاداب
گھنے باغوں اور چشموں میں؛

یَّلْبَسُوْنَ مِنْ سُنْدُسٍ (۵۳) باریک اور موٹے ریشمی کپڑے
وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ ﴿۵۳﴾ پہنے ہوئے آمنے سامنے بیٹھے
بیٹھے ہوں گے۔

سندس۔ عربی میں باریک ریشمی کپڑے کو کہتے ہیں۔ اور

استبرق فارسی لفظ ستبر کا معرب ہے۔ اس کے معنی موٹا ریشمی کپڑا۔

(لسان العرب۔ مفردات القرآن، امام راغبؒ)

كَذٰلِكَ قف وَزَوَّجْنٰهُمْ (۵۴) یہ ہوگی اُن کی شان بان۔ پھر
بِحُوْرٍ عِیْنٍ ﴿۵۴﴾ ہم اُن کی شادی کریں گے بڑی
بڑی آنکھوں والی گوری گوری حوروں سے۔

حور "حوراء" کی جمع ہے۔ عربی زبان میں گوری خوبصورت عورت کو حوراء کہتے ہیں۔

اور عین۔ جمع ہے عیناء کی۔ اس کے معنی بڑی بڑی خوبصورت آنکھوں والی عورت (لسان العرب۔ مفردات القرآن)

www.drhasanrizvi.com

یَدۡعُوۡنَ فِیۡہَا بِکُلِّ (۵۵) پھر وہ بڑے امن واطمینان
فَاکِہَۃٍ اٰمِنِیۡنَ ﴿۵۵﴾ کے عالم میں طرح طرح کے
پھل منگواتے ہوں گے۔

اطمینان سے طلب کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جنتی جو چیز جتنی مقدار میں چاہیں گے بالکل بے فکری کے ساتھ جنت کے خادموں سے منگواتے رہیں گے اور ہمیشہ ان کے لیے وہ چیز فوراً حاضر کردی جائے گی۔ دنیا میں بڑے سے بڑا بادشاہ بھی پورے پورے اطمینان کے ساتھ ہر چیز طلب نہیں کرسکتا۔ اس لیے کہ دنیا میں کوئی چیز بھی بے حد وحساب نہیں ہے۔ جو چیزیں بھی یہاں انسان استعمال کرتا ہے اس کی قیمت اسے اپنی جیب سے دینی ہوتی ہے، چاہے کچھ عرصے کے بعد ہی سہی۔ جنت میں ہر مال بے حد وانتہا ہوگا۔ کسی قسم کی کوئی کمی کا سوال ہی نہ پیدا ہوگا۔ اس لیے ہر شخص اطمینان کے ساتھ ہر چیز جس قدر چاہے گا منگواتا رہے گا، اس کو ملتی رہے گی۔ کمی کا کوئی تصور تک نہ ہوگا۔ کیونکہ جنت کی نعمتیں خدا کی لامحدود قدرت، رحمت اور عطاؤں کا نتیجہ ہوں گی۔ نہ وہاں ذخیروں کے ختم ہونے کا تصور ہوگا اور نہ بعد میں بل پیش کیے جانے کا خوف، خطرہ یا کھٹکا ہوگا۔

(تفسیر کبیر۔ مجمع البیان۔ تفسیر نمونہ۔ تفہیم)

لَا یَذُوۡقُوۡنَ فِیۡہَا الۡمَوۡتَ (۵۶) وہاں وہ موت کا مزہ کبھی نہ

www.drhasanrizvi.com

اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰى ۚ وَ وَقٰهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ﴿٥٦﴾

چکھیں گے، سوا پہلے والی موت کے (جو وہ پہلے ہی چکھ چکے ہوں گے)

غرض اللہ نے انھیں جہنّم کی سزا سے بچا لیا۔

خداوند عالم کا فرمانا: سوا پہلی والی موت کے۔" اس کو اصطلاح میں استثنائے منقطع کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ موت جو آنا تھی وہ بس پہلے آچکی۔ اب انھیں کسی قسم کی موت نہیں آئی۔

(تفسیر تبیان)

اہم بات جنّت کی نعمتوں میں جہنّم سے بچائے جانے کا ذکر خاص طور پر کیا گیا ہے۔ یہ اس لیے کہ کسی انعام کی پوری پوری قدر انسان کو اس وقت محسوس ہوتی ہے جب اسے یہ بھی معلوم ہو جائے کہ جن کے پاس یہ نعمتیں نہیں ہیں ان کا کیا حال ہے۔ مثلاً اگر کار کی صحیح قدر معلوم کرنی ہے تو ان کو دیکھا جائے جن کے پاس کار نہ ہو۔ اپنے مکان کی پوری پوری قدر وہی کر سکتا ہے جو ان کو دیکھے کہ جن کا اپنا مکان نہیں ہوتا۔ اسی طرح جنّت کی نعمت کی قدر وہی کرے گا جو یہ بھی دیکھے گا کہ جہنمی کس برے حال میں ہیں۔

(تفسیر نمونہ)

سوال یہ ہے کہ موت کا نہ آنا تو جہنمیوں کے لیے بھی ہے۔ پھر خاص طور سے جنّتیوں سے یہ بات کیوں کہی جائے گی کہ اب تمھیں کبھی موت نہ آئے گی؟

اصل میں جنّتیوں سے یہ صرف اس لیے کہا جائے گا کہ وہ خوش اور مطمئن ہو جائیں کہ ان کی یہ عیش و عشرت کی زندگی کبھی ختم نہ ہو گی۔ رہے جہنمی تو ان کی زندگی کا ہر ہر لمحہ موت سے بھی کہیں

www.drhasanrizvi.com

زیادہ بھیانک ہوگا۔ گویا وہ ہر لمحہ مرتے زندہ ہوتے رہیں گے۔ اس لیے ان سے یہ بات کہنے کی کوئی ضرورت نہ ہوگی۔ ☼ (تفسیر مجمع البیان)

امام محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ خداوند عالم جنتیوں سے ارشاد فرمائے گا کہ "مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم! اپنی عزت اور بلند مقام کی قسم! میں انھیں پانچ چیزیں عطا کروں گا۔

☼ (۱) وہ ہمیشہ جوان رہیں گے، کبھی بوڑھے نہ ہوں گے۔

☼ (۲) ہمیشہ تندرست رہیں گے، کبھی بیمار نہ ہوں گے۔

☼ (۳) ہمیشہ دولت مند رہیں گے، کبھی محتاج فقیر نہ ہوں گے۔

☼ (۴) ہمیشہ خوش و مسرور رہیں گے، کبھی غمگین نہ ہوں گے۔

☼ (۵) ہمیشہ زندہ رہیں گے، کبھی نہ مریں گے۔"

پھر امامؑ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔ ☼ (تفسیر نور الثقلین۔ بحوالہ اصول کافی)

فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكَ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝٥٧

(۵۷) یہ آپؐ کے پالنے والے مالک کے فضل و کرم کے سبب سے ممکن ہوا اور یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔

اَلْفَوْزُ الْعَظِيْمُ۔ بڑی کامیابی سے مراد ایسی کامیابی ہوتی ہے جس کے سامنے کسی اور کامیابی کا نام تک نہیں لیا جاسکتا۔ کیونکہ وہ نعمتیں خداوند عالم کے خاص فضل و کرم کا نتیجہ ہوں گی۔

www.drhasanrizvi.com

اس لیے ان کے ختم یا منقطع ہونے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ٭ (تفسیر ماجدی)

جنّت خداوندِ عالم کا فضل و کرم ہے

اس آیت میں جنّت کی نعمت کو خداوندِ عالم نے اپنا فضل و کرم قرار دیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسان کو اتنی بڑی کامیابی صرف اپنے زورِ بازو پر نصیب نہیں ہو سکتی۔ یہ سعادت خدا کی دین ہی سے ملتی ہے۔ اس لیے کہ جنّت ہمارے نیک کاموں کا نتیجہ ہوگی اور نیک عمل بھی انسان صرف اپنی کوشش کی بنا پر نہیں کر سکتا جب تک خدا کی طرف سے توفیق شاملِ حال نہ ہو، انسان کوئی نیک عمل انجام نہیں دے سکتا۔ دوسرے یہ کہ ہم کتنے ہی نیک عمل کریں مگر ان میں کہیں نہ کہیں کوئی نہ کوئی نقص ضرور رہ جاتا ہے۔ اس لیے کوئی شخص یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ خدا میرے عمل کو قبول کرے گا۔ یہ بھی خدا کا فضل و کرم ہی ہوتا ہے کہ وہ ہمارے ناقص اعمال کو قبول فرما لیتا ہے۔

اسی لیے جنابِ رسولِ خدا نے فرمایا: "عمل کرو، اور اپنی حد تک پوری پوری کوشش کرو کہ عمل بالکل ٹھیک ہو، مگر یہ بات جان لو کہ کسی شخص کو صرف اس کے نیک عمل کی وجہ سے جنّت نہیں مل سکتی۔" اسی موقع پر کسی نے جنابِ رسولِ خدا سے پوچھا: "کیا آپؐ کا عمل بھی؟"

جنابِ رسولِ خداؐ نے فرمایا: "ہاں! میں بھی صرف اپنے عمل کے زور پر جنّت تک نہیں پہنچ سکتا۔ سوا اس کے کہ میرا پالنے والا مالک مجھے اپنی رحمت سے ڈھانک لے۔"

٭ (الحدیث از تفسیر کبیر۔ مجمع البیان۔ تفہیم)

اندازہ فرمائیں کہ وہ انسان جس کے نیک اعمال کا قصیدہ خود رب العالمین پڑھ رہا ہے۔ وہ بھی صرف اپنے عمل کی بنا پر جنّت میں داخل نہیں ہو سکتا تو پھر ہم کس شمار قطار میں ہیں؟ یہ اس لیے

www.drhasanrizvi.com

ہے کہ جنّت کو خداوند عالم نے فوز الکبیر "بے حد بڑی کامیابی" فرمایا ہے۔ یہ اتنی بڑی کامیابی ہے کہ کسی انسان کی صرف کوششیں اس تک نہیں پہنچا سکتیں۔ اس کا پہلا ثبوت تو یہ ہے کہ انسان کا عمل محدود وقت میں انجام پاتا ہے۔ جب کہ جنّت میں انسان لامحدود نعمتیں پاتا ہے اور لامحدود وقت تک رہے گا۔ اس لیے کوئی انسانی عمل جنّت کی قیمت نہیں بن سکتا۔ اور جنّت اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتی جب تک کہ ہمارے نیک اعمال کے ساتھ ساتھ خداوند عالم کا فضل و کرم شامل حال نہ ہو جائے۔ ☆ (مؤلف)

رحمت کا تری امیدوار آیا ہوں
منہ ڈھانپے کفن سے شرمسار آیا ہوں

چلنے نہ دیا بارِ گنہ نے پیدل
اس واسطے کاندھوں پہ سوار آیا ہوں

(انیسؔ)

فَاِنَّمَا يَسَّرۡنٰهُ بِلِسَانِكَ (۵۸) تو ہم نے اس (قرآن) کو آپؐ کی زبان پر بالکل آسان بنا دیا ہے۔ تاکہ یہ لوگ نصیحت قبول کریں۔

لَعَلَّهُمۡ يَتَذَكَّرُوۡنَ ﴿۵۸﴾

خداوند عالم نے قرآن مجید کو آسان فرما کر اور یہ فرما کر کہ تاکہ یہ لوگ نصیحت حاصل کریں ان لوگوں کے تمام دعوے رد کر دیے کہ جو یہ کہتے ہیں کہ قرآن صرف مولوی ہی سمجھ سکتے ہیں عام لوگ نہیں سمجھ سکتے۔

اسی طرح خداوند عالم نے ان لوگوں کو بھی پوری طرح سے رد فرما دیا جو یہ کہتے ہیں کہ قرآن کو تجوید و مخارج کے پیچ و خم کے بغیر نہیں پڑھا سمجھا جا سکتا۔

www.drhasanrizvi.com

مولوی فلسفہ اصل میں مولوی فلسفہ یہ ہے کہ لوگوں کو قرآن کے سرف الفاظ، مخارج، تجوید میں پھنسا کر اپنا محتاج بنائے رکھو اور ان کو یہ پٹی پڑھاؤ کہ قرآن تم جیسے نہیں سمجھ سکتے۔ بس ہم سمجھ سکتے ہیں۔ اس لیے جو ہم بتائیں وہ کرو اور وہ یہ ہے کہ ہمارے حلوے مانڈے کا بندوبست کرو۔ اس طرح قرآن پر اجارہ داری قائم کرنا چاہتے ہیں تاکہ لوگ قرآن سمجھ کر نہ پڑھ پائیں۔ قرآن سمجھ کر پڑھنے کو مہمل عمل قرار دیتے ہیں۔ جب کہ قرآن کے اترنے کا اصل مقصد ہی یہ ہے کہ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ یعنی "تاکہ وہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔" (القرآن۔ آیت زیر نظر)

اور یہ کہنا کہ قرآن سوا مولوی کے کوئی نہیں سمجھ سکتا تو اس بات کو قرآن کو آسان فرما کر رد کر دیا۔ یہی ترکیب یہودی عیسائی علماء نے بھی چلی تھی۔ (مؤلف)

امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ:

"اگر خدا نے قرآن کو زبانوں پر آسان نہ کر دیا ہوتا تو کوئی شخص بھی اس کا ایک حرف بھی زبان پر نہ لا سکتا۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا تھا۔ کیونکہ قرآن خداوند عالم کا کلام ہے۔"

❊ (تفسیر روح البیان۔ جلد ۸، صفحہ ۴۳۳)

(بھلا خدا کا کلام ایسا ہو سکتا ہے کہ اس کے بندوں کی سمجھ ہی میں نہ آئے) وہ جو خالق کلام ہے اور ہر عیب سے پاک بھی ہے ایسے ناقص طریقے سے ہم سے کیوں کلام فرمائے گا کہ جو ہماری سمجھ ہی میں نہ آئے۔ یہ تو فعل عبث ہوا جو خدا کی شایانِ شان نہیں۔

❊ (تفسیر نمونہ)

www.drhasanrizvi.com

ضروری نوٹ

رہا یہ کہ جیسا کہ قرآن میں خود فرمایا ہے کہ قرآن کی کچھ آیات متشابہ ہیں۔ جس میں یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ کون سا مطلب درست ہے؟ وہ اس لیے کہ ان میں اعلیٰ مطالب بیان کیے گئے ہیں۔ کیونکہ یہ مطالب قیامت تک کیلیے بلند سے بلند، صاحب عقل کے لیے بھی سامانِ ہدایت ہیں۔

اسلیے (۱) ان مشکل آیات کو سمجھنا اور (۲) محکم آیات کی اصل حقیقت کو جاننا صرف ان ہی لوگوں کا کام ہے جن کو خود خدا رسولؐ نے قرآن کا علم عطا فرمایا ہے۔ جیسا کہ خود قرآن میں فرمایا:

" اَلرَّحْمٰنُ ۙ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ؕ " "خود رحمان نے قرآن کا علم عطا فرمایا۔"
(سورہ رحمٰن ۵۵۔ آیت ۱-۲۔ پ ۲۷)

اسی لیے جناب رسولِ خدا نے فرمایا کہ:

"میں دو بے حد قیمتی چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں۔ ایک خدا کی کتاب اور دوسرے میری عترت، اہلبیتؑ۔ جب تک تم ان دونوں سے مضبوط تعلق قائم رکھو گے کبھی ہرگز گمراہ نہ ہو گے اور یہ دونوں (قرآن اور عترت) ہرگز ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ میرے پاس حوضِ کوثر پر پلٹ نہ آئیں۔"

⁂ (صحیح مسلم شریف)

نیز جناب رسولِ خدا نے فرمایا:

"میںؐ علم کا شہر ہوں، علیؑ اس کا دروازہ ہیں۔" ⁂ (الحدیث)

ان آیات و احادیث سے ثابت ہوا کہ قرآن کی متشابہ مشکل آیات کا یقینی طور پر صحیح ترین حل، اور محکم آیات کی اصل حقیقت، تاویل اور تفسیر ائمہ اہلبیتؑ سے حاصل کرنی چاہیے۔ کیونکہ خدا نے خود

www.drhasanrizvi.com

فرمایا ہے:

"قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ"

(یعنی) "تمہارے پاس "نور" اور "واضح کتاب" آچکی ہے۔" (المائدہ۔آیت ۱۵۔پ۶)

کتاب سے مراد قرآن ہے اور نور سے مراد محمدؐ و آلِ محمدؐ کا علم ہے۔ جو خداوند عالم کی عطا ہے جسے خدا نے نور فرمایا ہے۔ ※ (مؤلف)

بغیرِ آلِ نبیؐ لکھ رہے ہیں تفسیریں

کتاب کیسے پڑھی جائے گی چراغ بغیر؟ (قمر جلالوی)

فَارْتَقِبْ اِنَّهُمْ مُّرْتَقِبُوْنَ ﴿۵۹﴾ (۵۹) اب آپؐ بھی انتظار فرمائیں اور حقیقتاً وہ بھی (اپنے انجام کے) انتظار میں ہیں۔ ع ۳ / ۱۶

یعنی ان کے کفر و انکار کا انجام آپؐ کے سامنے بھی آئے گا اور ان کے سامنے بھی۔ اور اس طرح ان کے سامنے آئے گا جیسے کوئی کسی چیز کا انتظار کر رہا ہو۔ اس لیے مجازاً یوں کہا گیا کہ جس کے وہ منتظر ہیں۔

※ (فصل الخطاب)

مطلب یہ ہے کہ اگر یہ لوگ اب بھی قرآن و رسولؐ کی نصیحتیں قبول کرنے کو تیار نہیں ہیں تو پھر آپؐ دیکھتے رہیں کہ ان کی کیسی شامت آتی ہے اور یہ لوگ بھی انتظار کریں اور دیکھیں کہ آپؐ کے اعلانِ حق کا دنیا میں کتنا بہترین نتیجہ نکلتا ہے اور آخرت میں آپؐ کو کس قدر عظیم کامیابیاں حاصل ہوتی ہیں۔

※ (تفسیر کبیر۔ مجمع البیان۔ تفسیر نمونہ۔ تفہیم)

بحمداللہ سورۂ دخان کی تفسیر ختم ہوئی۔ گر قبول افتد زہے عز و شرف

"شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدارا"

www.drhasanrizvi.com

سورۂ جاثیہ
کے
فضائل وخصوصیات

جناب رسولؐ خدا نے فرمایا :

☼ " جو شخص سورۂ جاثیہ کو سمجھ کر پڑھتا ہے خداوندِ عالم قیامت کے دن اس کے تمام عیب چھپائے گا۔ اور حساب لیتے وقت اس کے خوف کو اطمینان سے بدل دے گا۔"

☼ (مجمع البیان)

امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ :

☼ جو شخص سورۂ جاثیہ کو عمل کرنے کی نیت سے سمجھ کر پڑھے گا اس کا ثواب یہ ہے کہ وہ جہنّم کی آگ کو ہرگز نہ دیکھے گا۔ (یعنی جہنّم اس کی نگاہوں سے پوشیدہ کردی جائے گی۔ تاکہ اس کے سائے کا خوف تک محسوس نہ ہو) اور نہ جہنّم کی آواز سُنے گا۔ اور اس کو جناب محمدؐ مصطفیٰ کے ساتھ بیٹھنے اور رہنے کا شرف حاصل ہوگا۔ (سبحان اللہ)

☼ (تفسیر برہان جلد ۴)

تیری معراج کہ تُو لوح و قلم تک پہنچا
میری معراج کہ میں تیرے قدم تک پہنچا

www.drhasanrizvi.com

آیاتہا ۳۷ | سورۃ الجاثیۃ مکیۃ | رکوعاتہا ۴

(گھٹنوں کے بل گرے ہوئے ہونے کے بیان والا سورہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

(شروع کرتا ہوں) اللہ کے نام کی مدد مانگتے ہوئے جو سب کو فیض اور فائدے پہنچانے والا، بے حد مسلسل رحم کرنے والا ہے۔

حٰمٓ ﴿١﴾ (۱) حا۔میم۔

علامہ طبرسیؒ نے لکھا کہ حٰمٓ کے مطلب اور تفسیر کے سلسلے میں بہترین قول یہ ہے کہ اس سورہ کو حٰمٓ کے نام والا سورہ کہا جائے اور اس سورے کو حٰمٓ کے نام سے منسوب کرنا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ قرآن سراپا معجزہ ہے۔ اس لیے کہ یہ قرآن اُنھیں حروف سے بنا ہے جسے ہم روز بولتے ہیں استعمال کرتے ہیں۔ اس کے باوجود اس قدر عظیم زندہ معجزہ ہے کہ قیامت تک کوئی کلام اس کے مدمقابل نہیں آسکتا۔ ※ (مجمع البیان)

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ (۲) اس کتاب کا اُتارا جانا اللہ

www.drhasanrizvi.com

اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿٢﴾ کی طرف سے ہے جو زبردست طاقت اور عزت والا بھی ہے اور حکمت والا بھی (یعنی) دانائی کے ساتھ بالکل ٹھیک کام کرنے والا بھی۔

قرآن کی عظمت

کتاب کے حوالے سے خداوند عالم نے خود کو حکیم (یعنی) حکمت اور گہری حقیقتوں کو جاننے والا اس لیے فرمایا کہ کتاب پر مصنف کے علم کا اثر ضرور ہوتا ہے۔ ہر کتاب مصنف کے شایانِ شان ہوا کرتی ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ قرآن ایسی عظیم پایہ کی کتاب ہے جو خداوند عالم کے لامحدود علم و حکمت کے شایانِ شان ہے۔ ⁂ (تفسیر ماجدی)

بہت سے اور سوروں اور آیتوں میں بھی قرآن کے اتارے جانے کی نسبت اسی خداوند عالم کی ذات کی طرف دی گئی ہے جو عزت (غلبہ) اور حکمت والا ہے۔ اصل میں یہ قرآن کی عظمت کا اظہار ہے کہ دیکھ لو کہ یہ کتاب کس عظیم ہستی کے لامحدود علم و حکمت کا نتیجہ ہے۔ یہ دیکھو کہ یہ کس کا کلام ہے؟ کیونکہ یہ بات بہت ہی اہم تھی اس لیے اس کو بار بار دہرایا گیا ہے۔

⁂ (فصل الخطاب)

حاصلِ بیان

یہ بات پورے سورے کی تمہید ہے۔ اس میں دو باتوں کو بیان کیا گیا ہے۔

(۱) ایک یہ کہ قرآن محمد مصطفیٰؐ کی تصنیف نہیں ہے بلکہ خداوند عالم کی طرف سے اُتری ہے۔

www.drhasanrizvi.com

(۲) دوسرے یہ کہ قرآن کو وہ ذات اتار رہی ہے جو بے پناہ طاقت، غلبے والی بھی ہے اور حکمت والی بھی۔ یعنی تمام حقیقتوں کو گہرائی کے ساتھ پوری پوری طرح جاننے والی بھی۔

اب خداوند عالم کے "عزیز" غالب ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اس کے کسی حکم کی خلاف ورزی کی جرأت نہ کریں کیونکہ اپنی قوت کے بل پر اس کی سزا سے بچنا ناممکن ہے اور خدا کے "حکیم" ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ انسان خدا کے ارشادات و احکامات کو بالکل درست سمجھ کر پورے اطمینان کے ساتھ ان کی تعمیل کرے کیونکہ جو ذات ہر چیز کی گہری سے گہری حقیقتوں کو جانتی ہے اس کی تعلیمات میں غلطی کا ذرہ برابر بھی امکان نہیں ہو سکتا۔

جس طرح ہم ایک ایسے ڈاکٹر کے نسخہ کو پورے اطمینان کے ساتھ استعمال کرتے ہیں جس کے بارے میں ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ امریکہ سے اعلیٰ ترین ڈگری لایا ہے۔ اس لیے اس کا لکھا ہوا نسخہ غلط نہیں ہو سکتا بلاتشبیہ اسی طرح ہمیں خدا کی عطا کی ہوئی تعلیمات پر پورا پورا بھروسہ اور اطمینان ہونا چاہیے، اس لیے کہ خدا علیم و حکیم ہے۔ یعنی ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے اور تمام چیزوں کی گہری حقیقتوں سے خوب واقف ہے کیونکہ وہی ان کا خالق ہے۔

※ (تفسیر کبیر۔ مجمع البیان۔ انوار النجف۔ تفہیم)

قرآن مجید کی عظمت کا ذکر اس طرح فرمایا گیا کہ یہ کتاب خداوند عالم کی طرف سے اتاری گئی ہے جو غالب اور دانا ہے۔ عزیز کے معنی غالب یعنی ناقابل شکست۔ اور حکیم کے معنی وہ ذات جو ہر چیز کا علم رکھتی ہے جس کا ہر ہر حرف، ہر کام جچی تلی حکمت پر مبنی ہے۔

www.drhasanrizvi.com

بعینہ یہی آیت تین دفعہ اتری ہے۔ یہ تکرار اس تاکید کے لیے ہے کہ قرآن کتنی عظیم اور اہم ترین کتاب ہے تاکہ لوگ قرآن کو ذوق وشوق کے ساتھ سمجھ کر پڑھیں، اس کے مطالب پر غور وفکر کریں اور اس کے ہر حکم پر عمل کریں۔

بعض دفعہ قرآن میں خود قرآن کو بھی عزیز فرمایا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی کتاب کوئی کلام کبھی اس کتاب پر غالب نہیں آسکتا۔ اس کتاب کو کبھی کسی طرح شکست نہیں دی جاسکتی۔ نہ اس میں کمی زیادتی کی جاسکتی ہے۔ اور اس کے مطالب وحقائق کبھی پرانے بوسیدہ نہیں ہوسکتے۔

(تفسیر نمونہ)

اِنَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ (۳) حقیقت یہ ہے کہ آسمانوں اور
لَاٰیٰتٍ لِّلۡمُؤۡمِنِیۡنَ ③ زمین میں (خدا ورسولؐ یا ابدی حقیقتوں کو) دل سے ماننے والوں کے لیے نشانیاں (ہی نشانیاں) ہیں۔

اصل میں مکّہ والے یہ کہا کرتے تھے کہ ہم ایک شخص کے کہنے پر اتنی بڑی بات کیسے مان لیں کہ اپنے خداؤں کو چھوڑ دیں۔ ان سے کہا جارہا ہے کہ یہ ایک شخص (محمدؐ) جس بات کی تعلیم دے رہا ہے اس کی سچائی کے نشانات اور دلائل سے تو ساری کائنات عالم بھری پڑی ہے۔ ذرا آنکھیں کھول کر تو دیکھو، ہر طرف خدا کی قدرت، حکمت، عظمت، رحمت کی نشانیاں ہی نشانیاں نظر آئیں گی۔

www.drhasanrizvi.com

یہ ساری نشانیاں واضح طور پر بتلا رہی ہیں کہ :

(۱) کوئی عظیم ہستی اس کائناتِ عالم کی پیدا کرنے والی ہے۔

(۲) اس کی مالک، حاکم اور تدبیر کرنے والی ہے۔

(۳) یہ نظامِ عالم بتا رہا ہے کہ اس کا بنانے چلانے والا صرف ایک خدا ہے۔ یہاں کئی خداؤں کا عمل دخل کہیں نظر نہیں آتا۔ ؎

حقیقت ایک ہے ہر شے کی خاکی ہو کہ نوری ہو
لہو خورشید کا ٹپکے اگر ذرّے کا دل چیریں (اقبالؔ)

(۴) اس لیے صرف وہی ذات اس قابل ہے کہ اس کی غلامی، بندگی، عاجزانہ اطاعت کو زندگی کا اصل مقصد بنایا جائے۔ اور اس کے علاوہ کسی کو خدا یا مقصدِ حیات نہ بنایا جائے اس لیے یہ تعلیمات کسی ایک انسان (محمدؐ) کی نہیں ہیں بلکہ یہ وہ تعلیم ہے جس کا پتہ پوری کائنات کا ہر ہر ذرہ دے رہا ہے۔ ؎

ہر رنگ میں جلوہ ہے تری قدرت کا
جس پھول کو سونگھتا ہوں بُو تیری ہے (انیسؒ)

آخر میں خداوند عالم کا یہ فرمانا کہ : "یہ ساری نشانیاں حقیقتوں کو دل سے مان لینے والوں کے لیے ہیں۔" یعنی یوں تو یہ کائناتِ عالم میں ہر طرف پھیلی ہوئی خدا کی قدرت اور رحمت کی نشانیاں، سارے کے سارے انسانوں کے لیے ہیں۔ مگر ان کو دیکھ کر صرف وہی انسان سوچتا، سمجھتا

www.drhasanrizvi.com

غور کرتا ہے جو ابدی حقیقتوں کو سمجھنا چاہتا ہے، جو دل و دماغ کے دروازے کھلے رکھتا ہے۔ جو حق کے انکار کا تہیہ کیے نہیں بیٹھا ہوتا، جو "میں نہ مانوں" کی رٹ نہیں لگائے رکھتا۔ جو عقل و فکر سے کام لینے پر آمادہ ہوتا ہے اور جو حقیقتوں کو واقعتاً سمجھنا چاہتا ہے۔ یعنی جو طلبِ حق رکھتا ہے۔ اس کو یہ ساری نشانیاں از خود یہ پیغام دیتی ہیں کہ:

ع "کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں"

ع "کوئی تو ہے جو نظامِ ہستی چلا رہا ہے۔ چلا رہا ہے۔"

ظاہر ہے کہ چمن کی رونق اور حسن و جمال صرف آنکھوں والوں ہی کے لیے ہوتا ہے۔ اندھا اس کے حُسن کا ادراک نہیں کر سکتا۔ اس لیے اندھوں کے نزدیک چمن کا حسن یا کسی حسین اور نمکین چہرے کا حُسن کوئی وجود یا حقیقت نہیں رکھتا۔

☼ (تفسیر کبیر۔ تفہیم۔ مجمع البیان۔ تفسیر نمونہ)

ے کیا ہے تجھ کو کتابوں نے کور ذوق ایسا
کہ بوئے گُل سے بھی تجھ کو ملا نہ گُل کا سراغ (اقبالؔ)

ے مُردہ ہے مانگ کے لایا ہے فرنگی سے نفَس
یُوں تو کالج کا جواں زندہ نظر آتا ہے (اقبالؔ)

وَفِیۡ خَلۡقِکُمۡ وَمَا (۴) اور خود اُن کی اپنی پیدائش
یَبُثُّ مِنۡ دَآبَّۃٍ اٰیٰتٌ میں، اور اُن حیوانات میں

www.drhasanrizvi.com

لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ④ جن کو اللہ پھیلائے چلا جارہا ہے (ان سب میں خدا کی قدرت و حکمت کی بے شمار) نشانیاں ہیں، اُن لوگوں کے لیے جو ابدی حقیقتوں پر یقین کریں۔

انسانی جسم کی ساخت اور حرکات بھی خدا کا عظیم کارنامہ ہے۔ کئی علوم کا تعلق انسان کے جسم وافعال سے ہے۔ مثلاً ذہنی افعال کا علم نفسیات میں مطالعہ کیا جاتا ہے۔ جسم کے اعضا کا Biology میں مطالعہ کیا جاتا ہے۔ پھر اس کی کئی کئی شاخیں ہیں، بے انتہا علم کے خزانے اس میں داخل ہیں جن سے انسان خدا کی معرفت کے بے پناہ سبق حاصل کرسکتا ہے۔ کیونکہ ان کے پیچیدہ حرکات، قوانین وضوابط بے حد عجیب وغریب ہیں۔ پھر حیوانات کی پیدائش، ساخت، اعمال توالد، تناسل میں عجیب وغریب حکمتیں اور قوانین وضوابط ہیں۔ جسے Zoology علم حیوانات کہتے ہیں اس کی بے شمار شاخیں ہیں۔ ☼ (ابن کثیر۔ معالم)

خداوند عالم کا یہ فرمانا کہ "ہماری یہ ساری نشانیاں ان لوگوں کے لیے ہیں جو یقین لانے والے ہیں"۔ مطلب یہ کہ ہماری قدرت، رحمت، عظمت، خالقیت، مالکیت کی یہ تمام نشانیاں جو تمام کائنات عالم میں پھیلی ہوئی ہیں ان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتیں جنھوں نے انکار حق کا تہیہ کر رکھا ہے یا جنھوں نے شکوک وشبہات میں ہاتھ پاؤں مارنے ہی کو اپنا طرز فکر بنالیا ہے اور دل کے دروازے یقین لانے کے لیے بند کرلیے ہیں۔ ان کے لیے یہ کائنات کی تمام نشانیاں بالکل ایسے

www.drhasanrizvi.com

ہی ہیں کہ جیسے بھینس کے سامنے بین بجائی جائے کہ اس پر اس کا مطلقاً کوئی اثر نہیں ہوتا یا جیسے کسی اندھے کو کوئی حسین چہرہ دکھایا جائے۔ البتہ وہ لوگ جو حقیقتوں پر یقین لانے کے لیے تیار ہوں، آنکھیں کھولیں اور عقل استعمال کریں تو وہ اگر اپنی پیدائش پر، اپنے جسم، دل، دماغ کی ساخت پر، ہر طرف پھیلے ہوئے جانوروں، پرندوں کی خصوصیات پر سوچیں غور کریں گے تو انھیں خدا کی قدرت، رحمت، عظمت، ربوبیت، مالکیت کی بے شمار علامتیں، دلیلیں اور نشانیاں دکھائی دیں گی۔

ے ہر سُو تری قدرت کے ہیں لاکھوں جلوے
حیراں ہوں کہ دُو آنکھوں سے کیا کیا دیکھوں؟

ان تمام نشانیوں کو دیکھ کر اس بات میں ذرہ برابر بھی شک نہ رہے گا کہ ضرور اس ساری کائنات عالم کو کسی نے بنایا ہے۔ یہ سب کچھ بغیر خدا کے بنائے از خود نہیں بن سکتا۔ اور یہ بات بھی بالکل واضح ہو جائے گی کہ اس کائنات عالم کے بنانے والے اور چلانے والے کئی خدا یا دیوتا نہیں ہیں بلکہ یہاں صرف اور صرف ایک خدا کی حکمرانی ہے۔

☼ (تفسیر کبیر۔ مجمع البیان۔ کشاف۔ انوار النجف۔ تفہیم)

خداوند عالم کا فرمانا: خود تمھاری اپنی تخلیق میں ..... ان لوگوں کے لیے خدا کی قدرت، حکمت اور عظمت کی نشانیاں ہیں جو یقین کرنے والے ہیں۔ اسی سلسلے میں حضرت علیؑ نے فرمایا:

"اے انسان! کیا تو یہ سمجھتا ہے کہ تو ایک چھوٹا سا کیڑا ہے جبکہ تیرے اندر ایک عالم اکبر سمایا ہوا ہے۔"

انسان کے خواص صفات میں ساری کائنات کے تمام امور کو نچوڑ دیا گیا ہے۔ انسان کے

www.drhasanrizvi.com

ہر ہر خلیے (cell) کی ساخت ایک عظیم راز ہے۔ انسان کا ایک ایک بال حیرتناک تخلیق ہے۔ انسان کے بدن میں ہزاروں کلومیٹر رگیں دوڑ رہی ہیں۔ ایک ہزار کلومیٹر اعصاب کے سلسلے کے تار دماغ کے مرکزی کمانڈ سے ملے ہوئے ہیں۔ پھر ان میں رابطے موجود ہیں۔ بدن کی داخلی مشین ہنگامی حالات میں عجیب وغریب ہم آہنگی دکھاتی ہے۔ ہر ہر موڑ پر خداوند عالم کی قدرت کاملہ آنکھوں سے دکھائی دیتی ہے۔ اس لیے انسان کی تخلیق خدا کے وجود اور عظمت کی واضح دلیل ہے۔

(تفسیر نمونہ)

ے تری نگاہ میں ثابت نہیں خدا کا وجود
مری نگاہ میں ثابت نہیں وجود ترا (اقبال)

وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ (۵) اسی طرح رات اور دن کے وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۵

آنے جانے میں، اور اُس رزق (مُراد بارش) میں جسے اللہ نے آسمان سے اُتارا، پھر اُس کے ذریعہ مُردہ زمین کو زندہ کردیا، وہ بھی اُس کے بے جان ہوجانے کے بعد۔ اسی طرح ہواؤں کے چلنے اور گھومنے میں

www.drhasanrizvi.com

بھی (خُدا کی قُدرت و حکمت کی) نشانیاں موجود ہیں، اُن لوگوں کے لیے جو عقل سے کام لیں۔

ہوائیں بھی خداوند عالم کی قدرت، عظمت اور حکمت کی نشانیاں ہیں۔ ہوائیں کئی قسم کی ہوتی ہیں۔ کوئی ہوا گرم تو کوئی سرد، کوئی مرطوب، کوئی بادلوں کو گھیر کر لانے والی، کوئی بادلوں کو پھیلانے والی ہوتی ہے، کوئی درختوں میں پھل پھول لانے والی ہوتی ہے۔ یہ سب قسم کی ہوائیں خدا کی رحمت، قدرت اور حکمت کی دلیلیں ہیں۔ ☼ (تفسیر صافی بحوالہ تفسیر قمی)

ہر رنگ میں جلوہ ہے تری قدرت کا
جدھر دیکھتا ہوں اُدھر تُو ہی تُو ہے

رزق سے یہاں مراد مادۂ رزق یعنی بارش ہے۔
☼ (معالم۔ ابن کثیر)

امام رازی نے لکھا کہ ان آیات کے آخری الفاظ کی ترتیب کچھ اس طرح ہے کہ پہلے کہا گیا کہ: "آسمانوں اور زمین میں خدا کو دل سے ماننے والے مومنین کے لیے نشانیاں اور دلیلیں ہیں۔" (آیت نمبر ۲) پھر آیت نمبر ۴ میں فرمایا: "یہ سب نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو یقین رکھیں"۔ آخر میں فرمایا: یہ نشانیاں ہیں "ان لوگوں کے لیے جو عقل سے کام لیں"۔ (آیت نمبر ۵) مطلب یہ ہوا کہ مخالفین سے کہا جا رہا ہے کہ اگر تم حقیقتوں کو دل سے ماننے کے لیے تیار ہو تو خود میری ان نشانیوں کو غور سے دیکھو سمجھو تو از خود تمہارا دل میری قدرت، حکمت اور عظمت کو

www.drhasanrizvi.com

مان لے گا۔ اب اگرچہ ایمان کی دولت سے محروم ہے، مگر دل دماغ کے دروازے کھلے رکھتا ہے اور میری ان نشانیوں پر غور و فکر کرے گا تو اس کو میری ذات وصفات کا یقین آجائے گا۔ مگو شرط طلب حق کا ہونا ہوگا۔ رہا تیسرا گروہ جو عقل سے کام لیتا ہے تو اس کو ان نشانیوں پر غور کرنے سے ابدی حقیقتوں کا علم ہوجائے گا۔ ☼ (تفسیر کبیر۔ امام رازی)

رات دن کا آنا جانا، خدا کی قدرت اور حکمت کی عظیم نشانی ہے۔ کیونکہ:

۱:۔ یہ دونوں بڑی باقاعدگی کے ساتھ ایک دوسرے کے بعد آتے ہی رہتے ہیں۔

۲:۔ کبھی کے دن چھوٹے ہوتے ہیں اور کبھی کی راتیں۔ اس میں عظیم حکمتیں ہیں۔ اس کی وجہ سے زمین ہمارے رہنے کے لیے موزوں بن گئی ہے۔

۳:۔ پھر یہ سب کچھ ایک باضابطہ، منظم، مرتب، اٹل حساب کے ساتھ ہو رہا ہے۔ یہ بتا رہا ہے کہ زمین، سورج، چاند، ستاروں، سب کا خالق ایک اللہ ہے۔ اس کے سوا کوئی دوسرا خالق، مالک پالنے والا نہیں ہے۔

مثلاً یہ طرح طرح کی ہوائیں اندھادھند نہیں چل رہی ہیں بلکہ ان کا اپنا ایک قانون ضابطہ اور اصول ہے جو صاف صاف بتا رہا ہے کہ وہ بڑی حکمت کے تحت بنایا گیا ہے۔ اس لیے اس سے بڑے بڑے مقاصد پورے ہو رہے ہیں۔ مثلاً انھیں ہواؤں سے سردی گرمی آتی جاتی ہے، بارشیں برستی ہیں۔ یہ سارا نظام پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ یہ سب کچھ اندھی، گونگی، بہری، بے عقل فطرت نے اتفاقاً نہیں پیدا کر دیا ہے۔ نہ اتفاقاً ایسے حکیمانہ نظام قائم ہو سکتے ہیں اور نہ چل سکتے ہیں۔ اور یہ بھی واضح طور

www.drhasanrizvi.com

پر دکھائی دے رہا ہے کہ سورج، زمین، ہوا، پانی، نباتات، حیوانات کے الگ الگ خالق اور پالنے نہیں ہیں۔ لازماً ایک ہی خدا ہے جو ان سب کا خالق، مالک اور پالنے والا ہے۔ کیونکہ ہر طرف ایک ہی طریقہ کار دکھائی دے رہا ہے۔ اس لیے واضح ہو جاتا ہے کہ کوئی علیم و حکیم، قادر مطلق ذات ہے جس نے ان سب کو پیدا کیا ہے اور کسی خاص عظیم مقصد کے لیے نظامِ عالم کو قائم رکھا ہے۔ اور یہ اسی کی لامحدود قدرت ہے کہ یہ پورا نظامِ عالم پوری پوری باقاعدگی کے ساتھ مقررہ قانون پر چل رہا ہے۔

⁂ (تفہیم۔ تفسیر کبیر۔ مجمع البیان۔ انوار النجف)

مثلاً ہواؤں کے چلنے کی مثال دی گئی ہے۔ ہوائیں خدا کی قدرت، حکمت اور رحمت کی زبردست نشانی ہیں جو آکسیجن جیسی چیز کو ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچاتی ہیں اور جانداروں کی ضرورتیں پوری کرتی ہیں۔ کاربن ڈائی آکسائڈ سے آلودہ ہواؤں کو صاف شفاف کرنے کے لیے جنگلوں اور صحراؤں کی طرف دھکیل دیتی ہیں۔ پھر ان ہواؤں کو صاف ہو جانے کے بعد شہروں کی طرف لاتی رہتی ہیں۔

پھر یہ بات کتنی عجیب ہے کہ انسان اور حیوانات آکسیجن حاصل کرتے ہیں اور کاربن ڈائی آکسائڈ خارج کرتے ہیں۔ جبکہ پودے درخت کاربن ڈائی آکسائڈ حاصل کرتے ہیں اور آکسیجن خارج کرتے ہیں تاکہ نظامِ زندگی میں توازن برقرار رہ سکے اور ہواؤں کے ذخائر ختم نہ ہو جائیں۔

پھر یہ ہوائیں درختوں میں پھل پھول لاتی ہیں۔ قدرتی چراگاہوں اور جنگلوں کو پروان چڑھاتی ہیں، بارشیں برساتی ہیں، سمندروں کے دل میں موجیں ابھارتی ہیں جس سے سمندروں کا پانی گندہ نہیں ہوتا۔ جہازوں کو چلاتی ہیں۔ زندگی کا پورا کاروبار انھیں کے دم سے چل رہا ہے۔ (سبحان اللہ)

⁂ (تفسیر نمونہ)

www.drhasanrizvi.com

انسان معرفت کی تین منزلوں سے گزرتا ہے۔ (۱) غور و فکر کرنے کی منزل (۲) غور و فکر کرنے سے اس کو علم و یقین حاصل ہوتا ہے (۳) اور تیسرا مرحلہ ایمان کا ہے۔ یعنی کسی بات کا دل میں جم جانا (عقیدۂ قلبی) راستے کی ترتیب تو یہی ہے کہ (۱) پہلے غور و فکر (۲) پھر علم و یقین (۳) پھر ایمان۔ لیکن مرتبہ کے اعتبار سے سب سے بڑا مرتبہ ایمان کا ہے۔ دوسرا مرتبہ علم و یقین کا ہے۔ اور تیسرا مرتبہ غور و فکر کرنے کا ہے۔ ان آیات میں مرتبوں کے اعتبار سے ترتیب قائم کی گئی ہے۔

(تفسیر کبیر۔ تفسیر نمونہ) ☼

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۚ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَ اللّٰهِ وَ اٰيٰتِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ۝۶

(۶) یہ سب اللہ کی آیتیں اور نشانیاں ہیں جنھیں ہم آپؐ کے سامنے ٹھیک ٹھیک بیان کر رہے ہیں۔ تو اللہ اور اس کی آیتوں کے (آجانے کے) بعد، پھر کون سی ایسی بات ہے جس کو یہ لوگ مانیں گے؟

مطلب یہ ہے کہ خدا کی ہستی کے وجود، قدرت، حکمت، عظمت اور وحدانیت پر خود خدا کے بیان کیے ہوئے اس قدر زبردست دلائل کے آچکنے کے بعد بھی جو لوگ خدا رسول، آخرت

www.drhasanrizvi.com

یا ابدی حقیقتوں کو دل سے مان لینے کے لیے تیار نہیں ہیں، تو اب کیا چیز ایسی ہو سکتی ہے جو انھیں منوا سکے۔ اللہ کا کلام اور دلائل تو وہ آخری چیز ہے جس کے ذریعہ سے کوئی شخص ہدایت کی نعمت پا سکتا ہے۔ ایک ان دیکھی حقیقت کا یقین دلانے کے لیے زیادہ سے زیادہ جو معقول دلائل ممکن ہیں وہ خداوند عالم نے قرآن مجید میں پیش فرما دیے ہیں۔ اب اس کے بعد بھی کوئی ان کے انکار پر ڈٹا ہوا ہے تو پھر اُسے کون سمجھا سکتا ہے؟ اور اس کے نہ ماننے سے کون سی حقیقت بدل سکتی ہے؟

(تفسیر کبیر۔ مجمع البیان۔ تفہیم۔ تفسیر نور) ⁂

اس کی مثال یہ ہے کہ اگر کوئی بیمار ہو اور اس کو دنیا کے سب سے بڑے ڈاکٹروں کا ایک بورڈ یہ کہہ دے کہ یہ شخص لاعلاج ہے تو پھر کون سا ڈاکٹر اس کا علاج کر سکے گا؟ اسی طرح جو خدا کی دی ہوئی دلیلوں سے قائل نہ ہو سکا اب کون مائی کا لال اس کو قائل کر سکے گا؟ اصل میں جو قائل ہونا ہی نہ چاہے اس کو کوئی قائل نہیں کر سکتا۔ ⁂ (مؤلف)

علامہ طبرسیؒ نے لکھا کہ آیت میں "حدیث" کا لفظ پچھلی قوموں کی عبرتناک داستانوں کی طرف اشارہ ہے اور "آیات" کا لفظ عقلی دلائل کو کہا گیا ہے۔ یہی عقلی دلائل ہیں جو حق کو باطل سے الگ کرتی ہیں اور قرآن میں یہ دونوں چیزیں موجود ہیں۔

پھر قرآن کے دلائل و براہین، وعظ و نصیحت، مثالیں، مطالب اور مضامین ایسے زبردست ہیں کہ جس دل میں ذرا سی بھی حق کی تلاش ہوتی ہے وہ ان کو مان لینے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

ع "ہم سخن فہم ہیں غالب کے طرف دار نہیں"

پھر جب انسان کا دل قرآن کے مطالب کو مان لیتا ہے تو خدا ان کو تقوے اور

www.drhasanrizvi.com

طہارت کی توفیق عطا فرماتا ہے۔ ☆ (تفسیر نمونہ)

وَيۡلٌ لِّكُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيۡمٍۙ ۝۷ (۷) غرض تباہی اور بربادی ہے ہر ایسے گنہ گار جھوٹے شخص کے لیے۔

يَّسۡمَعُ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُتۡلٰى عَلَيۡهِ ثُمَّ يُصِرُّ مُسۡتَكۡبِرًا كَاَنۡ لَّمۡ يَسۡمَعۡهَا‌ ۚ فَبَشِّرۡهُ بِعَذَابٍ اَلِيۡمٍ ۝۸ (۸) جس کے سامنے اللہ کی آیتیں پڑھی جائیں اور وہ انھیں سنتا بھی ہے۔ پھر وہ تکبّر کے ساتھ اپنے انکار پر اس طرح اڑ جائے کہ جیسے اُس نے کچھ سنا ہی نہیں ایسے شخص کو تو بس سخت تکلیف دینے والی سزا کی خوشخبری سنا دیجیے۔

امام رازی نے نتیجہ نکالا کہ اصولِ دین پر ایمان لانے میں تقلید جائز نہیں۔ تقلید صرف فروعِ دین میں ہو سکتی ہے۔ ہر شخص کو اصولِ دین یعنی توحید، رسالت، امامت، قیامت کے سلسلے میں عقل و فہم سے کام لینا ضروری ہے اور سمجھ کر ماننا ضروری ہے۔ ☆ (تفسیر کبیر)

www.drhasanrizvi.com

خداوندِ عالم کا فرمانا کہ: "وہ تکبّر کی وجہ سے اپنے انکار پر اس طرح اڑ جائے جیسے اس نے کچھ سُنا ہی نہیں۔" اس سے معلوم ہوا کہ انکارِ حق اور تکذیبِ رُسل کی اصل وجہ تکبّر ہوا کرتا ہے۔ تکبّر کرنے والے کی سزا ذلیل کیا جانا ہی ہونا چاہیے۔

تکبّر کرنے والا انبیاء کرام، مصلحین اور خدا کے پیغامات و تعلیمات سے خود کو بلند و بالا سمجھتا ہے۔ خدا والوں کو ظاہری غربت کی وجہ سے ذلیل و خوار اور درخورِ اعتنا نہیں سمجھتا۔ اس لیے اس کے لیے ذلیل کرنے والی سزا بالکل تیار رکھی گئی ہے۔ جیسی کرنی ویسی بھرنی۔

(تفسیر ماجدی)

اصل میں ۲ دو قسم کے لوگ

ہوا کرتے ہیں۔ ان میں بلا کا فرق ہوا کرتا ہے۔

(۱) ایک شخص وہ ہوتا ہے جو واقعتاً نیک نیتی کے ساتھ خداوندِ عالم کی آیتوں، دلیلوں کو کھُلے دل سے سنتا ہے اور پھر ان پر واقعتاً غور و فکر بھی کرتا ہے۔ وہ واقعتاً سمجھنا چاہتا ہے۔ اس نے پہلے سے انکار کرنے کا فیصلہ نہیں کر لیا ہوتا ہے۔ اور نہ بغیر سوچے سمجھے اپنے فیصلوں پر ڈٹا رہتا ہے۔ ایسا آدمی جب خدا کی آیتوں، دلیلوں کو سنتا ہے تو اس کے اطمینان اور ایمان میں اور اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ طالبِ حق ہوتا ہے۔ جس طرح ایک طالبِ علم جس قدر پڑھتا جاتا ہے اس کا علم بڑھتا جاتا ہے۔

(۲) رہا دوسری قسم کا آدمی جو قرآن کی آیتیں سُن کر بھی ایمان نہیں لاتا۔ پہلے ہی سے فیصلہ کر چکا ہوتا ہے کہ: "میں نہ مانوں۔" اس قسم کے لوگوں پر خدا کی آیتوں کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ وہ چکنے گھڑے کی طرح ہو جاتا ہے کہ جس قدر پانی ڈالیے فوراً ہر طرف سے بہہ کر گر جاتا ہے۔ ع "اثر اس پر مگر نہیں ہوتا"

www.drhasanrizvi.com

اس قسم کے لوگ تین قسم کے ہوتے ہیں۔

(۱) وہ جھوٹے (افّاک) ہوتے ہیں۔ اس لیے سچائی انھیں قطعاً اپیل ہی نہیں کرتی۔ جیسے بھینس پر بین بجانے کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔

(۲) دوسرے وہ اَثیم یعنی بدکار، ظالم، فاسق، فاجر ہوتے ہیں۔ اس لیے اچھی تعلیمات اور اچھے اخلاق کی باتیں انھیں سخت ناگوار ہوتی ہیں۔ کیونکہ ان باتوں کے مان لینے سے انھیں اخلاقی ضابطوں کا پابند ہونا پڑتا ہے جو انھیں کسی طرح گوارا نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ اس طرح ان کی تمام عیاشیاں، بدمعاشیاں ـــ مے خوریاں، زناکاریاں ختم ہوتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں جو ان کی زندگی بن چکی ہوتی ہیں۔

(۳) تیسرے ایسے لوگ مستکبر یعنی متکبّر ہوتے ہیں۔ خود کو بہت زیادہ عقل مند اور بڑا آدمی سمجھتے رہنا وہ اسی گھمنڈ میں مبتلا رہتے ہیں کہ وہ سب کچھ جانتے ہیں۔ ہمیں بھلا کوئی کیا سکھا سکتا ہے؟ اس لیے وہ خدا کی آیتوں کو بھی اس قابل نہیں سمجھتے کہ ان پر غور و فکر کریں یا ایک لمحہ فکر بھی ان کے لیے خرچ کریں۔ وہ خود کو علامۂ جہاں سمجھتے ہیں اور کیونکہ دولت شہرت عہدہ بھی رکھتے ہیں اس لیے خوشامدی لوگ ان کے سامنے ہر وقت دانت نکالے رہتے ہیں۔ اس لیے ان کو یہ یقین ہو جاتا ہے کہ ہم سے بڑا عقل مند کوئی شخص دنیا میں آج تک پیدا ہی نہیں ہوا۔ اس لیے ہم جو بات سمجھتے ہیں اس سے زیادہ کوئی صحیح بات ہو ہی نہیں سکتی۔ بقول اکبر: ؎ "علامۂ جہاں ہیں بڑے فیلسوف ہیں

یہ اور بات ہے کہ بڑے بے وقوف ہیں" (اکبر الٰہ آبادی)

(تفسیر کبیر۔ مجمع البیان۔ تفہیم۔ انوار النجف۔ تفسیر نمونہ)

www.drhasanrizvi.com

وَاِذَا عَلِمَ مِنۡ اٰيٰتِنَا شَيۡئَـا ۨاتَّخَذَهَا هُزُوًا‌ ؕ اُولٰٓـئِكَ لَهُمۡ عَذَابٌ مُّهِيۡنٌ ؕ‏ ﴿۹﴾

(۹) جب بھی اُسے ہماری آیتوں، باتوں، دلیلوں، نشانیوں میں سے کسی کا علم ہوتا ہے، تو وہ اُسے مذاق بنالیتا ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے بڑی ذلیل کرنے والی سزا ہے۔

مِنۡ وَّرَآئِهِمۡ جَهَنَّمُ‌ ۚ وَلَا يُغۡنِىۡ عَنۡهُمۡ مَّا كَسَبُوۡا شَيۡــئًا وَّلَا مَا اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اَوۡلِيَآءَ‌ ۚ وَلَهُمۡ عَذَابٌ عَظِيۡمٌ ؕ‏ ﴿۱۰﴾

(۱۰) پھر اُن کے آگے آگے جہنّم بھی ہے۔ جو کچھ بھی اُنھوں نے (دُنیا میں) کمایا ہے، اُس میں سے کوئی چیز بھی نہ تو اُن کے کسی کام آئے گی اور نہ کوئی فائدہ پہنچائے گی، اور نہ اُن کے وہ دوست اور سرپرست اُن کے کچھ کام آئیں گے جنھیں اُنھوں نے اللہ کو چھوڑ کر

www.drhasanrizvi.com

اپنا دوست اور سرپرست بنا رکھا ہے۔ اُن کے لیے تو بس ایک بہت بڑی سزا ہے۔

عربی میں "ورار" کا لفظ ہر اس چیز کے لیے بولا جاتا ہے جو انسان کو دکھائی نہ دے، چاہے وہ چیز انسان کے آگے ہو یا پیچھے ہو۔ اسی لیے اس آیت کے دو ترجمے کیے گئے ہیں۔

(۱) ان کے پیچھے جہنّم ہے۔ (۲) ان کے آگے جہنّم ہے۔

اگر جہنّم آگے تصوّر کی جائے تو آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ احمق منہ اٹھائے زندگی کی راہ پر سرپٹ دوڑے چلے جا رہے ہیں، جبکہ ان کو یہ خبر ہی نہیں کہ آگے جہنّم ہے جس میں یہ اوندھے منہ جا گریں گے۔ اور اگر مطلب یہ لیا جائے کہ جہنّم ان کے پیچھے پیچھے ہے، تو پھر آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ آخرت کی سزا سے بے فکر ہو کر خوب ڈٹ کر بے فکری کے ساتھ شرارتیں، ظلم، قتل، بدمعاشیاں کیے چلے جا رہے ہیں جبکہ ان کو پتہ ہی نہیں کہ جہنّم جیسی سخت ترین سزا ان کے پیچھے لگی ہوئی ہے۔

(تفسیر کبیر۔ مجمع البیان۔ تفہیم۔ انوار النجف)

خداوند عالم کا یہ فرمانا کہ: "نہ ان کے "ولی" (سرپرست) ان کے کچھ کام آسکیں گے۔"

تو یہاں پر ولی کے دو معنی ہیں: (۱) دیوتا، دیویاں، زندہ مردہ پیر فقیر، مذہبی رہنما، جن کے بارے میں مشرکین کا یہ عقیدہ تھا کہ وہ جو چاہیں گناہ، بدکاریاں کریں، یہ دیوی دیوتا، ارواح، جنات، پیر فقیر ان کو خدا کی سزا سے ضرور بچالیں گے کیونکہ وہ خدا کے شریک ہیں اور خدائی اختیارات رکھتے ہیں۔ ان کے ہوتے خدا ہم کو سزا نہیں دے سکتا۔ کیونکہ ہم ان کے ماننے پوجنے والے ہیں۔

www.drhasanrizvi.com

(۲) دوسرے "ولی" سے مراد، حکامِ جور، ظالم حکمران، سردار، سرمایہ دار، وڈیرے، لیڈران قوم امراء حکام جن کی لوگ آنکھیں بند کرکے اطاعت کرتے ہیں، چاہے وہ خدا کے حکم کے خلاف ہی انھیں حکم دیں، وہ ان کی اطاعت بڑی خوشی سے کیے چلے جاتے ہیں۔ یہ سمجھ کر کہ بس ان کو راضی رکھنے میں ساری کامیابیوں کی کنجی ہے۔ ※ (تفسیر کبیر۔ تفہیم)

کیونکہ جن لوگوں نے دنیا میں خدا کی آیتوں کو معمولی سمجھا، اس لیے خدا نے ان کی سزا کو بڑھا کر غیر معمولی یعنی عظیم بنا دیا۔ وہ خدا کی آیتوں کو چھوٹا سمجھتے تھے اس لیے بڑے عذاب میں پھینکے گئے اور کیونکہ خود کو بہت بڑا عزت والا سمجھتے تھے اس لیے سخت ذلیل کرنے والی سزاؤں میں گرفتار کیے گئے۔

"جیسی کرنی ویسی بھرنی۔" ※ (تفسیر نمونہ)

هٰذَا هُدًى ۚ وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَهُمْ عَذَابٌ مِّن رِّجْزٍ أَلِيمٌ ﴿١١﴾ ع ۱۶/۱۱

(۱۱) غرض یہ (قرآن) سراسر ہدایت ہی ہدایت ہے۔ رہے وہ لوگ جنھوں نے اپنے پالنے والے مالک کی باتوں اور آیتوں کا انکار کیا، اُن کے لیے بڑی سخت تکلیف دینے والی سزا ہے۔

خداوندِ عالم کا ارشاد کہ: "جن لوگوں نے اپنے پالنے والے مالک کی نشانیوں، دلیلوں آیتوں کا انکار کیا ان کے لیے (رجز) سخت پریشان کرنے والی دردناک سزا ہے۔"

www.drhasanrizvi.com

رجز (بروزنِ حرص) کے معنی سخت بے چینی، اضطراب، لرزا دینے والی بدنظمی۔ طاعون کی بیماری اور ژالہ باری کو بھی رجز کہتے ہیں۔ جنگی اشعار کو رجز بھی اس لیے کہتے ہیں کہ وہ لشکروں میں اضطراب اور دشمن کی فوجوں میں بدنظمی پیدا کر کے لرزا دیتے ہیں۔ یہاں مراد ایسی سخت سزا ہے جو سخت بے چینی اور اضطراب پیدا کر دے گی۔

(مفردات امام راغب)

ہوا، پانی اور کشتیوں کا سمندر میں تیرنا وہ طاقتیں ہیں کہ اگر نہ ہوتیں تو دنیا والے تجارتی مال دُور دُور تک نہ پہنچا سکتے۔ آبادیاں بھوکی مر جاتیں۔ اسی لیے یہ چیزیں خدا کی عظیم نعمتیں اور قدرت و حکمت کی نشانیاں ہیں۔ جیسا کہ فرمایا:

"کشتیوں کو تمھارے تابع فرمان بنا دیا ہے تاکہ خدا کے حکم (یا قانون) کے مطابق سمندر میں چلتی رہیں۔" (سورۂ ابراہیم ۱۴، آیت ۳۲، پ۱۳)

اس کے فوراً بعد فرمایا: "خدا نے نہروں کو تمھارے قبضۂ قدرت میں دے دیا ہے۔"

(سورۂ ابراہیم ۱۴، آیت ۳۲، پ۱۳)

اَللّٰهُ الَّذِیْ سَخَّرَ لَكُمُ	(۱۲) اللہ وہ ہے جس نے سمندر
الْبَحْرَ لِتَجْرِیَ الْفُلْكُ	تک کو تمھارے قبضے میں دے
فِیْهِ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا	دیا تاکہ اُس میں اُس کے حکم سے
مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ	کشتیاں چلیں۔ اور تاکہ تم خدا

www.drhasanrizvi.com

تَشْكُرُونَ ﴿١٢﴾ کے فضل و کرم (مراد روزی)

کو تلاش کرو، اور یہ سب اس لیے کیا تاکہ تم خدا کا شکر ادا کرو۔

مطلب یہ ہے کہ سمندری تجارت کرو، ماہی گیری کرو، غواصی، جہازرانی سے روزی کماؤ۔

(تفسیر کبیر۔ تفہیم) ※

خداوند عالم کا فرمانا: "اللہ وہ ہے جس نے سمندر کو تمھارے لیے مسخر کر دیا۔" تسخیر کرنے کے معنی قبضہ میں دے دینے کے ہوتے ہیں۔ اس کے دوسرے معنی فائدہ اٹھانے کے ہو جاتے ہیں لیکن اصل معنی قابو میں دینے ہی کے ہیں۔ کیونکہ ہم کسی چیز سے اسی وقت پورا پورا فائدہ اٹھا سکتے ہیں جب وہ ہمارے قابو میں ہو۔

اب کیونکہ خدا نے ہمیں اتنی بڑی بڑی چیزیں قابو میں دے دی ہیں، اس کا منطقی تقاضا یہ ہے کہ ہم خود کو اختیاراً خداوند عالم کے قابو میں دے دیں یعنی ہمارے ارادے خدا کے قابو میں رہیں ہم اس کے قوانین کے پابند رہیں۔ یہی جواب ہے اس کی عطاؤں کا۔

(تفسیر ماجدی) ※

مومن تو فقط حکمِ الٰہی کا ہے پابند
نقدیر کے پابند نباتات و جمادات

آخر میں خداوند عالم کا فرمانا: "تاکہ تم شکر ادا کرو۔" تو اصل شکر یہی ہے کہ بندہ خدا کی نعمتوں کو خدا کی مرضی کے مطابق استعمال کرے۔ اور تہِ دل سے اعتراف کرے

www.drhasanrizvi.com

کہ سب کچھ اسی کی عطا سے ہے۔ ⁂ (مؤلف)

جو کچھ ہوا، ہوا کرم سے تیرے جو کچھ ہوگا، ترے کرم سے ہوگا

گویا شکر یہ ہے کہ (۱) خدا کی ربوبیت اور عطاؤں کا دل و زبان سے اعتراف کیا جائے۔ (۲) پھر عملاً خدا کے احکام کی تعمیل کی جائے۔

یہاں پر خداوند عالم نے "فضل" کا لفظ استعمال فرمایا ہے جس کے معنی بہت وسیع ہیں اس جگہ اس فضل و کرم سے مراد بحری تجارت بھی ہے۔ بحری شکار اور غذائیں بھی ہیں۔ جہاز رانی بھی ہے۔ سیپی، موتی، مونگے اور غواصی کا کاروبار بھی اس میں شامل ہے۔ ⁂ (بیضاوی)

وَسَخَّرَ لَكُمۡ مَّا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ جَمِيۡعًا مِّنۡهُ‌ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ يَّتَفَكَّرُوۡنَ ۝۱۳

(۱۳) (یہی نہیں بلکہ) اُس نے تو زمین اور آسمان کی تمام چیزوں کو تمھارے قبضہ میں دے دیا۔ وہ بھی سب کچھ اپنے پاس سے (دیا) یہ سب کچھ خدا کی طرف سے ہے۔ اس میں بڑی نشانیاں اور دلیلیں ہیں اُن لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرنے والے ہیں۔

www.drhasanrizvi.com

خداوند عالم کا یہ فرمانا کہ : "خدا نے زمین اور آسمان کی ساری چیزوں کو تمھارے لیے مسخر کردیا۔" "سب کچھ اپنے پاس سے۔" (جَمِيعًا مِّنْهُ) کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی دین اور بخششیں بادشاہوں کی سی نہیں ہوا کرتیں کہ جو رعیت سے وصول کیا وہ اپنے چمچوں کو بخش دیا خدا نے جو کچھ ہمیں بخشا ہے وہ کسی کا مانگا تانگا ہوا نہیں بخشا ہے بلکہ یہ ساری نعمتیں اس نے خود اپنے آپ پیدا کی ہیں۔ اور پھر خود اپنی طرف سے انسان کو عطا کی ہیں۔

دوسری بات یہ بھی بتائی کہ ان تمام نعمتوں کے پیدا کرنے میں اللہ کا کوئی شریک، ساتھی ساجھی، ہمکار نہیں ہے۔ سب کچھ اکیلے خدا نے پیدا کیا ہے اور اسی اکیلے خدا نے ان تمام چیزوں کو ہمارے قبضے میں دے دیا ہے۔

٭ (تفسیر کبیر۔ مجمع البیان، تفہیم، تفسیر نمونہ)

تیسری بات یہ بتلائی کہ غور و فکر ہی وہ چیز ہے جس سے ہدایت اور معرفت کی راہیں نکلتی ہیں۔ انسان جس قدر خدا کی نشانیوں اور تخلیقات پر غور و فکر کرتا ہے اسی قدر خدا کی قدرت، حکمت، عظمت، احسانات کو مانتا سمجھتا چلا جاتا ہے اسی قدر اس کے ایمان کے درجات میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ اسی لیے امام جعفر صادق ؑ سے روایت ہے کہ فرمایا:

"تفکر ساعۃ افضل من عبادۃ سبعین سنوات"

"ایک گھنٹہ غور و فکر کرنا ستر سال کی عبادت سے افضل ہے۔"

٭ (الکافی)

رہے فلسفیوں کے غلط الٹے سیدھے نتائج و مکالمات تو یہ عقل کو صحیح طور پر استعمال

www.drhasanrizvi.com

ذکرنے کا نتیجہ ہے۔ یہ عقل و فکر کی مسخ شدہ صورت ہے۔

ع "عقل عیار ہے سو بھیس بدل لیتی ہے۔" (اقبال)

محققین نے نتیجے نکالے

(۱) انسان جس قدر سائنس میں ترقی کرکے کائنات کی قوتوں کو اپنے تصرف میں لاتا جائے گا اتنا ہی خالق کے منشا کو پورا کرے گا ۔ بشرطیکہ وہ ساتھ ساتھ خدا کے احسانات اور عطاؤں کا اقرار اور شکر بھی کرتا جائے۔ ورنہ جس قدر خدا کی نعمتوں کو استعمال کرے گا اسی قدر کفرِ نعمت کی سزا پائے گا۔

(۲) دوسرا نتیجہ یہ نکالا کہ کائنات کی تمام طاقتیں اور نعمتیں اور ان کو قابو میں لانے کی تمام تر صلاحیتیں خداوند عالم کی عطا سے ہیں۔ کسی دیوی ، دیوتا کی دین نہیں ہیں۔

(تفسیر روح المعانی ۔ تفسیر ماجدی)

قُلْ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَغْفِرُوْا لِلَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ اَيَّامَ اللّٰهِ لِيَجْزِيَ قَوْمًا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۴﴾

(۱۴) ابدی حقیقتوں کو دل سے ماننے والے ایمانداروں سے کہہ دیجیے کہ جو لوگ اللہ کی طرف سے برے دنوں کے آنے کی کوئی امید یا اندیشہ نہیں رکھتے ، انھیں (فی الحال) معاف کرکے چھوڑ دیں ، تاکہ اللہ خود ان کے

www.drhasanrizvi.com

کسی گروہ کو اُن کے بُرے کاموں کا بدلہ دے۔

اس کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ اللہ ائمہ برحق سے فرمارہا ہے کہ تم ائمہ جور (ظالم جابر حاکموں) کے لیے بددعا نہ کرو تاکہ ہم خود ان سے اچھی طرح نمٹ لیں ایسی عبرتناک سزا دے کر جو ان کے کرتوت کے عین مطابق ہو۔ ☼ (تفسیر صافی)

خداوندعالم کا یہ فرمانا کہ " لَا یَرۡجُوۡنَ اَیَّامَ اللّٰهِ " یعنی اُن لوگوں کو اللہ کی طرف سے بُرے دنوں کا کوئی خوف نہیں۔

عربی محاورہ کے مطابق ایام، خاص دنوں سے مراد یادگار دن ہوتے ہیں جن میں کوئی اہم تاریخی واقعہ رونما ہوا ہو۔ مثلاً اُیامِ عرب سے مراد وہ دن ہیں جن میں عربوں کے قبیلوں میں بڑی زبردست جنگیں ہوئی تھیں۔

"ایام اللہ" (یعنی) "اللہ کے خاص دنوں" سے مُراد کسی قوم کے وہ بُرے دن ہیں جن میں ان پر اللہ کا غضب یا عذاب ٹوٹا۔ اور وہ اپنے بُرے کاموں کی وجہ سے تہس نہس کر دی گئی اس لحاظ سے آیت کا مطلب یہ ہوا کہ وہ لوگ اللہ کی طرف سے آنے والے بُرے دن یعنی قیامت یا موت کے دن کا خوف نہیں رکھتے۔ وہ کبھی یہ نہیں سوچتے کہ ایک دن ضرور ایسا آئے گا جس دن ہمارے بُرے کام رنگ لائیں گے۔

☼ (تفسیر کبیر۔ مجمع البیان۔ تفہیم۔ انوار النجف)

ع " رنگ لائے گی ہماری فاقہ مستی ایک دن "

www.drhasanrizvi.com

ے بکرے کی ماں کب تک خیر منائے گی
ایک نہ ایک دن چھری تلے آئے گی

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ۚ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۵﴾

(۱۵) غرض جو کوئی بھی نیک کام کرے گا، تو وہ اپنے ہی فائدے کے لیے کرے گا' اور جو برائی کرے گا تو وہ خود اپنا ہی نقصان کرے گا۔ پھر تم سب کو پلٹنا تو اپنے پالنے والے مالک ہی کی طرف ہے۔

مطلب یہ ہے کہ جو شخص اچھے اور نیک کام کرتا ہے وہ خود ہی کو فائدے پہنچاتا ہے۔ خود اپنے اوپر احسان کرتا ہے۔ کسی دوسرے پر احسان نہیں کرتا۔ اور برائی کا وبال اور سزا صرف برائی کرنے والے ہی کو خود بھگتنی ہوگی۔ ☼ (تفسیر ماجدی)

حاصل بیان یہ ہے کہ سب نفع نقصان ہمارے لیے ہے۔ خدا کو ہماری نیکیوں سے نہ کوئی فائدہ ہوتا ہے اور نہ ہماری برائیوں سے کوئی نقصان پہنچتا ہے۔ وہ نقصان نفع سے بہت بلند ہے۔ اگر ہم نیک اعمال انجام دیتے ہیں تو ہم روحانی حقیقی ترقی کرتے ہیں۔ اور قرب یعنی

www.drhasanrizvi.com

رضائے الٰہی کا قرب حاصل کرتے چلے جاتے ہیں۔ یہی حقیقی ترقی یا ارتقا ہے۔ اگر یہ گناہ کرتے ہیں تو خدا کے غضب یا ناراضگی کا شکار ہوتے چلے جاتے ہیں یہاں تک کہ ابدی لعنت اور عذاب میں پھینک دیے جاتے ہیں۔ ✲ (تفسیر نمونہ)

جیسا کہ خود خداوند عالم نے فرمایا:

"جو شخص شکر بجالاتا ہے تو وہ خود اپنے ہی فائدے کے لیے شکر ادا کرتا ہے اور جو شخص کفرِ نعمت (نعمتوں کے ملنے کا انکار) کرتا ہے تو خدا (اس کے شکر و حمد سے) بے نیاز اور از خود قابل تعریف ہے۔ (چاہے وہ تعریف کرے یا نہ کرے) ✲ (سورہ لقمان ۳۱، آیت ۱۲، پ ۲۱)

نیز خدا نے فرمایا:

"جو شخص ہدایت حاصل کرتا ہے وہ خود اپنے فائدے کے لیے حاصل کرتا ہے اور جو گمراہی اختیار کرتا ہے تو اس کا نقصان بھی خود اسی کو ہوگا۔"

✲ (سورہ زمر ۳۹، آیت ۴۱، پ ۲۴)

نیز فرمایا: "جو شخص پاکیزگی (اچھا کردار) اپناتا ہے وہ خود اپنے ہی ذاتی فائدے کے لیے اپناتا ہے۔ (کیونکہ) سب لوگوں کو لوٹ کر خدا ہی کی طرف جانا ہے۔"

✲ (سورہ فاطر ۳۵، آیت ۱۸، پ ۲۲)

یعنی پاکیزگی کردار ے کر لوٹے گا تو اجرِ عظیم پائے گا اور ناپاکیزہ کردار جہنم کے حوالے کیا جائے گا۔ ✲ (مؤلف)

www.drhasanrizvi.com

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٦﴾

(۱۶) ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب، حکمت اور نبوّت عطا کی تھی۔ اور انھیں پاک صاف غذاؤں سے رزق بھی عطا کیا تھا۔ وہ بھی تمام دنیا جہان والوں سے زیادہ۔

قوم بنی اسرائیل کو فضیلت دینے کا لفظ اور بیان بار بار قرآن میں آیا ہے جس کے معنیٰ "کثرتِ عطا" کے ہیں۔ یا۔ دوسری قوموں سے کچھ باتوں میں ترجیح دینا مراد ہے۔ اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ بنی اسرائیل کو بحیثیت مرتبہ ساری کی ساری قوموں پر فضیلت حاصل ہے۔ زیادہ سے زیادہ اپنے زمانے کی قوموں پر فضیلت حاصل تھی جو خود انھوں نے اپنے کرتوت سے گنوا ڈالی۔

اب یہ فضیلت امتِ محمدیہ کو حاصل ہے۔

اور "طیبات" سے مراد، پاک صاف حلال غذائیں اور چیزیں ہیں۔ ٭٭ (تفسیر ماجدی)

حکم سے مراد تین چیزیں ہوا کرتی ہیں:

(۱) کتاب کا علم، فہم، یعنی دین کی گہری سمجھ۔

www.drhasanrizvi.com

(۲) کتاب خدا کے مطابق کام کرنے کا طریقۂ کار۔

(۳) لوگوں کے معاملات میں صحیح ترین فیصلہ کرنے کی صلاحیت۔

(تفسیر کبیر۔ مجمع البیان۔ تفہیم) ✲

بنی اسرائیل کو کیا کیا نعمتیں دی گئیں

✲ (۱) آسمانی کتاب یعنی توراۃ۔

✲ (۲) حکومت، عزت، طاقت۔ ان میں حضرت داؤد اور حضرت سلیمان جیسے بادشاہ ہوئے۔

✲ (۳) نبوت۔ ایک روایت کے مطابق بنی اسرائیل میں انبیاء کی تعداد ایک ہزار سے بھی زیادہ تھی۔ ✲ (مجمع البیان جلد ۹) دوسری روایت کے اعتبار سے بنی اسرائیل کے انبیاء کی تعداد چار ہزار تھی۔ ✲ (بحار الانوار۔ جلد ۱۱۔ طبع جدید)

✲ (۴) پاک پاکیزہ روزی۔

✲ (۵) اس وقت کی دوسری قوموں پر برتری یا فضیلت۔

یہاں عالمینؑ سے مراد اس زمانے کے لوگ ہیں۔ کیونکہ خداوند عالم نے مسلمانوں سے عمومی طور پر فرمایا ہے۔ "کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ"

"تم (مسلمان) بہترین امت ہو جو لوگوں کے فائدے کے لیے پیدا کیے گئے ہو۔"

(سورۃ آل عمران ۳، آیت ۱۱۰/پ۴)

✲

دوسری جگہ جناب رسولؐ خدا کے لیے فرمایا:

"اس دن جب ہم ہر امت میں سے ایک ایک گواہ خود انھیں میں سے اٹھائیں گے

www.drhasanrizvi.com

اور آپ کو ان سب پر گواہ ٹھہرائیں گے۔" ٭ (القرآن۔ سورہ نحل۔ ۸۹)

وَاٰتَیۡنٰهُمۡ بَیِّنٰتٍ مِّنَ الۡاَمۡرِ ۚ فَمَا اخۡتَلَفُوۡۤا اِلَّا مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَهُمُ الۡعِلۡمُ ۙ بَغۡیًۢا بَیۡنَهُمۡ ؕ اِنَّ رَبَّكَ یَقۡضِیۡ بَیۡنَهُمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ فِیۡمَا کَانُوۡا فِیۡهِ یَخۡتَلِفُوۡنَ ﴿۱۷﴾

(۱۷) پھر انھیں دین کے کھلے ہوئے واضح دلائل اور ہدایات بھی عطا کیں۔ مگر انھوں نے ایک دوسرے سے اختلاف کیا (وہ بھی ناواقفیت کی وجہ سے نہیں بلکہ) علم کے آجانے کے بعد، اس لیے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے پر زیادتی کرنا چاہتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ تمھارا پالنے والا مالک قیامت کے دن اُن کے درمیان ان باتوں کا فیصلہ کر دے گا جن میں وہ

www.drhasanrizvi.com

اختلاف کرتے تھے۔

ثُمَّ جَعَلۡنٰكَ عَلٰى (۱۸) پھر ہم نے آپؐ کو دین کے
شَرِيۡعَةٍ مِّنَ الۡاَمۡرِ ایک واضح راستے (شریعت)
فَاتَّبِعۡهَا وَلَا تَتَّبِعۡ پر قائم کردیا۔ تو آپؐ اُسی
اَهۡوَآءَ الَّذِيۡنَ لَا پر چلیے اور ان (لوگوں) کے
يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۸﴾ غلط خیالات اور خواہشات
کی پیروی نہ کیجیے جو علم نہیں رکھتے۔

محققین نے نتیجہ نکالا کہ دین اسلام کا کوئی فروع یا کوئی اصول جناب رسولِؐ خدا کا بنایا ہوا نہیں ہے بلکہ خدا کی طرف سے بھیجا ہوا ہے۔ صرف ان کو پہنچانا اور نافذ کرنا اور ان کا عملی نمونہ بننا رسولؐ کا کام ہے۔ ☼ (فصل الخطاب)

آیت کا پیغام _ یہ ہے کہ جو کام پہلے بنی اسرائیل کے سپرد کیا گیا تھا، اب وہ اے مسلمانو! تمہارے سپرد کیا جارہا ہے۔ اب تم اس قانونِ الٰہی کی خود بھی پیروی کرو اور دوسروں تک بھی اس پیغام کو پہنچاؤ۔ اور یہودیوں کی طرح اپنی نفسانی خواہشات کی تسکین کی خاطر آپس

www.drhasanrizvi.com

میں اختلافات پیدا نہ کرو جس طرح بنی اسرائیل کے یہودیوں نے آپس میں گروہ بندیاں کر کر کے خود کو تباہ کر ڈالا اور آخر کار وہ پھر اس قابل ہی نہ رہے کہ خدا راستے پر خود چل سکیں اور دوسروں کو خدا کے راستے پر چلا سکیں۔ اسی لیے ان کو ہٹا کر اے مسلمانو! اب یہ کام تمھارے سپرد کیا جارہا ہے تمھیں دین خدا کی صاف شاہراہ پر کھڑا کیا جا رہا ہے تاکہ تم خدا کے دین پر خود بھی عمل کرو اور دوسروں کو بھی عمل کی دعوت دو۔ لہٰذا تم وہ سب کام نہ کرنا جو یہودیوں نے کیے ورنہ تم بھی انھیں کی طرح حرفِ غلط کی طرح کاٹ کر کوڑے کرکٹ کی طرح پھینک دیے جاؤ گے۔

٭ (تفسیر کبیر۔ تفہیم۔ مجمع البیان۔ انوار النجف)

حقیقت یہ ہے کہ انسان کے لیے دو راستوں کے علاوہ تیسرا کوئی راستہ نہیں ہے۔

(۱) ایک یہ کہ وہ انبیاء کرام کے اس طریقۂ زندگی کو اختیار کرے جو خداوند عالم نے ان کو وحی کے ذریعہ بتلایا ہے۔

(۲) اپنی اور دوسروں کی خواہشات کے مطابق زندگی گزارنا۔

اگر کوئی شخص پہلے راستے سے منہ موڑے گا تو دوسرے راستے پر ہی چلے گا۔ اگر جاہلوں کے راستے سے منہ موڑلے گا تو انبیاء کرام کے راستے پر چلے گا۔ قرآن نے اس راستے کو گمراہی قرار دیا ہے جو وحی الٰہی سے استفادہ کیے بغیر اختیار کیا جائے۔

٭ (تفسیر نمونہ)

شانِ نزول بعض مفسرین نے لکھا کہ قریش کے رؤسا جناب رسولؐ خدا کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ: آئیے ہم دونوں اپنے بزرگوں کے دین کی طرف پلٹ آئیں کیونکہ: (۱) وہ

www.drhasanrizvi.com

ہم سے افضل تھے (۲) اور ہم سے زیادہ صحت مند، دولت مند اور طاقت ور تھے۔

اسی موقع پر یہ آیت اتری۔ کہ:

"ہم نے آپؐ کو برحق شریعت اور دین پر قائم کر رکھا ہے بس اسی کی پیروی کرتے رہو۔ نادان جاہلوں، سرکشوں کی خواہشات کے پیچھے مت چلو۔"

یہ جاہلوں کا بڑا پرانا استدلال ہے کہ ہم بہتر ہیں یا ہمارے باپ دادا؟

؎ آئینِ نَو سے ڈرنا، طرزِ کہن پہ اڑنا
منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں (اقبالؔ)

باپ دادا کا احترام تو کیا جا سکتا ہے لیکن ان کے طریقۂ زندگی کو حق و باطل کا معیار نہیں بنایا جا سکتا۔ حق و باطل کا معیار خدا کا فرمان ہی ہو سکتا ہے۔ یا پھر اقوالِ انبیاء کرام و اقوال معصومینؑ۔ (مؤلف)

إِنَّهُمْ لَن يُغْنُوا عَنكَ (۱۹) وہ اللہ کے مقابلے پر آپؐ کو مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ۚ وَ ہرگز کچھ فائدہ نہیں پہنچائیں إِنَّ الظَّالِمِينَ بَعْضُهُمْ گے (کیونکہ) حقیقت یہ ہے کہ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۖ وَاللَّهُ ظالم لوگ تو ایک دوسرے کے وَلِيُّ الْمُتَّقِينَ ﴿١٩﴾ ساتھی، پشت پناہ اور سرپرست

www.drhasanrizvi.com

ہوتے ہیں۔ اور اللہ کی ناراضگی اور بُرائیوں سے بچنے والے 'متقین' کا ساتھی، پشت پناہ اور سرپرست تو خود اللہ ہے۔

ظاہراً بات جناب رسولؐ خدا سے کہی جارہی ہے لیکن حقیقتاً امّت کو تعلیم دینا مقصود ہے۔ ✲ (تفسیر صافی. تفسیر قمی)

خداوندعالم کا فرمانا کہ: "تم ان لوگوں کی خواہشات کے پیچھے پیچھے نہ چلو جو علم نہیں رکھتے اللہ کے مقابلے پر وہ تمھارے کچھ کام نہیں آسکتے۔" یعنی اگر تم نے ان جاہل حاکموں، بادشاہوں، آمروں، وڈیروں، سرمایہ داروں کو راضی کرنے کے لیے اللہ کے دین میں کسی قسم کی تبدیلی کی تو پھر اللہ کی پکڑ سے یہ لوگ تمھیں ہرگز نہ بچا سکیں گے۔

✲ (تفسیر کبیر، تفہیم، تفسیر نمونہ)

هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۲۰﴾

(۲۰) یہ (قرآن) سب لوگوں کے لیے بصیرتوں کا سرمایہ ہے اور ہدایت اور رحمت ہے ان لوگوں کے لیے جو (ابدی حقیقتوں اور خدا و رسولؐ پر) یقین کریں۔

"بصیرت" کے معنی بینائی، سمجھ، عقلی دلیل ہے۔ اصل مراد دل کی بینائی ہے

www.drhasanrizvi.com

عبرت یا سبق حاصل کرنا ہے۔ حجت قائم کرنا ہے۔ ☼ (لغات القرآن نعمانی)

آیت کا مطلب یہ ہے کہ یہ قرآن اور اس کی شریعت یا قانون دنیا کے تمام انسانوں کے لیے ہدایت کی روشنی ہے جو حق اور باطل کو واضح طور پر الگ الگ کر دیتی ہے۔ مگر اس کتاب اور قانون سے صرف وہی لوگ ہدایت حاصل کر پاتے ہیں جو اس کی سچائی پر دل سے یقین رکھتے ہیں۔ اس لیے یہ کتاب اور یہ قانون انھیں لوگوں کے لیے سراسر رحمت ہی رحمت ہے۔

☼ (تفسیر کبیر۔ انوار النجف۔ مجمع البیان۔ تفہیم)

اس آیت میں قرآن کی تین خصوصیات کو بیان کیا گیا ہے۔

(۱) بصائر۔ جو بصیرت کی جمع ہے۔ یعنی عقلی، فکری دلیل یا فہم و فراست۔

؎ دلِ بینا بھی کر خدا سے طلب آنکھ کا نور دل کا نور نہیں
(اقبال)

(۲) ہدایت۔ یعنی صحیح، غلط، حق اور باطل کا امتیاز۔

(۳) رحمت۔ یعنی قرآن ہم پر خدا کی رحمت اور مہربانی کی وجہ سے اتارا گیا ہے۔

ان تینوں میں تعلق یہ ہے کہ اگر انسان میں بصیرت یعنی عقل و فہم سے کام لینے کی خصوصیت ہوتی ہے تو وہ اسے ہدایت کی طرف کھینچتی ہے وہ قرآن کے مطالب پر غور و فکر کرنے، صحیح اور غلط، حق اور باطل کے درمیان فرق کرنے لگتا ہے۔ یہی ہدایت ہے۔ اور جب انسان ہدایت حاصل کر لیتا ہے تو پھر وہ خدا کی خاص الخاص رحمتوں کا مستحق بن جاتا ہے۔ اسی لیے ہدایت خدا کی تمام رحمتوں کا سرچشمہ ہے۔

بعض حکماء نے لکھا کہ "بصیرتیں" تمام لوگوں کے لیے ہوتی ہیں لیکن ہدایت اور رحمت

www.drhasanrizvi.com

ان لوگوں کے لیے مخصوص ہوتی ہے جو صاحبان ایمان و یقین ہیں۔

(تفسیر نمونہ)

غرض یہ بات بتائی جا رہی ہے کہ قرآن میں بصیرت (عقلی دلائل) بھی ہے۔ ہدایت اور رحمت بھی ہے۔ یہ تینوں بڑی سے بڑی نعمتیں قرآن ہی سے ہم کو مل سکتی ہیں۔ اگر ہم قرآن غور و فکر سے پڑھیں تو ہمیں عقل و فہم (بصیرت) حاصل ہوگی۔ اگر ہم قرآن کے مطالب پر عمل کریں تو یہی عین ہدایت ہے۔ اور اس کا آخری منطقی نتیجہ خدا کی رحمتیں ہیں جس کی تعبیر جنت، قرب الٰہی اور رضائے الٰہی سے کی جا سکتی ہے۔ (مؤلف)

اَمۡ حَسِبَ الَّذِیۡنَ اجۡتَرَحُوا السَّیِّاٰتِ اَنۡ نَّجۡعَلَهُمۡ كَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ سَوَآءً مَّحۡیَاهُمۡ وَ مَمَاتُهُمۡ ؕ سَآءَ مَا یَحۡكُمُوۡنَ ﴿۲۱﴾ ع ۱۸ ۲

(۲۱) کیا وہ لوگ جنھوں نے جرائم اور بُرے بُرے کام کیے ہیں یہ سمجھتے ہیں کہ ہم اُنھیں اُن لوگوں جیسا کر دیں گے جنھوں نے خدا اور رسولؐ کو دل سے مانا اور (اُس کے نتیجہ میں) اچھے اچھے کام کیے؟ گویا اُن کا جینا اور مرنا، اُن کی زندگی اور موت

www.drhasanrizvi.com

ایک جیسی ہو جائے گی ؟ کتنا غلط اور بُرا ہے یہ فیصلہ جو وہ کرتے ہیں !

اس آیت میں توحید کے بعد آخرت کو عقلاً ثابت فرمایا ہے کہ کیا خداوند عالم کی عظیم ذات سے یہ امید کی جاسکتی ہے کہ وہ اچھوں، بُروں کے فرق کو یکسر نظر انداز کر دے گا ؟ جب کہ اچھوں بُروں کی زندگی، مقاصد اعمال نتائج ایک جیسے نہ تھے تو مرنے کے بعد یہ دونوں گروہ کیسے ایک جیسے ہو سکتے ہیں؟ یہ بات عدل اور حکمت الٰہی کے بالکل خلاف ہوگی کہ وہ نیک اور بد' دونوں قسم کے انسانوں سے ایک ہی معاملہ کرے۔ وہ آدمی جو یہاں بے پناہ ظلم جور جبر استکبار کرتا رہا بالکل اسی جیسا ہو جائے جو دنیا عدل و انصاف ، رحم اور خدمت ، انکساری اور عبادت کو اپنائے رہا تھا۔ حق و صداقت کی خاطر ہر قسم کی تکلیف برداشت کرتا رہا تھا۔ دوسرے شخص نے اپنی خواہشات ہر ممکن طریقے سے پوری کیں۔ نہ خدا کا حق پہچانا نہ بندوں کا۔ ہر قسم کے حق پر دست درازیاں کیں، جس طرح ممکن ہوا فائدے سمیٹتا چلا گیا۔ اب مرنے کے بعد اگر دونوں قسم کے آدمیوں کا انجام ایک رہے تو پھر خدا کی خدائی میں اس سے بڑھ کر بے انصافی ، بداخلاقی، عیب اور کیا ہو سکتا ہے ؟ جبکہ خدا کی ذات ہر عیب سے پاک ہے۔ اس لیے ایسا ہونا قطعاً ناممکن ہے۔

ع "ایں خیال است و محال است و جنوں۔"

※ (تفسیر کبیر۔ مجمع البیان۔ تفہیم۔ انوار النجف)

خداوند عالم نے واضح طور پر فرمایا : "کیا جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام کیے، ہم ان کو "مفسدین فی الارض" (یعنی) زمین میں خرابی پیدا کرنے والے، فاسقوں فاجروں جیسا بنادیں ؟ برائی سے بچنے والوں کو فاجروں جیسا بنادیں ؟" ※ (سورہ ص - ۲۸ پ ۲۳ ع ۳)

www.drhasanrizvi.com

پھر فرمایا : "کیا مسلمین (سر تسلیم جھکا کر اطاعت کرنے والوں) کو بدکاروں جیسا بنا دیں؟ آخر تمھیں کیا ہو گیا ہے؟ کیسے الٹے سلٹے فیصلے کرتے ہو؟ ※ (سورہ قلم ۶۸، آیت ۳۵-۳۶، پ ۲۹)

نتائج و تعلیمات

(۱) ان آیتوں سے ثابت ہوا کہ یہ سوچ سو فیصد غلط ہے کہ ایمان اور نیک عمل سے زندگی پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ نیک اور بد لوگوں کی زندگی اور موت ایک جیسی ہوتی ہے۔

(۲) مشاہدہ گواہ ہے کہ جو مومن، نیک عمل لوگ ہوتے ہیں وہ اس دنیا کی زندگی میں بھی خدا پر بھروسہ اور توکل کے سبب خاص قسم کے اطمینان و سکون کی زندگی گزارتے ہیں۔ جبکہ بدکار لوگ مال و دولت کے باوجود یا تو بے چین پریشان خیال میں سرگرداں رہتے ہیں یا ہمیشہ زوال اور بیماریوں کے خوف سے پریشان اور مضطرب رہتے ہیں جیسا کہ خود خداوند عالم نے فرمایا :

"جو لوگ دل سے خدا رسولؐ اور آخرت کو مانتے ہیں اور انھوں نے اپنے ایمان کو شرک کے ساتھ نہیں ملایا ان کے لیے امن و سکون و اطمینان ہے اور وہی ہدایت یافتہ بھی ہیں۔" ※ (سورہ انعام ۶، آیت ۸۲، پ ۷)

پھر خداوند عالم نے اس کی وجہ بھی بتائی کہ :

"ہم اپنے رسولوں کی اور ان لوگوں کی جو ایمان لائے ہیں (یعنی جو دل سے مانتے ہیں) ان کی دنیا کی زندگی میں بھی ضرور مدد کرتے ہیں اور قیامت کے دن تو لازمی طور پر مدد کریں گے۔" ※ (سورہ مومن ۴۰، آیت ۵۱، پ ۲۴)

www.drhasanrizvi.com

پھر ان دونوں قسم کے نیک اور بد لوگوں کی موت کا نقشہ کھینچ کر بھی بتایا کہ دونوں کی دنیا کی زندگی بھی الگ قسم کی ہوتی ہے اور موت بھی الگ الگ قسم کی ہوتی ہے ۔ نیک لوگوں کی موت کا نقشہ یوں کھینچا :

" متقین یا نیک لوگوں کا حال یہ ہوتا ہے کہ جب فرشتے ان کی روح پر قبضہ کرتے ہیں تو وہ (گناہوں سے) پاک و پاکیزہ ہوتے ہیں۔ فرشتے ان سے کہتے ہیں تم پر سلام ہو ۔ جنت میں داخل ہو جاؤ ۔ یہ انھیں نیک کاموں کا نتیجہ ہے جو تم کرتے رہے ہو ۔ "

(سورہ نحل ع ۱۶ ، آیت ۳۲ ، پ ۱۴)

اس کے برخلاف برے قسم کے ظالم، جابر، کافر، مشرک لوگوں کی موت کا نقشہ یوں کھینچا :

" ظالموں گناہگاروں حق کے منکروں کی حالت یہ ہوتی ہے کہ جب فرشتے ان کی روح پر قبضہ کرتے ہیں تو وہ بے بسی کی حالت میں سر جھکا کر کہتے ہیں کہ ہم بُرے کام نہیں کیا کرتے تھے ۔ فرشتے کہتے ہیں (کیا خوب) تم جو کچھ بھی کیا کرتے تھے خدا اس سے خوب اچھی طرح واقف ہے ۔ اب تم جہنم کے دروازوں میں گھس جاؤ اور اسی میں ہمیشہ رہو ۔ تکبر کرنے والوں کے لیے یہ کیسا بُرا ٹھکانا ہے ۔ "

(سورہ نحل ع ۱۶ ، آیت ۲۸-۲۹ ، پ ۱۴)

غرض نیک اور بد آدمی کی دنیا کی زندگی بھی الگ الگ ہے ، برزخی زندگی بھی الگ الگ ہے ، قیامت اور قیامت کے بعد کی زندگیاں بھی الگ الگ ہیں ۔

(تفسیر نمونہ)

www.drhasanrizvi.com

الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن
ملّا کی اذاں اور، مجاہد کی اذاں اور
پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں
کرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور

(اقبال)

محققین نے نتیجہ نکالا کہ عدالت کے معنی مساوات یا برابری کے نہیں ہوا کرتے۔ عدالت یا انصاف کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہر شخص کو اس کے کردار اور اعمال کے مطابق بدلہ دیا جائے۔

(تفسیر نمونہ)

وَخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ (۲۲) (ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا کیونکہ)

وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَ — اللہ نے آسمانوں اور زمین کو

لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ — برحق اور بامقصد پیدا کیا ہے۔

بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ — اور یہ سب اِس لیے پیدا

لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾ — کیا تاکہ ہر شخص کو اُس کے کیے

کا بدلہ دیا جائے، اور اُن پر ہرگز کوئی ظلم نہ کیا جائے گا۔

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین اور آسمانوں کو کھیل تماشے کے طور پر نہیں

www.drhasanrizvi.com

بنایا ہے۔ یہ ایک بامقصد حکیمانہ نظام ہے اس لیے یہ ہرگز ممکن ہی نہیں ہے کہ اس زندگی کے کوئی معنی کوئی مقصد نہ ہو۔ ہم دیکھتے ہیں کہ انسان کے جسم پر ہر ہر بال کا کوئی نہ کوئی مقصد ہے۔ پھر کیسے ممکن ہے کہ جزو جزو تو کوئی مقصد رکھتا ہو مگر کُل کا کوئی مقصد نہ ہو؟ اس لیے عقلاً منطقاً یہ لازمی ہے کہ اچھے اعمال کا اچھا اور بُرے اعمال کا بُرا نتیجہ نکلے۔ یہی اس زندگی کے معنی بھی ہیں اور مقصد بھی۔ اگر آخرت کی دوسری زندگی نہیں ہے اور اچھے بُرے اعمال کا کوئی نتیجہ نہیں ہے تو پھر یہ کائنات کی تخلیق بے مقصد، بے معنی، لاحاصل، کارِ عبث، ایک کھلنڈرے کا کھلونہ اور ایک دیوانے کی بک بک کے سوا کچھ نہ رہے گی اور یہ بات خدا کی شان اور بلندی سے بہت بہت بعید ہے۔ (معاذاللہ) خدائے علیم و حکیم کے بارے میں ایسا سوچنا بھی عقل دشمنی کی انتہا ہوگا۔

(تفسیر کبیر۔ مجمع البیان۔ تفہیم۔ تفسیر نمونہ) ☼

اب خداوند عالم کا یہ فرمانا کہ: "لوگوں پر ہرگز ظلم نہ کیا جائے گا۔" کا مطلب یہ ہے کہ

(۱) نیکوں کو نیکی کا اجر لازمی ملے گا۔

(۲) بروں کو برائی کی سزا بھگتنی ہوگی۔

(۳) نیک آدمی کو اس کے حق سے کم اجر نہیں دیا جائے گا۔

(۴) برے آدمی کو اس کے جرم سے زیادہ سزا نہیں دی جائے گی۔

خداوند عالم نے اس عظیم حقیقت کو جو عدل مطلق کا بیان ہے ایک فارمولے کی شکل میں بیان فرمایا ہے:

"فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝

www.drhasanrizvi.com

وَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ۝

(ترجمہ) اور جو شخص ایک ذرّے کے وزن کے برابر نیکی کرے گا وہ اس کا اجر دیکھے گا۔
اور جو شخص ایک ذرّے کے وزن کے برابر برائی کرے گا وہ اس کے نتائج بھگتے گا۔

(سورۂ الزلزال ۔ آیت ۷-۸ پ ۳۰)

اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ
اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ
اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ
عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ
وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ
غِشٰوَةً ؕ فَمَنْ يَّهْدِيْهِ
مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا
تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۳﴾

(۲۳) تو کیا آپ نے اُس شخص کی
حالت پر غور کیا جس نے اپنی
نفسانی خواہشات کو اپنا خدا
بنا رکھا ہے اللہ نے اپنے علم
کی بنا پر اُسے اُس کی گمراہی میں
چھوڑ دیا اور اس کے دل اور
کانوں پر مہر لگا دی، اور اُس
کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا؟

تو اللہ کے (چھوڑ دینے کے) بعد اب کون ہے جو اس کو سیدھا
راستہ دکھا سکتا ہے؟ تو آخر تم سمجھانے کا اثر کیوں نہیں لیتے؟

www.drhasanrizvi.com

شانِ نزول ایک رات ابوجہل، ولید بن مغیرہ کے ساتھ خانۂ کعبہ کا طواف کر رہا تھا۔ دورانِ طواف ولید نے جنابِ رسولِ خدا کو بُرا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ ابوجہل نے کہا "خدا کی قسم! میں خوب اچھی طرح سے جانتا ہوں کہ وہ سچا آدمی ہے۔" ولید نے کہا : "چپ رہ، تو کیسے جانتا ہے کہ وہ سچا آدمی ہے۔"

ابوجہل : "ہم اسے بچپن سے صادق امین کہہ کر پکارتے چلے آئے ہیں۔ اب جبکہ اس کی عقل بھی کامل ہو چکی ہے (وہ چالیس سال کا ہو چکا ہے) پھر ہم اسے جھوٹا اور خائن کیسے کہہ سکتے ہیں؟ میں ایک بار پھر کہتا ہوں کہ وہ سچ کہتا ہے۔"

ولید : "پھر تم اس کی تصدیق کیوں نہیں کرتے؟ اس پر ایمان کیوں نہیں لاتے؟"

ابوجہل : "تم چاہتے ہو کہ قریش کی عورتیں آپس میں بیٹھ کر میرے لیے یہ کہیں کہ میں شکست کے خوف سے ابوطالب کے بھتیجے کے سامنے جھک گیا ہوں۔ لات و عزیٰ کی قسم میں ہرگز ہرگز اس کی پیروی نہیں کروں گا۔"

اس موقع پر یہ آیت اتری۔ وَخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ یعنی ہم نے اس کے کانوں اور دل پر مہر لگا دی۔

(تفسیر مراغی جلد ۲۵)

اپنی نفسانی خواہشات کو خدا بنا لینے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ آدمی اپنی خواہشات کا غلام بن جائے۔ جس کام کا دل چاہے وہ کر گزرے۔ چاہے وہ کام حلال ہو یا حرام۔ ظلم ہو یا زیادتی۔ ایسے

www.drhasanrizvi.com

آدمی کا خدا اس کی خواہشات بن جاتی ہیں جن کی وہ ہر وقت اطاعت کرتا رہتا ہے۔

بقول شاعر ؎ رو میں ہے رخش عمر کہاں دیکھیے تھمے
نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں

اگرچہ ایسا آدمی اپنی خواہشات کو منہ سے اپنا خدا نہیں کہتا نہ اس کا بت بنا کر پوجتا ہے لیکن اصل میں ہر شخص کا خدا وہی ہوتا ہے جس کی وہ بلا چوں چرا اطاعت کرتا چلا جاتا ہے۔ اسی طرح خواہشات کا غلام آدمی اگرچہ اپنی خواہشات کو منہ سے خدا نہیں کہتا لیکن اصل میں اس کا خدا اس کی خواہشات ہی ہوتی ہیں۔ کیونکہ وہ ان کی بے چوں چرا بات مانتا چلا جاتا ہے۔

※ (تفسیر کبیر۔ تفہیم۔ مجمع البیان۔ انوار النجف)

عظیم مفسر ابن جریر نے اس کا مطلب یہ لکھا کہ جو شخص ہر اس چیز کا ارتکاب کرتا ہے جو اس کا نفس چاہتا ہے وہ اپنی خواہشات کو اپنا خدا بنا لیتا ہے۔ کیونکہ وہ اپنی خواہشات کی اطاعت بالکل اسی طرح کرتا ہے جیسے خدا کی اطاعت کی جانی چاہیے۔

※ (ابن جریر۔ ابوبکر جصاص)

عظیم مفسر زمخشری نے لکھا: "ایسا آدمی خدا کی طرح اپنی خواہشات کی اطاعت کرتا ہے۔ جس طرف اس کا دل اس کو بلاتا ہے اسی طرف بلا سوچے سمجھے چلا جاتا ہے۔ گویا وہ اپنی خواہشات کی غلامی بالکل اسی طرح کرتا ہے جیسے خدا کی اطاعت کی جاتی ہے۔ ※ (کشاف)

خدا کی مرضی اور احکامات کو بھلا کر عملاً زندگی کے معاملات کا حاکم اپنی مرضی اور اپنی خواہشات کو بنا لینا اور لوگوں کے بنائے ہوئے قوانین کو اپنے لیے قانون اعلیٰ مان لینا عملاً، حقیقتاً

www.drhasanrizvi.com

اپنی خواہشات نفس ہی کو اپنا خدا بنا لینا ہے ۔ ☼ (تفسیر ماجدی)

اس لیے کہ ہر شخص کا اصل خدا وہ ہوتا ہے جو اس کا مقصد حیات اور سب سے اعلیٰ حکمران ہوتا ہے ۔ جس کی وہ دن رات تعمیل میں لگا رہتا ہے ۔ جو شخص دن رات صرف اپنی خواہشات کی تعمیل میں اندھادھند لگا رہتا ہے ، اصلاً اس کا خدا اس کی خواہشات ہوتی ہیں ، چاہے وہ اللہ کا کلمہ ہی کیوں نہ پڑھتا ہو ۔ (مؤلف)

؎ اگرچہ بُت ہیں جماعت کی آستینوں میں
مجھے ہے حکمِ اذاں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ (اقبال)

اب جو شخص اپنی خواہشاتِ نفسانی کو خود اپنے ارادے اور اختیار سے اپنا خدا ۔ یعنی ۔ مقصدِ حیات بناتا ہے تو یہ اس کا اپنا ارادہ اور اختیاری فعل ہوتا ہے ۔ اسی عمل کی وجہ سے پھر خدا اس کو اس کی اپنائی ہوئی گمراہی میں چھوڑ دیا کرتا ہے ۔ خدا اس کو گمراہ نہیں کرتا ، بلکہ اس کے عملاً اختیاراً گمراہی پر اڑے رہنے کی وجہ سے ، خدا اس کو اس کی اپنائی ہوئی گمراہی میں چھوڑ دیا کرتا ہے ۔ یا ۔ پھر اس کو گمراہ قرار دے کر اس کی گمراہی کی یہ سزا دیتا ہے کہ اس کے دل ، کانوں پر مہر لگا دیتا ہے ۔ کیونکہ اس نے خود حق بات سننا ، سمجھنا چھوڑ رکھی ہے ۔ اس لیے اس کے دل کانوں پر مہر لگا دیتا ہے ۔ پھر اس کا دل دماغ کان ، حق بات سننے سمجھنے کے قابل ہی نہیں رہتے ۔ اس طرح خدا ! حق دشمن انسان کو اس کی گمراہیوں میں چھوڑ دیتا ہے ۔ اور کیونکہ یہ سب کچھ انسان خود اپنے ارادے اور اختیار سے کرتا ہے اس لیے اس آیت سے انسان کا

www.drhasanrizvi.com

مجبور رہونا ثابت نہیں ہوتا۔ ☼ (تفسیر ماجدی۔ فصل الخطاب)

خداوندِ عالم کا یہ فرمانا کہ اَضَلَّہُ اللّٰہُ عَلٰی عِلۡمٍ یعنی "خدا نے علم کے باوجود اس کو گمراہی میں پھینک دیا۔" اس کا (۱) ایک مطلب تو یہ ہوسکتا ہے کہ وہ شخص عالم تھا مگر اس کے باوجود وہ اپنی خواہشات کا غلام بنا رہا۔ اس لیے اللہ نے اس کو اس کی گمراہی میں چھوڑ دیا۔

(۲) دوسرا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے اپنے اس علم کی بنا پر کہ اس نے اپنی خواہشات کی غلامی یا بندگی اختیار کر رکھی ہے اور اس طرح اپنی خواہشات کو اپنا خدا بنا رکھا ہے، اس کو اس کی اپنی گمراہیوں میں چھوڑ دیا۔ ☼ (تفسیر کبیر۔ تفہیم)

سب سے زیادہ خطرناک چیز خواہشاتِ نفس یعنی دل کی ہر خواہش اور تمنا کو پورا کرنے کی کوشش کرنا، بغیر یہ دیکھے کہ یہ جائز ہے کہ نہیں؟ اس کو ہم جائز طریقے سے تسکین دے رہے ہیں یا غلط طریقے سے تسکین دے رہے ہیں۔ یہ طرزِ عمل گویا اپنی خواہشات کو خدا بنالینا ہے۔

جنابِ رسولِ خدا نے فرمایا:

"دو چیزیں ایسی زبردست خطرناک ہیں جن سے مجھے اپنی امت کے بارے میں بڑا خوف آتا ہے۔ (۱) خواہشاتِ نفس کی پیروی کرنا (۲) دوسری لمبی چوڑی تمنائیں، امیدیں اور توقعات باندھنا۔ کیونکہ خواہشاتِ نفس کی پیروی کرنا انسان کو حق بات کو ماننے اور اس پر عمل کرنے سے روک

www.drhasanrizvi.com

دیتی ہے اور لمبی چوڑی امیدیں، توقعات اور آرزوئیں آخرت کو بھلا دیتی ہیں۔"

(بحار الانوار۔ جلد ۷) ٭

حضرت علیؑ سے پوچھا گیا کہ کون سی طاقت سب سے زیادہ طاقت در ہے؟ (گمراہ کرنے کے لیے)

آپؑ نے فرمایا: الھویٰ (یعنی) بری خواہشات۔

(بحار الانوار۔ جلد ۷) ٭

امام زین العابدینؑ نے فرمایا کہ خداوند عالم حدیث قدسی میں فرماتا ہے:

"مجھے اپنی عزت و جلال کی، اپنی نورانیت اور بلند مقام کی قسم ہے کہ جب کوئی میرا بندہ میری خواہشات کو اپنی خواہشات پر مقدم کرتا ہے (یعنی میری خواہشات کو اپنی خواہشات پر ترجیح دیتا ہے) تو پھر میں اس کی تمام تر توجہات آخرت کی دوسری زندگی کی طرف مبذول کر دیتا ہوں۔ مخلوق سے اس کو بے نیاز کر دیتا ہوں، اس کے معاشی مسائل اس کے لیے آسان کر دیتا ہوں، آسمان اور زمین کو اس کی روزی کا ضامن بنا دیتا ہوں۔ پھر دنیوی نعمتیں سر جھکائے ناک رگڑتی ہوئی اس کی خدمت میں حاضر ہو جاتی ہیں۔" ٭ (بحار الانوار۔ جلد ۷، ص۵۰)

امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ:

"بری خواہشاتِ نفسانی سے اس طرح بچو جیسے اپنے دشمن سے بچتے ہو۔ اس لیے کہ انسان کے لیے بری خواہشات نفس کی پیروی کرنے اور زبان

www.drhasanrizvi.com

سے جو چاہے بولنے سے بڑھ کر کوئی دشمن نہیں۔"

٭ (اصول کافی۔ جلد ۲۔ باب اتباع الھویٰ)

نہنگ و اژدہا و شیرِ نر مارا تو کیا مارا

بڑے موذی کو مارا نفسِ امّارہ کو گر مارا

وَقَالُوۡا مَا هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنۡیَا نَمُوۡتُ وَنَحۡیَا وَمَا یُهۡلِکُنَاۤ اِلَّا الدَّهۡرُ ۚ وَمَا لَهُمۡ بِذٰلِکَ مِنۡ عِلۡمٍ ۚ اِنۡ هُمۡ اِلَّا یَظُنُّوۡنَ ﴿۲۴﴾

(۲۴) (اُن لوگوں کی اصل غلطی یہ ہے کہ ؎ اُن لوگوں نے کہا دیا) وہ اِس بات کے قائل ہوئے کہ "کچھ نہیں ہے سوا اس دُنیوی زندگی کے۔ بس ہمیں یہیں مرنا اور یہیں جینا ہے۔ اور ہمیں نہیں مارتا مگر زمانہ (کا گزرنا) حالانکہ اُنھیں (اس معاملہ کی حقیقت کا) کچھ علم نہیں۔ یہ لوگ تو بس اپنے وہم و گمان کی بنا پر تُکّے لگاتے ہیں

؎ قبل اسلام زمانہ جاہلیت کے لوگ جب سخت حادثوں اور بلاؤں میں گھر جایا کرتے تھے تو زمانے کو برا بھلا کہا کرتے تھے۔ بقول غالب ؏ "مارا زمانے نے اسداللہ خاں تمہیں۔"

www.drhasanrizvi.com

وہ لوگ بھی یہی کہا کرتے تھے کہ زمانے نے یوں تباہ کیا، یوں برباد کیا۔ اسی طرح وہ لوگ بھی زمانے کو برُا بھلا کہتے ہی رہا کرتے تھے۔ جناب رسولؐ خدا نے فرمایا:

" ان سارے کاموں کا اصل کرنے والا خداوند عالم ہے اس لیے تم ان کاموں کے اصل فاعل (یعنی خدا) کو برا بھلا نہ کہا کرو۔"

(تفسیر مجمع البیان)

خداوند عالم کا دہریوں کے بارے میں یہ فرمانا کہ "حقیقت یہ ہے کہ اس (دہریت کے عقیدے) کے معاملے میں ان کے پاس کوئی علم نہیں ہوتا، یہ صرف وہم و گمان کی بنا پر باتیں کرتے ہیں۔" مطلب یہ ہے کہ دہریوں، خدا کے منکروں کے پاس کوئی ٹھوس علم یا ذریعہ معلومات ایسی نہیں ہیں کہ وہ یقین سے کہہ سکیں کہ کوئی خدا نہیں ہے اور کوئی دوسری زندگی نہیں ہے۔ انھیں کسی علم سے یہ بات معلوم نہیں ہوئی کہ مرنے کے بعد انسان کی روح خدا کے قبضے میں نہیں جاتی بلکہ مٹی میں مل جل کر فنا ہو جاتی ہے منکرین آخرت یہ ساری باتیں کسی علم کی بنا پر نہیں کرتے۔ صرف اپنے ظن و تخمین GUESS WORK کی بنا پر بک بک کرتے رہتے ہیں، علمی حیثیت سے وہ زیادہ سے زیادہ بس یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم نہیں جانتے کہ مرنے کے بعد کوئی زندگی ہے یا نہیں ؟ مگر وہ علمی اعتبار سے ہرگز یہ نہیں کہہ سکتے کہ: " ہم جانتے ہیں کہ مرنے کے بعد کوئی دوسری زندگی نہیں ہے۔"

اسی طرح وہ علمی اعتبار سے ہرگز یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہم خوب جانتے ہیں کہ انسان کی روح خدا کے حکم سے نہیں نکالی جاتی۔ بلکہ انسان اسی طرح مر کر ختم ہو جاتا ہے جیسے گھڑی چلتے چلتے رک جاتی ہے، زیادہ سے زیادہ ایک دہریہ فلسفی بس یہ کہہ سکتا ہے کہ ہم نہیں جانتے کہ موت کا مطلب کیا ہے ؟

www.drhasanrizvi.com

اب سوال یہ ہے کہ جب دہریے کسی یقین کی بنا پر نہیں کہہ سکتے تو پھر وہ کیوں خدا اور آخرت کا انکار کرتے ہیں؟

اصل بات یہ ہے کہ وہ کسی ٹھوس عقلی دلیل کی بنا پر خدا اور آخرت کا انکار نہیں کرسکتے بلکہ وہ یہ عقیدہ اپنی بری خواہشات کی بنا پر اختیار کرتے ہیں۔ اس لیے کہ ان کا یہ دل نہیں چاہتا کہ مرنے کے بعد کوئی حساب کتاب ہو۔ اس لیے وہ اپنے دل کی مانگ کو اپنا عقیدہ بنالیتے ہیں۔ دل تو یہی مانگتا ہے کہ وہ جو چاہے کرے اور یہ بات صرف اسی وقت ممکن ہے جب خدا اور آخرت کا انکار کردیا جائے تاکہ خوب بے فکر ہوکر داد عیش دی جاسکے۔

(تفسیر کبیر۔ مجمع البیان ۔ تفہیم ۔ نمونہ)

بقول شاعر: ؎ پہلے ابر آئے ، پھر شراب آئے
اس کے بعد آئے ، جو عذاب آئے

وَاِذَا تُتۡلٰی عَلَیۡہِمۡ (۲۵)	پھر جب ہماری کھلی ہوئی
اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ مَّا کَانَ	بالکل صاف اور واضح آیتیں
حُجَّتَہُمۡ اِلَّاۤ اَنۡ قَالُوا	اُنھیں پڑھ کر سُنائی جاتی ہیں
ائۡتُوۡا بِاٰبَآئِنَاۤ اِنۡ کُنۡتُمۡ	تو اُن کی دلیل اس کے سوا
صٰدِقِیۡنَ ﴿۲۵﴾	کچھ نہیں ہوتی کہ وہ کہتے ہیں :

www.drhasanrizvi.com

"تو پھر ہمارے باپ داداؤں کو (زندہ کرکے) لاؤ، اگر تم سچے ہو۔"

انسانوں کا زندہ کرنا یا مارنا کوئی تفریح کا کام نہیں ہوا کرتا۔ یہ سب اللہ کی طرف سے ایک نظام حکمت کے تحت ہوا کرتا ہے۔

خدا نے انسان کو دنیا میں اس لیے پیدا کیا ہے تاکہ اس کے عمل کا امتحان لے اور پھر اس کو جزا سزا دے۔ گویا مرنے کے بعد زندہ کرنا جزا سزا دینے کے لیے ہوگا۔ خواہ مخواہ مُردوں کو زندہ نہیں کیا جاتا۔

دوسرے یہ کہ جناب رسولؐ خدا سے یہ بھی کہلوایا جارہا ہے کہ انسانوں کو زندہ کرنا، مارنا میرا کام نہیں ہے یہ سب اللہ کا کام ہے اور خدا تمھاری خواہشوں کا پابند نہیں ہے

(فصل الخطاب)

خداوند عالم کا فرمانا کہ: "جب ہماری واضح دلیلیں ان کو سنائی جاتی ہیں۔" یعنی جب ان کو ہماری وہ مضبوط عقلی دلیلیں سنائی جاتی ہیں جن میں واضح طور پر ہم نے ثابت کردیا ہے کہ آخرت کی زندگی ہمارے عدل و انصاف، رحمت و حکمت، فضل و کرم کا عین تقاضا ہے اور اگر یہ نہ ہو تو ساری کائنات کی تخلیق قطعاً باطل ہوجاتی ہے۔ تو ان زبردست دلیلوں کو سن کر وہ احمق انتہائی غیر معقول بات بکنے لگتے ہیں کہ: "اٹھا لاؤ ہمارے باپ دادا کو اگر تم سچے ہو۔"

حالانکہ ہم نے یہ بات کبھی نہیں کہی تھی کہ ہم مردوں کو وقتاً فوقتاً زندہ کرکر کے دکھاتے رہیں گے۔ یہ تماشے ہر دن رات ہوتے رہا کریں گے۔ ہم نے تو یہ کہا تھا کہ ہم قیامت کے دن سارے

www.drhasanrizvi.com

کے سارے انسانوں کو بیک وقت دوبارہ زندہ کر کے اٹھائیں گے۔ اور پھر سب کے اعمال کا حساب کتاب لیں گے اور پھر اپنی جزا و سزا کے عادلانہ فیصلے سنائیں گے جو قابل رحم ہوں گے ان پر رحم فرمائیں گے اور جو قابل سزا ہوں گے ان کو سزا سنائیں گے۔

* (تفسیر کبیر۔ تفہیم۔ مجمع البیان۔ انوار النجف۔ تفسیر نمونہ)

مُردوں کو زندہ کرنا کوئی تماشے تفریح کے لیے نہیں ہوگا۔ یہ کوئی جادو کا کھیل نہیں ہے یا بندر کا کوئی تماشا نہیں ہے جو بچوں کو بہلانے کے لیے دکھایا جاتا ہے۔ مُردوں کو زندہ کرنا خدا کے عدلُ انصاف، حکمت و رحمت کا تقاضا ہے جو اپنے وقت پر انجام دیا جائے گا۔ یعنی مُردوں کو تماشے دکھانے کے لیے نہیں بلکہ جزا سزا دینے کے لیے زندہ کیا جائے گا۔

دوسرے یہ کہ دنیا عقل و فکر کے امتحان کے لیے پیدا کی گئی، فرمائشیں پوری کرنے اور تفریح لینے کے لیے نہیں پیدا کی گئی ہے کہ آپ فرمائشیں فرماتے چلے جائیں اور اللہ مردوں کو زندہ کرتا چلا جائے پھر عقل و فکر کا امتحان کہاں رہا؟ پھر خدا رسولؐ پر ایمان کا امتحان کیسے ہو سکے گا؟ کائنات کی تخلیق کا اصل مقصد ہی ختم ہو جائے گا۔

* (مؤلف)

قُلِ اللّٰهُ يُحۡيِيۡكُمۡ ثُمَّ يُمِيۡتُكُمۡ ثُمَّ يَجۡمَعُكُمۡ اِلٰى يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ (۲۶) کہیے: اللہ ہی تمھیں زندہ کرتا ہے اور وہی تمھیں مارتا ہے۔ پھر وہ تمھیں قیامت کے

www.drhasanrizvi.com

لَا رَيْبَ فِيهِ وَ	دن اکٹھا کرے گا، جس کے
لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ	آنے میں کوئی شک ہی نہیں
لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾	(یعنی تمھارے باپ دادا الگ

الگ زندہ کر کے تو نہیں لائے جائیں گے، بلکہ ایک دن تم سب کو اکٹھا زندہ کیا جائے گا) مگر اکثر لوگ یہ بات نہیں جانتے۔

یہ آیت کافروں کی اس بات کا جواب ہے کہ وہ یہ کہتے تھے کہ موت زمانے کے گزرنے کی وجہ سے اپنے آپ از خود آجاتی ہے کوئی موت لانے والا نہیں ہوتا۔ اس کے جواب میں فرمایا گیا کہ تمھیں نہ تو زندگی اتفاقاً ملتی ہے اور نہ موت خود بخود واقع ہوتی ہے۔ ایک تمھارا خالق مالک ہے جو تمھیں زندگی عطا فرماتا ہے اور وہی جب چاہتا ہے موت کا مزہ چکھا کر تمھیں اپنے پاس بلا لیتا ہے اور خداوند عالم کا یہ فرمانا کہ: "پھر وہی (خدا) تمھیں قیامت کے دن جمع کرے گا۔"

یہ جواب ہے ان کے اس تقاضے کا کہ: "اٹھا لاؤ ہمارے باپ دادا کو اگر تم سچے ہو۔" اس پر فرمایا جا رہا ہے کہ ایسا ابھی نہیں ہوگا۔ تمھاری مرضی اور فرمائشوں سے نہیں ہوگا۔ تفریحاً تماشے دکھانے کے لیے نہیں ہوگا۔ متفرق طور پر بھی نہیں ہوگا۔ بلکہ ایک دن سب انسانوں کو جمع کرنے کے لیے ایسا کیا جائے گا۔ تاکہ سب کا حساب کتاب ایک ساتھ چکا دیا جائے۔

www.drhasanrizvi.com

اور آخر میں خداوند عالم کا یہ فرمانا کہ: "اکثر لوگ جانتے نہیں"۔ یعنی لوگ جو آخرت کی دوسری زندگی کا انکار کرتے ہیں وہ اپنی جہالت کی وجہ سے کرتے ہیں۔ اگر وہ علم عقل والے ہوتے تو باسانی سمجھ سکتے تھے کہ آخرت کا ہونا عقل سے بعید نہیں ہے بلکہ آخرت کا نہ ہونا عقل سے بعید ہے کوئی صاحب عقل و علم اس بات کو نہیں مان سکتا کہ یہ پورا کائنات عالم کا نظام ایک اندھی، بہری، بے عقل فطرت کے چلانے سے چل رہا ہے۔ اور اتفاقاً از خود وجود میں آگیا ہے۔

جو شخص بھی واقعاً علم اور عقل کے ساتھ غور کرے گا۔ وہ اس حقیقت کو خوب واضح طور پر جان لے گا کہ یہ پورا نظام کائنات کسی علیم و حکیم ذات کی تخلیق ہے۔ اور وہی اسے چلا رہا ہے۔ اسی لیے آخرت کا ہونا لازمی ہے تاکہ اس نظام کائنات کی تخلیق کا مقصد پورا ہو سکے اور اس میں معنی پیدا ہو سکیں۔

(تفسیر کبیر۔ مجمع البیان۔ تفہیم۔ تفسیر نمونہ) ☼

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَىِٕذٍ يَّخْسَرُ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۲۷﴾

(۲۷) (مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنا خدا کے لیے کوئی مشکل نہیں، اس لیے کہ) زمین اور آسمانوں کی بادشاہی اللہ ہی کے لیے ہے اور جس دن قیامت برپا ہوگی

www.drhasanrizvi.com

اُس دن باطل پرست بڑا نقصان اُٹھائیں گے۔

وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ (۲۸) (اُس دن تم) ہر قوم کو
جَاثِيَةً ۚ كُلُّ اُمَّةٍ گھٹنوں کے بل گرا ہوا دیکھو گے
تُدْعٰٓى اِلٰى كِتٰبِهَا ؕ ہر قوم کو پکارا جائے گا کہ
اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ آئے اور اپنے اعمال کی کتاب
تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۸﴾ (نامۂ اعمال) دیکھے۔ اُن سے

کہا جائے گا: "آج تمھیں بدلہ مل رہا ہے اُن کاموں کا جو تم کیا کرتے تھے۔

"جثوا" یعنی گھٹنوں کے بل گرنا یا بیٹھنا۔ اصل میں لفظ جاثیہ جمع کی جگہ پر استعمال ہوا ہے۔ جیسے جماعۃ قائمۃ وغیرہ۔

(لغات القرآن نعمانی)

اور "اعمال کی کتاب" سے یہاں مراد ہر شخص کا اعمال نامہ ہے جو اس کا کارنامہ ہے ہر شخص کو اپنے اپنے نامۂ اعمال پڑھنے دیکھنے کے لیے بلایا جائے گا۔ پھر اسی کے مطابق ان کی قسمتوں

www.drhasanrizvi.com

کے ابدی فیصلے کیے جائیں گے۔ ٭ (تفسیر تبیان)

دُوسری تفسیر

یہ ہے کہ یہاں کتاب سے مراد وہ کتاب ہے جو ان پر خدا کی طرف سے نازل کی گئی تھی۔ اسی کے مطابق ان کے فیصلے کیے جائیں گے۔ ٭ (تفسیر مجمع البیان)

تیسری تفسیر

یہ ہے کہ یہاں کتاب سے مراد وہ فرائض ہیں جو ان پر فرض کیے گئے تھے۔ ٭ (تفسیر علی ابن ابراہیم)

خداوند عالم کا یہ فرمانا کہ: "اس وقت تم ہر گروہ کو گھٹنوں کے بل گرا ہوا دیکھو گے۔" اس کا حاصل مطلب یہ ہے کہ میدانِ حشر کا رعب داب، شان بان، خوف اور دہشت ایسی ہوگی کہ بڑے بڑے ہیکڑ طرم خانوں اور فرعونوں کی اکڑ مکڑ جواب دے چکی ہوگی۔ سب کے سب بڑی عاجزی کے ساتھ گھٹنوں کے بل گرے پڑے ہوں گے۔ کوئی متکبر، جابر، آمر، سر اٹھا کر بات تک نہ کر سکے گا۔ ٭ (تفہیم۔ تفسیر کبیر)

بعض مفسرین نے لکھا کہ پرانے زمانے میں مدعی اور مدعا علیہ، قاضیوں اور بادشاہوں کے سامنے گھٹنے کے بل بیٹھا کرتے تھے تاکہ دوسروں سے الگ نظر آسکیں اور لوگ سمجھ سکیں کہ مدعی اور مدعا علیہ کون کون ہیں؟ اس طرح بیٹھنا احکام کی بجاآوری کی آمادگی کو ظاہر کرتا ہے اور انکساری کو بھی ظاہر کرتا ہے۔

ممکن ہے اس میں ان کے خوف و اضطراب کی طرف بھی اشارہ ہو۔ ٭ (تفسیر نمونہ)

www.drhasanrizvi.com

جاثیہ کے دوسرے معنی "لوگوں کا مجمع" اور "ٹولے ٹولے" ہونے کے بھی ہوتے ہیں۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن اللہ کی بارگاہ میں لوگوں کا جمِ غفیر ہوگا۔ کیونکہ اولین و آخرین سب جمع ہوں گے۔ اور ہر ہر امت، الگ الگ ٹولے کی شکل میں گھٹنوں کے بل بیٹھی ہوگی۔

(تفسیر کبیر۔ مفردات امام راغب)

هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۹﴾

(۲۹) یہ ہمارا رجسٹر ہے جو تمہارے خلاف سچائی کے ساتھ بول رہا ہے۔ جو کچھ بھی تم کرتے تھے، ہم اُسے لکھواتے چلے جارہے تھے۔"

حضرت علیؑ سے روایت ہے کہ:

"خدا کی طرف سے کچھ فرشتے مقرر ہیں جو روزانہ آسمان سے اُترتے رہتے ہیں اور آدمؑ کی اولاد کے اعمال لکھتے رہتے ہیں۔" (نہج البلاغہ)

مطلب یہ ہے کہ خدا فرما رہا ہے کہ ہم انسانی اعمال کے محافظ فرشتوں کو حکم دیتے ہیں کہ اعمال لکھنے والے فرشتوں سے لے کر ان کاموں کو لکھتے چلے جائیں جو ثواب اور عذاب کا سبب ہوتے ہیں اور باقی اعمال کو کاٹ دیں۔ کیونکہ فرشتوں کا پہلا گروہ تمام اعمال لکھتا ہے۔

(تفسیر تبیان۔ جلد ۹)

www.drhasanrizvi.com

خداوند عالم کا آخر میں فرمانا کہ: "تم جو کچھ بھی کرتے جاتے تھے ہم اسے لکھواتے جا رہے تھے۔" تو لکھواتے کے معنی کاغذ پر قلم سے لکھوانا بھی ہو سکتا ہے۔ اور انسانی اقوال و اعمال کی فلم بندی بھی ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ بھی بہت کچھ ہو سکتا ہے۔ جس کا ہم تصور نہیں کر سکتے۔ اب یہ کون جان سکتا ہے کہ خداوند عالم قیامت کے دن کس طرح ہماری ایک ایک بات، حرکات، سکنات میں سے ہر ہر چیز، ہماری نیتیں و ارادے، خواہشات، خیالات، معتقدات بے کم و کاست ہمارے سامنے پیش فرما دے گا۔ ☼ (تفہیم۔ تفسیر نمونہ)

فَاَمَّا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُدۡخِلُهُمۡ رَبُّهُمۡ فِىۡ رَحۡمَتِهٖ‌ؕ ذٰلِكَ هُوَ الۡفَوۡزُ الۡمُبِيۡنُ ﴿۳۰﴾

(۳۰) اب جن لوگوں نے خدا و رسولؐ کو دل سے مانا تھا اور (اُس کے نتیجے میں) اچھے اچھے کام بھی کرتے رہے تھے "اُنھیں اُن کا پالنے والا مالک اپنی رحمت میں داخل کرے گا۔ یہی ہے کھلی ہوئی واضح، روشن اور بھرپور کامیابی۔

"فوز" کے معنی ایسی بھرپور کامیابی، جس میں صحت اور سلامتی لازمی طور پر شامل ہو۔ یہ کلمہ قرآن میں ۱۹ جگہ استعمال ہوا ہے۔ ☼ (مفردات امام راغب)

www.drhasanrizvi.com

وَاَمَّا الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وقف (٣١) رہے وہ جنھوں نے ابدی حقیقتوں

اَفَلَمۡ تَكُنۡ اٰيٰتِىۡ تُتۡلٰى کا انکار کیا تھا (اُن سے پوچھا

عَلَيۡكُمۡ فَاسۡتَكۡبَرۡتُمۡ وَ جائے گا) "کیا میری آیتیں تمھارے

كُنۡتُمۡ قَوۡمًا مُّجۡرِمِيۡنَ ﴿٣١﴾ سامنے پڑھی نہیں جاتی تھیں؟

مگر تم نے تکبّر سے کام لیا (اِس لیے) تم مجرم بن گئے۔"

یہ پورے کا پورا فقرہ قیامت کے دن کافروں سے کہا جائے۔ اچانک صیغۂ غائب سے صیغۂ مخاطب میں منتقل ہو جانا کلام میں بلا کا اثر اور قوت پیدا کر دیا کرتا ہے۔ یہ بات عربی اسلوب کلام میں عام تھی۔ اس کو صنعت التفات کہتے ہیں اور یہاں اس طرز بیان کا مقصد غصہ اور سزا کی شدّت کا اظہار ہے۔ ☼ (تفسیر ماجدی)

خداوند عالم کا فرمانا کہ: "مگر تم نے تکبّر کیا۔" یعنی تم نے اپنے گھمنڈ میں یہ سمجھ لیا کہ خدا کی آیتوں اور احکامات کو مان کر اس کا مطیع فرمان ہو جانا اور اس کی عاجزانہ اطاعت کرنا، تمھاری شان بان، عزت اور مقام کے خلاف ہے۔ تم اس بات سے اپنے کو بہت اونچا سمجھتے تھے کہ ہم جیسے بڑے لوگ۔ خدا کی اطاعت کریں اور سر جھکا کر غلاموں کی طرح اس کے اشاروں پر عمل کریں۔ ہمارا کام تو حکم چلانا ہے، حکمرانی کرنا ہے، اطاعت کرنا ہمارا کام نہیں۔ ہم خدا کی

www.drhasanrizvi.com

اطاعت کرنے سے بہت بہت بلند ہیں۔

(تفسیر کبیر۔ تفہیم۔ مجمع البیان)

خاص باتیں پہلی خاص بات یہ ہے کہ یہاں پر خداوند عالم نے دوزخ کی سزاؤں کا ذکر نہیں فرمایا۔ شاید اس لیے کہ خداوند عالم کا ڈانٹنا ڈپٹنا اتنی بڑی سزا ہے کہ اس کے مقابلے پر جہنم کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ خداوند عالم انبیاء کرام کو بھیجے بغیر کسی قوم کو سزا نہیں دیا کرتا۔ پہلے حجت تمام کی جاتی ہے۔ جب قوم پھر بھی ہوش میں نہیں آتی، پھر سوچنے سنبھلنے کے لیے مہلتوں پر مہلتیں دی جاتی ہیں۔ پھر بھی قوم سرکشی پر اتری رہتی ہے تب کہیں ان کو خدا اپنے عذاب کا نشانہ بناتا ہے۔ یہ خدا کی انتہائی مہربانی ہے۔

تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ انسانوں کی سب سے بڑی دو۲ خرابیاں ہوتی ہیں۔

(۱) تکبر جس کی وجہ سے وہ انبیاء کرام کی توہین کرتے ہیں اور خدا کے پیغام کو ماننا تو کجا سننا بھی گوارا نہیں کرتے بلکہ اس کا مذاق اڑاتے ہیں۔

(۲) جرم و گناہ کا دوام۔ یعنی خدا کی سزا سے بے خوف اور غافل ہو کر قومیں، ظلم، جبر، قتل، زنا، خیانت، کفر، شرک جیسے بڑے بڑے گناہوں پر پوری پوری طرح جم جاتی ہیں۔

(تفسیر نمونہ)

چوتھی بات یہ معلوم ہوئی کہ انسان کی سب سے بڑی دو خوبیاں ہیں:

(۱) انکساری، تواضع۔ جس کی وجہ سے انسان ہر آدمی کا احترام کرتا ہے۔ ہر بات غور سے

www.drhasanrizvi.com

سنتا ہے اور صحیح بات کو دل سے مان لیتا ہے اس کا نتیجہ ایمان کی دولت ہوا کرتی ہے پھر اسی صفت کی وجہ سے وہ خدا کی عاجزانہ اطاعت اور عبادت کرتا ہے۔

(۲) انسان کی سب سے بڑی دوسری خوبی یہ ہوتی ہے کہ وہ اگر غلطی سے گناہ کر بھی لیتا ہے تو اس پر جما نہیں رہتا۔ فوراً شرمندہ ہو کر خدا سے معافیاں طلب کرتا ہے اور اپنی اصلاح کی فکر کرتا ہے۔ (مؤلف)

وَ اِذَا قِيۡلَ اِنَّ وَعۡدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّالسَّاعَةُ لَا رَيۡبَ فِيۡهَا قُلۡتُمۡ مَّا نَدۡرِىۡ مَا السَّاعَةُ ۙ اِنۡ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّمَا نَحۡنُ بِمُسۡتَيۡقِنِيۡنَ ﴿۳۲﴾

(۳۲) جب بھی تم سے کہا جاتا تھا کہ "حقیقتاً اللہ کا وعدہ سچا ہے اور قیامت کے آنے میں کوئی شک نہیں۔" تو تم پوچھتے تھے کہ: "قیامت کیا چیز ہوتی ہے؟ ہم تو بس (اس کے آنے کا ایک ہلکا سا) گمان سا رکھتے ہیں (کہ شاید وہ آئے) مگر ہمیں اُس کے آنے کا یقین نہیں ہے۔"

www.drhasanrizvi.com

اصل میں آخرت کا انکار کرنے والے دو قسم کے لوگ ہیں:

(۱) جو آخرت کے کھلے انکاری ہیں۔ (۲) دوسرا گروہ وہ ہے جو آخرت کی دوسری زندگی کا یکسر انکار تو نہیں کرتے بس یہ کہتے ہیں کہ کیا ہوگا، ہمیں دکھائی نہیں دیتا۔ ہمارا گمان یہ ہے کہ کوئی دوسری زندگی نہیں ہے۔ صرف گمان ہے کہ شاید ہو۔

یہاں اس دوسرے گروہ کا ذکر کیا جارہا ہے جو آخرت کے ممکن ہونے کا تو اقرار کرتا ہے لیکن گمان کرتا ہے کہ ایسا نہ ہوگا۔ بظاہر تو یہ دو الگ الگ گروہ ہیں لیکن نتیجے کے اعتبار سے دونوں میں قطعاً کوئی عملی فرق نہیں۔ کیونکہ جو یقین سے کہتا ہے کہ آخرت AFTER LIFE نہ ہوگی اور جو یہ گمان کرتا ہے کہ آخرت نہ ہوگی، دونوں گروہ خدا کے سامنے خود کو جوابدہ نہیں سمجھتے اس لیے ان احساس ذمہ داری، نیکی، برائی کی کوئی تمیز باقی نہیں رہے گی۔ یہ فکر لازماً فکر و عمل کی گمراہیوں میں ان کو یکساں طور پر دھکیل دے گی۔ صرف اور صرف آخرت کی دوسری زندگی کا یقین ہی وہ واحد چیز ہے جو انسان کے رویہ کو درست اور اس کے اخلاق کو ٹھیک رکھ سکتا ہے۔ آخرت کے آنے کا شک ہو یا قطعی انکار، دونوں صورتوں میں غیر ذمہ دارانہ روش اختیار کی جائے گی جس کا منطقی انجام اگلی آیت میں واضح طور پر بیان کر دیا گیا کہ:

"اس وقت (آخرت میں) اُن پر ان کے اعمال کی برائیاں کھل جائیں گی اور وہ اسی چیز کے پھیر میں آجائیں گے جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے۔"

www.drhasanrizvi.com

یعنی دونوں گروہ واصلِ جہنم ہوں گے۔ "خس کم جہاں پاک"

☆ (تفسیر کبیر۔ مجمع البیان۔ تفہیم۔ تفسیر نمونہ۔ انوار النجف)

وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ (۳۳) (اسی بے یقینی کا منطقی نتیجہ یہ
مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ ہوا کہ) اُن کے بُرے کام بالکل
بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ کُھل کر اُن کے سامنے آ گئے
يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۳﴾ جو انھوں نے کیے تھے اور اُسی

(قانونِ مکافاتِ عمل کی جہنّم) نے اُنھیں چاروں طرف سے گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ آخرت کے منکروں اور آخرت کے آنے پر شک کرنے والوں دونوں کو بالکل واضح طور پر پتہ چل جائے گا کہ انھوں نے دنیا میں جو طریقۂ زندگی اختیار کیا تھا جو فکر و عمل کی راہ اپنے لیے پسند کی تھی اور جسے وہ بہت ہی اچھا سمجھتے تھے وہ سب کا سب بہت ہی غلط تھا۔

اس طرز فکر و عمل کی ساری برائیاں ان کی آنکھوں کے سامنے آجائیں گی پھر وہ خوب سمجھ لیں گے کہ آخرت کا انکار کر کے ہم نے ایسی بنیادی غلطی کی تھی کہ جس کی

www.drhasanrizvi.com

وجہ سے ہمارے سارے کے سارے اعمال بالکل غلط ہو کر رہ گئے۔

(تفسیر کبیر۔ تفہیم۔ مجمع البیان۔ انوار النجف) ٭

بقول شاعر وہ پھر یہ کہہ رہے ہوں گے۔

ہم سا بھی اس بساط پہ کم ہوگا بدقماش
جو چال ہم چلے وہ بہت ہی بُری چلے

وَقِيلَ الْيَوْمَ نَنْسٰكُمْ (٤٤) اور اُن سے کہہ دیا گیا کہ
كَمَا نَسِيتُمْ لِقَاءَ "آج ہم تمھیں اسی طرح بھلائے
يَوْمِكُمْ هٰذَا وَمَاْوٰكُمُ دیتے ہیں جس طرح تم نے اِس
النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دن کی (ہم سے) ملاقات کو
نّٰصِرِينَ ﴿٣٤﴾ بھلا دیا تھا۔ اب تمھارا ٹھکانا
جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ ہے اور اب تمھارے کوئی مددگار بھی
نہیں ہیں۔

خداوند عالم کی بلند ذات کے لیے بھولنے کا تو کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ بھولنا نقص ہے اور خدا ہر نقص سے پاک ہے۔ اصل میں خداوند عالم کا یہ فرمانا کہ: "ہم آج تمھیں اسی طرح

www.drhasanrizvi.com

بھلا دیں گے ۔" یہ دراصل ایک لطیف کنایہ ہے بے پروائی اور منہ پھیر لینے کا ۔یعنی ہم ان پر کوئی توجہ التفات نہ فرمائیں گے ۔ نہ ان کو دیکھیں گے نہ ان کا کوئی خیال کریں گے۔ جس طرح وہ ہماری عظمت اور پیغام کو بے وقعت سمجھتے تھے اسی طرح ہم ان کو بے وقعت سمجھ کر اس قابل نہیں سمجھیں گے کہ ان کی طرف توجہ کریں۔ ☼ (تفسیر نمونہ ۔تفسیر کبیر)

ذٰلِكُم بِاَنَّكُمُ اتَّخَذْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّ غَرَّتْكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُوْنَ مِنْهَا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۳۵﴾

(۳۵) تمہارا یہ انجام اس لیے ہوا کہ تم نے اللہ کی باتوں آیتوں دلیلوں اور نشانیوں کو مذاق بنا رکھا تھا (کیونکہ) تمہیں دُنیا کی زندگی نے دھوکے میں ڈال رکھا تھا۔ تو آج وہ جہنّم سے بھی نہیں نکالے جائیں گے اور نہ اُن سے یہ کہا جائے گا کہ معافی مانگ کر اپنے مالک کو راضی کر لو۔

یہ آخری آیت کچھ اُس ادا اور انداز کی سی ہے کہ جیسے کوئی آقا اپنے نااہل خادموں

www.drhasanrizvi.com

کوڑا منہ ڈپٹنے اور سزا دینے کے بعد اپنے تابعدار خادموں سے خطاب کر کے کہتا ہے کہ دیکھا ان جیسے بدمعاشوں اور نالائقوں کو ایسی ہی بُری سزا ملنی چاہیے۔ یہ ہے ان کی سزا۔

(تفہیم۔ تفسیر کبیر)

یہ سزا ان کو اس لیے دی گئی ہے کہ وہ خدا کی آیتوں کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔

(مؤلف)

خدا کی آیات کون ہیں؟ خداوند عالم کی خاص بولتی ہوئی آیات یا نشانیاں انبیاء کرامؑ ان کے اوصیاءؑ اور ائمہ اطہارؑ ہیں۔ آیت کا مطلب یہ بھی ہے کہ خدا والوں کا مذاق اڑانے والوں سے کہا جائے گا کہ احمقو! تم انھیں عظیم مرتبہ لوگوں کا مذاق اڑایا کرتے تھے؟ اسی لیے آج تمھارا یہ حشر نشر ہوا۔ اب بھگتو اپنے کیے کی سزا۔ ع "حذر اے چیرہ دستاں سخت ہیں قدرت کی تعذیریں"

پھر وہ خدا والوں کا مذاق اڑانے والے لوگ نہ تو کوئی جواب دے سکیں گے اور نہ ہی ان کا وہاں کوئی عذر قبول کیا جائے گا۔ کیونکہ عذر اور معافی مانگنے کی جگہ دنیا ہے، آخرت نہیں۔

(تفسیر صافی۔ تفسیر قمی)

آیت کا مطلب یہ ہے کہ جہنمیوں کے واویلا مچانے پر ان کی طرف توجہ نہیں دی جائے گی یہی عدل و حکمت کا تقاضا ہوگا۔ نہ انھیں خدا کو خوش کرنے کے لیے کچھ کام کرنے کی اجازت دی جائے گی۔ کیونکہ خدا کو راضی کرنے والے اعمال انجام دینے کی جگہ تو دنیا کی زندگی تھی۔ وہ دنیا کی زندگی میں خدا کی طرف توجہ اور اپنی اصلاح کر لینے کے ذریعے خدا کو راضی کر سکتے تھے۔ لیکن اس کام کا وقت اب گزر چکا۔

www.drhasanrizvi.com

"ہر سخن موقع و ہر نکتہ مقامے دارد۔"

ہر کام کا ایک وقت ہوا کرتا ہے۔

آخر میں یہ ان کی انتہائی مذمت ہے کہ اگلی آیت میں خدا نے ان کے بُرے انجام پر اپنی تعریف فرمائی ہے۔ (الامان الحفیظ) ✲ (تفسیر تبیان۔ مجمع البیان)

(خدا سے دعا ہے کہ خدا ہم سب کو ایسے بُرے انجام سے بچائے۔ آمین۔)

فَلِلّٰهِ الۡحَمۡدُ رَبِّ (۳۶) غرض تعریف اور شکر اللہ
السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الۡاَرۡضِ کے لیے ہے جو آسمانوں اور
رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۳۶﴾ زمین کا بھی پالنے والا مالک ہے
اور مالک ہے تمام جہانوں کا بھی۔

خداوند عالم نے ایک دفعہ اپنے لیے فرمایا: "سارے آسمانوں کا پالنے والا مالک۔" پھر فرمایا: "زمین کا پالنے والا مالک۔" اور آخر میں اپنے لیے فرمایا: "تمام کائنات اور کائنات میں رہنے والوں کا پالنے والا مالک۔"

یہ شاید اس لیے فرمایا تھا کہ مشرک کے اس عقیدے کی مکمل نفی ہو جائے کہ مختلف چیزوں کے مختلف پالنے والے مالک (ارباب) ہیں، بتایا جا رہا ہے کہ خالق بھی ایک ہے اور سب کا رب بھی (یعنی) پالنے والا مالک بھی ایک ہی خدا ہے۔

www.drhasanrizvi.com

خداوند عالم کی پہلی صفت "حمد" یعنی قابل تعریف ہونا بتائی گئی۔ دوسری صفت "ربوبیت" یعنی پالنے والا مالک بتائی گئی۔

تیسری صفت یہ بتائی گئی کہ ساری کی ساری بڑائی آسمانوں اور زمین میں خداوند عالم ہی کے لیے ہے (لَهُ الْكِبْرِيَاءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ)

(تفسیر نمونہ)

وَلَهُ الْكِبْرِيَاءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۖ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٣٧﴾

(٣٧) زمین اور آسمانوں میں بڑائی اُسی کے لیے ہے۔ اور وہی زبردست طاقت والا عزت والا بھی ہے اور گہری حقیقتوں کی بنا پر دانائی کے ساتھ بالکل ٹھیک ٹھیک کام کرنے والا بھی۔

خداوند عالم اپنی ساری کائنات اور مخلوقات پر پوری پوری طرح غالب ہے۔ جب چاہے اپنی بڑائی کا اعلانیہ اظہار کر سکتا ہے۔ اور جب چاہے دوسروں کی تمام بڑائیوں کا خاتمہ کر سکتا ہے۔ مگر وہ اپنی صفت حکمت و رحمت کی وجہ سے اپنی بڑائی کا اعلان اس شان سے نہیں کرتا کہ سب کی بڑائیاں یکسر ختم فرما دے۔

(تفسیر ماجدی)

www.drhasanrizvi.com

عرفاء نے لکھا کہ:

(۱) حمد و تعریف خدا ہی کی ذات کے لیے مخصوص ہے۔ لہٰذا ہمیں چاہیے کہ جس قدر زیادہ سے زیادہ ممکن ہو اُس کی حمد و تعریف بجا لائیں۔

(۲) اب کیونکہ وہی ہمارا پالنے والا مالک ہے اس لیے کثرت سے اس کا شکر ادا کرتے رہیں۔

(۳) اور کیونکہ بڑائی خدا ہی کے لیے زیبا ہے اس لیے اس کی بڑائی کا اعلان کرتے رہیں ـــ تکبیرات پڑھ کر۔

(۴) اور کیونکہ خدا ہی "عزیز" غلبہ والا، اور "حکیم" گہری حقیقتوں کو بالکل ٹھیک ٹھیک جاننے والا ہے اس لیے اسی کی عاجزانہ اطاعت بجا لائیں۔

اسطرح سورۂ جاثیہ جو خداوند عالم کی دو اہم ترین صفات عزیز و حکیم سے شروع ہوئی تھی اور انھیں صفات کے ذکر پر ختم ہوئی۔ اس سورے کے سارے مضامین خداوند عالم کی ان ہی دو صفات کا بیان ہیں۔

※ (تفسیر نمونہ۔ تفسیر کبیر۔ مجمع البیان)

کاتب .... جعفر صادق : اختتامِ تفسیرِ ھذا ماہِ ذی الحجہ ۱۴۲۲ھ